سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب کے مواعظ حسنہ کا مجموعہ
مواعظ
ناشر
کتب خانہ ماہ طیبہ
کوٹلی لوہاراں، سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلطان الواعظین جناب مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب مدیر ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں

کے

بارہ وعظوں کا بے نظیر مجموعہ

مسمّٰی بہ

واعظ

جس میں

انکار حدیث ۔ رفض و خروج ۔ وہابیت و مرزائیت ۔ الحاد و ارتداد اور مادر پدر آزادی وغیرہ آجکل کے جملہ فتنوں کے رد و ابطال میں بارہ مفصل اور مدلل وعظ درج ہیں جو عوام و خواص سبھی کے لئے مفید ہیں اور جس میں علاوہ قرآن و احادیث اور ارشادات سلف کے مثنوی کی حکایات اور نتیجہ خیز لطائف بھی درج ہیں

ناشر

کتب خانہ ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں
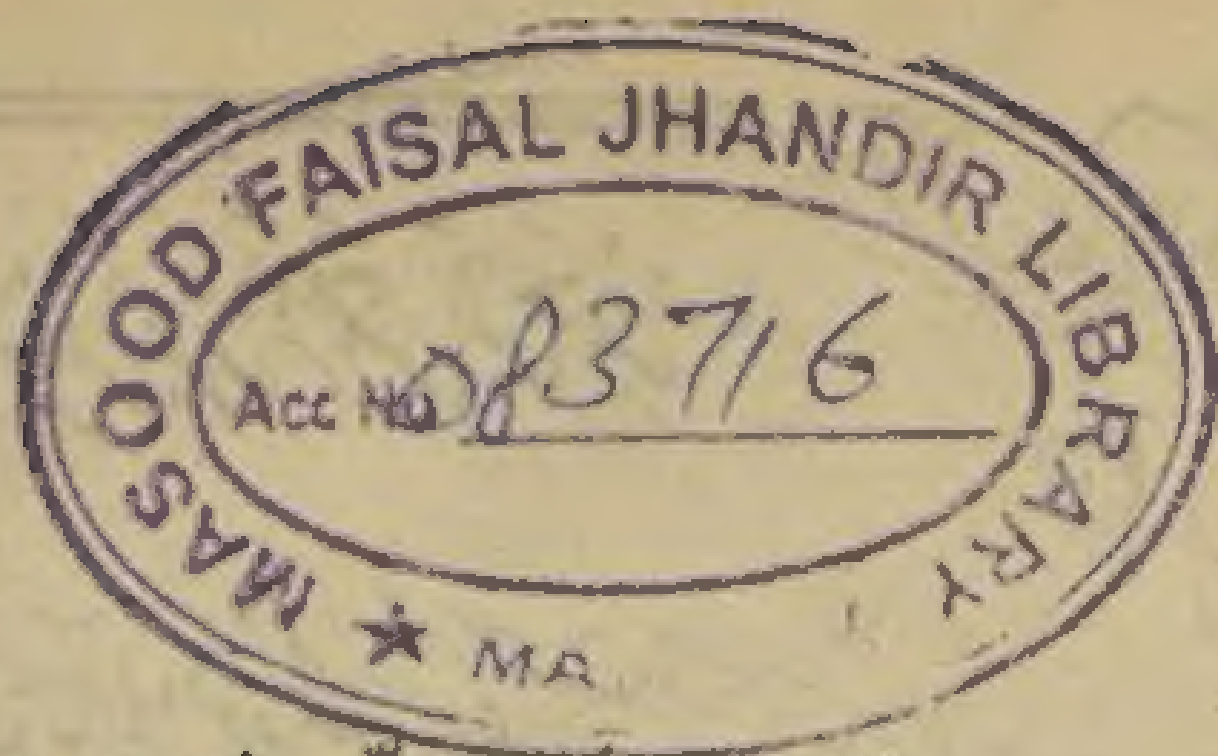
ضلع سیالکوٹ

مصنف - ابوالنور محمد بشیر مدیر ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

مہتمم - صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ و صاحبزادہ ضیاء المصطفیٰ

ایڈیشن - دوسرا

مطبع - اشرف پریس ایبک روڈ - انارکلی - لاہور

قیمت - پانچ روپیہ (بذریعہ ڈاک منگوانے سے محصولڈاک اس کے علاوہ)

منگوانے کا پتا

کتب خانہ ماہ طیبہ - کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

طبع ثانی!

خدا (جل جلالہٗ) اور اس کے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کے فضل و کرم سے "واعظ" نے تھوڑے ہی عرصہ میں قبولیت عامہ اور شہرت تامہ حاصل کر لی اور جس نے بھی اس کا مطالعہ کیا۔ وہ اس کی تعریف و تحسین کے بغیر نہ رہ سکا۔

حق یہ ہے کہ تائید حق اور تردید باطل میں یہ ایک کامیاب تالیف ہے اور اس کا انداز بیان ایک انوکھا دلچسپ اور مؤثر انداز ہے۔ مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ سادہ و عام فہم کہ جس سے ہر شخص مستفید ہو سکے۔ چنانچہ جہاں اسے علماء و طلباء نے پسند فرمایا وہاں عامۃ المسلمین نے بھی اسے حرز جاں بنا لیا۔ اور جہاں دین سے مس رکھنے والوں نے، اسے چاہا۔ وہاں دین سے بے نیاز افراد نے بھی اسے سراہا اور سبھی اس سے مستفید ہوئے۔ اور سبھی نے اس پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔

اس دوسرے ایڈیشن میں بہت سا مفید اضافہ بھی ہے۔ جس سے اس مجموعہ کی افادی حیثیت میں اور بھی چار چاند لگ گئے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز اس مجموعہ کی قبولیت میں بھی دن دونی رات چوگنی ترقی ہی ہوتی چلی جائے گی۔ پڑھیئے اور ہماری اس تحریر کی تصدیق کیجئے۔

عطار المصطفیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط
نحمدہٗ ونصلے علےٰ رسولہ الکریم

پہلی نظر!

مدت سے میری یہ خواہش تھی کہ وعظ کی ایک ایسی جامع کتاب لکھوں جو عوام و خواص سب کے لیئے یکساں مفید ہو اور جس سے مبتدی طلباء بھی فائدہ اٹھائیں اور مشاق، مقررین حضرات کے لیئے بھی وہ سرمایۂ وعظ و تبلیغ ہو۔ چنانچہ یہ مجموعہ میری اسی خواہش کا نتیجہ ہے۔ میں نے اسے بڑی محنت کے ساتھ اور بغیر کسی بخل کے لکھا ہے اور دور حاضر کے اہم مسائل کو سامنے رکھ کر سادہ اور عام فہم طرز میں بہت کچھ لکھا ہے انکار حدیث وہابیت رفض والحاد اور مادر پدر آزادی وغیرہ کے جس قدر بھی آجکل کے فتنے نظر آرہے ہیں ان سب کے رد و ابطال ہیں آپ اس مجموعہ میں مدلل وعظ پائیں گے۔ میں نے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان مواعظ کو مرتب کیا ہے اور جو بات بھی لکھی ہے اصل کتاب میں دیکھ کر لکھی ہے چنانچہ ہر آیت حدیث اور ارشادات سلف اور مخالفین کی عبارات کا مکمل حوالہ لکھ دیا ہے۔ خدا کے فضل سے کوئی حوالہ غلط نہیں ہے۔ آپ ان حقائق کو ہر مجمع میں بلا خوف و خطر اور دھڑلے سے بیان کریں!

اس مجموعہ میں جہاں قرآن و حدیث اور ارشاداتِ سلف کی ضیاء پاشیاں ہیں۔ وہاں حکایات و اشعار اور لطائف کی دلچسپیاں بھی ہیں۔ الغرض یہ کتاب اہل سنت کے لیئے ایک گراں قدر تحفہ ثابت ہوگی۔ انشاءاللہ!

مجھے امید ہے کہ علماء عظام و طلباء کرام، عوام و خواص بلکہ اپنوں اور بیگانوں کی نظر میں بھی یہ مجموعہ قبولیت پائے گا۔ اس لیئے کہ ؎

عشق میرا سا نہانی دل بلبل میں نہیں!
میرے پھولوں میں جو بو ہے وہ کسی گل میں نہیں

ابو النور محمد بشیر

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حمد باری تعالیٰ

اے خدا اے مہرباں مولائے من — اے انیسِ خلوتِ شبہائے من!

اے کریم کارسازِ بے نیاز — دائم الاحساں شہِ بندہ نواز!

اے کہ نامت راحتِ جان و دلم — اے کہ فضلِ تو کفیلِ مشکلم!

ما خطا آریم و تو بخشش کنی — نعرہ اِنّی غفور ے زنی!

اللہ اللہ زیں طرف جرم و خطا — اللہ اللہ زاں طرف رحم و عطا

اے خدا بہرِ جناب مصطفٰے — چار یارِ پاک و آلِ باصفا

پُر کن از مقصد تہی دامانِ ما — از تو باز رفتن زما کردن دعا

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ

تری اس شان کے قربان یا غفار اللہ!
مجھے تو نے دیا عشق شہِ ابرار یا اللہ!
ترے فضل و کرم نے کی یہ میری عزت افزائی
بنایا مجھ کو مداحِ شہِ ابرار یا اللہ

ضیاء القادری

نعت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

تیری سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ

پہلا وعظ

توحید!

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (پ ۳۰ ع ۳۷)

"فرما دو۔ وہ اللہ ایک ہے"

حضرات! اس وقت توحید باری کے متعلق کچھ عرض کرنے کو حاضر ہوا ہوں مجھے یہ بتانا ہے۔ کہ اللہ ایک ہے اور اس کی ذات وصفات میں دوسرا کوئی شریک نہیں۔ یہ حقیقت بیان کرنے سے پہلے وجود باری کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ضروری ہے، یعنی پہلے یہ جان لیا جائے کہ اللہ ہے اور یقیناً ہے۔ میرے بھائیو! اس ملحدانہ دور میں کئی بے دین ایسے بھی ہیں۔ جو سرے سے ہستی باری ہی کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدا وُدا کوئی نہیں (معاذ اللہ) اور پھر لطف یہ کہ یہ لوگ اپنے آپ کو پڑھے لکھے اور عقلمند بھی گمان کرتے ہیں۔ حالانکہ وجود باری کا انکار ساری جہالتوں سے بڑھ کر جہالت اور ساری حماقتوں سے بڑھ کر حماقت ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو میں بے وقوف عقلمند کہا کرتا ہوں۔ وجود باری تعالےٰ کا ثبوت نقلاً تو ہے ہی۔ عقلاً بھی

ہے۔ اور عقل کا بھی یہ تقاضا ہے۔ کہ اس کائنات کا خالق و مالک یقیناً ہے۔

وجود باری کا عقلی ثبوت

دیکھئے آپ اگر ایک میز یا کرسی کو دیکھتے ہیں۔ تو اس میز یا کرسی کے بنانے والے کا تصور یقیناً آپ کے دماغ میں آجاتا ہے۔ اور جب آپ اس کی تعریف کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں۔ خوب ہے صاحب یہ کرسی اور بڑا مضبوط ہے یہ میز۔ کمال ہی کر دیا ہے بنانے والے نے۔ گویا بنانے والے کا ذکر کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس لئے کہ عقل کا یہ فتویٰ ہے کہ مصنوع کے لئے صانع کا ہونا ضروری ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک بنی ہوئی چیز ہو۔ مگر اس کا بنانے والا کوئی نہ ہو۔ بغیر فاعل کے فعل کا صدور کب ممکن ہے اور اگر اس کرسی ہی کی آپ تعریف کئے جائیں۔ بنانے والے کا بظاہر چاہے نام نہ بھی لیں تو بھی وہ ساری تعریف دراصل اس بنانے والے ہی کی تعریف ہوتی ہے مثلاً آپ یوں کہتے ہیں کہ واہ جی کیسی خوبصورت کرسی ہے کیسا اچھا ڈیزائن ہے کس قدر مضبوط ہے۔ کیسا نفیس رنگ ہے۔ تو یہ سارے تعریفی جملے دراصل اس کرسی کے بنانے والے ہی کی تعریف میں ہیں کہ بنانے والے کا ہی تو یہ کمال ہے کہ اس نے ڈیزائن بھی اچھا بنایا ہے۔ مضبوط بھی بنائی اور رنگ بھی اچھا کیا ورنہ کرسی کا خود اپنا ذاتی کمال تو کوئی بھی نہیں۔

انبیاء و اولیاء کی تعریف

بزرگو! یہیں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ خالق کائنات نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے اس میں سے ہم جس مخلوق کی بھی تعریف کریں گے۔ وہ تعریف دراصل اسی خالق کائنات کی ہوگی۔ مثلاً ہم ایک گلاب کے پھول کو دیکھ کر اس کے رنگ و بو کی تعریف کریں۔ تو یہ درحقیقت گلاب کے رنگ و بو بخشنے والے کی تعریف ہے۔ کسی خوبصورت پرندے یا کسی دوسرے جانور کو دیکھ کر اس کی تعریف کریں تو یہ بھی دراصل اس کے خالق کی تعریف ہے۔ اسی طرح خدا کی جس مخلوق کی بھی تعریف کی جائیگی وہ دراصل اسی ربّ کائنات کی تعریف ہوگی۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ یعنے سب

تعریفیں سب اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں
کا پالنے والا ہے"

گویا مخلوق کی تعریف خالق کی تعریف ہے ؏

تو اسی طرح اللہ کے نبیوں۔ ولیوں اور اس کے محبوبوں کی بھی جس قدر تعریف کی جائے گی وہ تعریف بھی سب اللہ ہی کی تعریف ہوگی۔ آپ حسنِ یوسف کی تعریف کرتے ہیں۔ تو یہ تعریف دراصل حسنِ یوسف کے خالق کی تعریف ہے۔ اس لئے کہ الحمد للہ رب العالمین۔ آپ دمِ عیسیٰ کی تعریف کرتے ہیں تو یہ تعریف بھی دراصل عیسیٰ علیہ السلام کو یہ اعجاز بخشنے والے کی تعریف ہے۔ اس لئے کہ الحمد للہ رب العالمین آپ یدِ بیضائے موسیٰ کی تعریف کرتے ہیں تو یہ تعریف بھی موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا عطا فرمانے والے کی تعریف ہے اس لئے کہ الحمد للہ رب العالمین۔ اسی طرح آپ اپنے آقا و مولیٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ بے مثال اور جمال و کمال کی تعریف کرتے ہیں یا آپ کے علم ما کان و ما یکون اور آپ کے تصرف و اختیار کی توصیف کرتے ہیں۔ یا آپ کے اُن بے مثل و بے نظیر صفات و کمالات کی جو خدائی بھر میں کسی دوسرے میں نظر نہیں آتے، تعریف کرتے ہیں نثر میں تعریف کرتے ہیں یا حضور کی جامع کمالات ذاتِ منبعِ برکات کو دیکھ کر اعلیٰحضرت کی طرح نظم میں تعریف کرتے ہیں اور یوں کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ؎

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے　　باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں　　جانِ مراد و کانِ تمنا کہوں تجھے
بے داغ لالہ یا قمرِ بے کلف کہوں　　بے خار گلبنِ چمن آرا کہوں تجھے
مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا　　یعنی شفیعِ روزِ جزا کا کہوں تجھے
اس مردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دوں　　تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری　　حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

تو یہ سب تعریفیں بھی درحقیقت اللہ کی ہی تعریفیں ہیں۔ جس نے اپنے

محبوب کو اس قدر فضائل و کمالات عطا فرمائے اس لئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خدا اپنے محبوبوں کی تعریف سے خوش ہوتا ہے

دوستو! اس مثال سے یہ حقیقت بھی ظاہر ہے کہ کسی کاریگر کی بنی ہوئی چیز کی جب تعریف کی جائے تو وہ کاریگر اپنی مصنوع کی تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ دیکھئے جب آپ کرسی کی تعریف کریں گے۔ تو تعریف کرسی کی ہو رہی ہے۔ اور خوش کرسی کا بنانے والا ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ تعریف دراصل میری ہے۔ اور اگر آپ اس کرسی میں نقص نکالنے لگیں اور یوں کہنے لگیں کہ یہ کس قدر بھونڈی ہے۔ اس کا رنگ اچھا نہیں۔ اس کی فلاں جگہ خراب ہے تو اس تنقیص سے کرسی کا تو کیا بگڑے گا، کاریگر کو غصہ آئے گا تو بلاشبہ جو لوگ انبیاء کرام و اولیاء عظام کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ ان کی اس تعریف سے انبیاء و اولیاء کا خالق خوش ہوتا ہے اور جو گستاخ ان اللہ والوں کی تنقیص میں لگے رہتے ہیں کہ ان میں یہ خوبی بھی نہیں۔ یہ کمال بھی نہیں۔ ان کی اس تنقیص سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ اور اپنے جلال میں یوں فرماتا ہے:۔

ذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ (پ ۲۹ ع ۱۳) یعنے "دیا رسول اللہ چھوڑ دیجئے مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو۔"

گویا ان بے دین گستاخوں کا مقابلہ خدا سے ہوتا ہے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

حماقت

اور یہیں سے اندازہ کر لیجئے۔ اس حماقت کا بھی۔ جو ہمیں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ اہل سنت تو نبیوں اور ولیوں کی اس قدر تعریف کرتے ہیں اور انہیں اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ انہیں خدا ہی بنا ڈالتے ہیں۔ حالانکہ جو مخلوق ہے اس کی چاہے کتنی تعریف کی جائے وہ خالق بن ہی نہیں سکتی۔ کیوں صاحب! اگر کوئی کرسی کی جی بھر کے تعریف کرے اور ایک احمق اس کی اس تعریف کو سن کر یوں کہنے لگے کہ دیکھئے صاحب! آپ نے تو کرسی کی اس قدر تعریف کر ڈالی ہے کہ اس کرسی کو بڑھئی

بنا ڈالا ہے۔ یا اگر کوئی کسی کوٹ یا واسکٹ کی تعریف کرے، اور کوئی بے وقوف کہنے لگے کہ صاحب آپ نے تو اس کوٹ اور واسکٹ کو درزی بنا ڈالا ہے تو فرمائیے:۔ تعریف کرنے والا غلطی پر ہے یا یہ اعتراض کرنے والا جاہل و بے وقوف ہے۔ یقیناً یہ معترض ہی احمق ہے۔ جو نہیں سمجھتا۔ کہ مصنوع کی چاہے کس قدر تعریف کی جائے وہ صانع بن ہی نہیں سکتی۔ تو اسی طرح کسی نبی یا ولی کی چاہے کتنی تعریف کی جائے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ نبی یا ولی خدا بن جائے۔ مگر کسی نے خوب کہا ہے ؎

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

تو میں کہہ رہا تھا کہ ایک کرسی کو دیکھ کر اس کے بنانے والے کا تصور خواہ مخواہ آ جاتا ہے۔ اسی طرح ایک زیور کو دیکھ کر سنار کا تصور آجاتا ہے۔ ایک تالے کو دیکھ کر لوہار کا تصور آجاتا ہے۔ آپ ایک جنگل میں جارہے ہوں اور آپ کو زمین پر انسانی پیروں کے نشان نظر آئیں تو ان نشانوں کو دیکھ کر آپ کی عقل یہ فتوے دیتی ہے۔ کہ یہاں سے ضرور کوئی انسان گذرا ہے اور آپ عقل کے اس فتوے کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اس گزرے ہوئے انسان کو بغیر دیکھے بھی مان لیتے ہیں۔ کرسی کے بنانے والے کو دیکھا نہیں مگر مانتے ضرور ہیں۔ زیور کے بنانے والے کو دیکھا نہیں۔ مگر مانتے ضرور ہیں تالے کے بنانے والے کو دیکھا نہیں۔ مگر مانتے ضرور ہیں۔ تو میرے بھائیو! جب کرسی کا بنانے والا ہونا ضروری ہے۔ زیور و تالا بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتا۔ اور ان بنانے والوں کو بغیر دیکھے بھی عقل تسلیم کر لیتی ہے تو یہ اتنی بڑی زمین اور یہ اس قدر بلند و رفیع آسمان اور یہ کائنات کے عجائب و غرائب جو تمہارے سامنے ہیں کیا ان کا بنانے والا کوئی نہیں ہے؟ کیا وہ عقل جو ایک معمولی تالے کے لئے اس کے بنانے والے کا وجود ضروری بتاتی ہے اتنے بڑے جہان کے بنانے والے کا وجود ضروری قرار نہ دے گی؟ دے گی اور ضرور دے گی اور وہ جہان کے خالق پر بن دیکھے بھی ایمان لے آئے گی ؎

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد
ایں سببہا در نظرہا پردہا است
در حقیقت فاعلِ ہر شے خدا است

ایک دانا بڑھیا

دوستو! خدا کے منکروں اور دو دو تین تین خدا ماننے والوں کی عقل تو ایک بڑھیا کی عقل سے بھی مقابلہ نہیں کر سکتی

ایک دانا بڑھیا کی حکایت ہے کہ وہ بیٹھی چرخا کات رہی تھی کہ کسی عالم نے اس سے دریافت کیا: "بڑھیا! ساری عمر چرخہ ہی کاتتے میں گزری یا کوئی خدا کی پہچان بھی حاصل کی؟" بڑھیا نے جواب دیا: "بیٹا خدا کا شکر ہے کہ تھوڑی بہت اس کی پہچان ہے۔" عالم نے پوچھا۔ "اچھا بتاؤ تو خدا ہے یا نہیں؟" بڑھیا نے جواب دیا "ہے اور یقیناً ہے" عالم نے پوچھا۔ "دلیل کیا ہے؟" بڑھیا بولی "دلیل یہ میرا چرخہ۔" عالم نے پوچھا "یہ کیسے؟" وہ بولی "جب تک میرے اس چرخے کو کوئی چلانے والی نہ ہو یہ نہیں چلتا۔ تو میں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ جب میرے چھوٹے سے چرخے کو کسی چلانے والے کی ضرورت ہے اور یہ بغیر چلانے والے کے چل نہیں سکتا۔ تو زمین و آسمان کا اتنا بڑا چرخہ بغیر کسی چلانے والے ہی کے چل رہا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا چلانے والا بھی ہے۔" مولوی صاحب یہ جواب سن کر بڑے خوش ہوئے۔ اور پھر پوچھا۔ "اچھا اب یہ بتاؤ کہ آسمان کا چرخہ چلانے والا ایک ہے یا دو؟" بڑھیا نے جواب دیا "ایک ہے" مولوی صاحب نے پوچھا "یہ کیسے؟" وہ بولی "یہ ایسے کہ چرخا چلانے کے لئے اگر دو عورتیں بیٹھ جائیں تو یا تو وہ دونوں ایک ہی طرف کو چرخا چلائیں گی اور یا ایک، ایک طرف اور دوسری، دوسری طرف۔ پہلی صورت میں چرخا معمول سے زیادہ تیز چلنے لگے گا۔ اور دوسری صورت میں یا رُک جائے گا یا ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر اسے چلانے والی ایک ہوگی تو اپنی مرضی سے اسے معمول کے مطابق ایک ہی طرف کو چلاتی رہے گی۔ تو اس سے میں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر زمین و آسمان کے چرخے کو چلانے والے دو خدا ہوتے اور اگر وہ اس چرخے کو ایک طرف چلاتے۔ تو اس کی رفتار میں معمول سے زیادہ تیزی پیدا ہو جاتی۔ دن رات بجائے چوبیس گھنٹے کے دس بارہ گھنٹے کے رہ جاتے۔ ان کے نظام میں فرق آ جاتا۔ اور اگر ایک خدا اس کو ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف چلاتا۔ یعنی ایک کہتا کہ میں آج مینہ برساؤں گا۔ دوسرا کہتا۔ نہیں میں تو آسمان صاف رکھوں گا۔ ایک کہتا میں زید کا مرض دور کر کے اسے شفا دوں گا۔ دوسرا کہتا میں تو اس کے پاس ملک الموت بھیج رہا ہوں تو اس صورت میں یہ زمین و آسمان کا چرخا ٹوٹ پھوٹ جاتا۔ مگر چونکہ ایسا نہیں ہوا۔ لہذا ثابت ہوا کہ

خدا ہے اور ایک ہے" مولوی صاحب بڑھیا کے یہ ایمان افروز دلائل سنکر بڑے خوش ہوئے۔ دیکھئے اس دانا بڑھیا نے اپنے چرخے سے کیا کچھ حاصل کر لیا۔ یہی وہ مبارک عقل ہے جو آجکل کے ملحدین اور دہریوں کے پاس نہیں ہے اور جو سورۃ آیۃ لا یعقلون کے مصداق ہیں۔ یہ لوگ اپنی حماقت سے اپنی برائے نام عقل اور سائنس پر نازاں ہو کر خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار کر دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کو بعض اوقات اس دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں لکھا ہے کہ

ایک فلسفی کی حکایت

ایک فلسفی جا رہا تھا۔ راستے میں اس نے ایک قاری سے قرآن کی یہ آیت سنی۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا
فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَعِينٍ (پ ۲۹ ع ۲)!

"تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں
دھنس جائے تو وہ کون ہے جو تمہیں پانی لا دے
نگاہ کے سامنے بہتا"

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ان تمہارے پانیوں کو میں اگر زمین میں دھنسا دوں اور تمہارے کنوؤں کا پانی اگر اس قدر نیچے چلا جائے کہ کوئی ڈول وغیرہ وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ پانی کو بالکل خشک ہی کر دوں۔ تو وہ کون ہے۔ جو اس پانی کو واپس لے آئے۔ واقعی یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی وہ پانی پھر واپس نہیں لا سکتا۔ مگر وہ فلسفی جو اپنے قوت سائنس پر نازاں تھا۔ یہ آیت سن کر طنزیہ ہنسی ہنسا اور کہنے لگا۔

ما بزخم بیل و تیزی تبر!
آب را آریم از پستی زبر

"اس پانی کو ہم اپنے آلات سے اوپر لے آئیں گے اس میں کون سی مشکل بات ہے"

شب بخفت و دید آں یک شیر مرد
زد طمانچہ ہر دو چشمش کور کرد

فلسفی رات کو سویا تو خواب میں اسے ایک بہادر اور قوی شخص نظر آیا اس شخص نے آتے ہی اس فلسفی کو زور سے ایک طمانچہ دے مارا۔ طمانچہ

نکلتے ہی فلسفی کی دونوں آنکھوں میں سے جو نور کے قطرے تھے ۔ بہ گئے ۔
اور وہ اندھا ہو گیا اور پھر اس قوی شخص نے کہا ؎

گفت زیں دو چشمہ چشم شقی !
باز نور ے بیار اگر صادقی !

"اے فلسفی ! اگر واقعی تو سچا ہے اور تیرے آلات سائنس کچھ ایسا ہی کمال رکھتے ہیں ۔ تو پہلے اپنی ان دو آنکھوں کے چشموں کا پانی واپس لا کر دکھا"
وہ فلسفی صاحب اُٹھ اٹھے ۔ تو اندھے تھے اور ان کی ساری سائنس دھری دھرائی رہ گئی

مشرکین کے خدا

میرے بھائیو ! وجود باری تسلیم کر لینے کے بعد بعض گمراہوں نے دو دو اور تین تین خدا قرار دے لئے ہیں اور بعض نے اس سے بھی زیادہ ان ہندوؤں کو دیکھئے انہوں نے کئی کئی دیوتا اور خدا بنا رکھے ہیں ۔ سانپ ان کا دیوتا ہے ۔ بندر ان کا دیوتا ۔ پانی ان کا خدا ۔ آگ ان کا خدا ۔ ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے کہ ؎

جو حقہ پیئیں تو ہویدا خدا ہو جو چولہا جلائیں تو پیدا خدا ہو
ذرا اس خدا پر جو انڈیلیں پانی تو مخلوق باقی اور اللہ فانی

یونہی آگ بھی ان کا خدا اور پانی بھی ان کا خدا ۔ اب ان دونوں کی جنگ کا نظارہ چولھے پر دیکھئے ۔ ایک دیوتا نیچے جل رہا ہے ۔ اور ایک اوپر اُبل رہا ہے اگر نیچے والا دیوتا زیادہ گرم ہو جاتے تو اوپر والے دیوتا کا معاملہ صاف اور اگر اوپر والے دیوتا صاحب جوش میں آجائیں اور باہر نکل کر نیچے والے دیوتا کے اوپر آ کودیں تو نیچے والے دیوتا کا معاملہ صاف ۔ تو فرمایئے یہ بھی کوئی عقل ہے ۔ کہ ایسی چیزوں کو دیوتا مانا جائے ۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ یہ ہندو ان چیزوں کو دیوتا مانتے ہیں ۔ میرے خیال میں جو چیز ان لوگوں کو زیادہ طاقت ور، مہیب یا عجیب نظر آتی ہے ۔ اسے جھٹ یہ لوگ دیوتا تسلیم کرنے لگ جاتے ہیں ۔

لطیفہ

مجھے خوب یاد ہے ایک مرتبہ دہلی کے ایک جلسہ میں مولانا محمد شفیع صاحب المعروف بہ دلہن میاں نے اپنی تقریر میں یہ بات سنائی کہ دلی میں جب پہلی مرتبہ ریل گاڑی آئی تھی ۔ ان دنوں میں ، میرے ایک بوڑھے ہندو دوست کیسا کہتے

بنر نس سیر دلی سے کچھ دور نکل گیا۔ اتفاق ریوے لائن قریب آگئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے ریل گاڑی گذری۔ میرے ہندو دوست نے اس سے پہلے کبھی ریل گاڑی نہ دیکھی تھی۔ جب اس نے زور شور سے گاڑی کو گزرتے دیکھا۔ تو فوراً سجدہ میں گر کہہ کہنے لگا۔ "جے ہچپ ہپ مائی تیری جے ہو" دیکھا آپ نے شرک و کفر نے انسان کو کس قدر ذلیل کر دیا کہ بندروں، درختوں اور گاڑیوں کے آگے جھکا دیا۔

اسی طرح جو لوگ تین خدا مانتے ہیں۔ وہ بھی مشرک ہیں۔ یہ سب بے عقلی، اور گمراہی کی باتیں ہیں۔ اسلام نے آکران حماقتوں، جہالتوں، گمراہیوں اور ذلتوں کو مٹایا اور اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا کہ میرے محبوب قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہے۔ سبحان اللہ! اپنی توحید کا اعلان اپنے محبوب سے کرایا جاتا ہے۔ اور فرمایا جاتا ہے۔ پیارے تو کہہ دے۔ گویا اے محبوب ہزاروں پیغمبروں نے میری توحید کا ڈنکا بجایا۔ مگر یہ گمراہ اور مشرک پھر بھی شرک و گمراہی سے باز نہیں آئے۔ اب اے محبوب تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہے ؎

قُلْ کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سُنی
اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند

چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے علے الاعلان فرما دیا۔ "اللہ ایک ہے" میرے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک آواز مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں گونجی دنیائے کفر و شرک میں لرزہ طاری ہوا۔ بت منہ کے بل اوندھے گرے۔ شیطان اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ گویا ؎

وہ کڑکا تھا بجلی کا یا صوت ہادی!
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

حضور کی اس مبارک آواز کا یہ اثر دیکھا کر دنیا کی توجہ توحید کیطرف ہونے لگی۔ مشرکین میں سے بعض لوگ توحید کو اپنانے لگے۔ چنانچہ آج کل کے ہندوؤں میں سے آریہ اور سکھ بزعم خویش توحید پرست ہیں اور وہ سناتن دھرمیوں کے اسی لئے خلاف ہیں۔ کہ وہ مورتی پوجا کرتے ہیں۔ عیسائیوں میں بھی ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو مریم و عیسےٰ علیہما السلام کی تصویروں کی پوجا کا مخالف ہے تو یہ سب کچھ میرے آقا و مولیٰ صلے اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ توحید کا کرشمہ ہے۔ مجھے یہاں اکبرالہ آبادی کا ایک مزیدار واقعہ یاد آ گیا ہے۔

اکبر کا ایک مزیدار شعر

اکبرالہ آبادی ایک انگریز افسر سے ملنے کے لیے دفتر میں گیا۔ انگریز کے آفس میں جو گھڑی لگ رہی تھی وہ خراب تھی۔ تین بجے کا ٹائم تھا اور اس گھڑی کی سوئی جب تین کے نشان پر آئی تو بجائے تین کے اس نے ایک بجایا۔ اکبر کی رگِ ظرافت پھڑکی، ورجسٹ بولا ؎

"تثلیث کے قائل نے کہا مجھ سے خدا ایک"

یعنی یہ انگریز کی گھڑی ہے جو عیسائی ہے اور تین خداؤں کا قائل ہے تو اس تثلیث کے قائل کی گھڑی نے بھی اس وقت جبکہ تین ہی بجے کا ٹائم ہے۔ بجائے تین کے ایک بجایا ہے۔ گویا تین خداؤں کے قائل نے آج ایک خدا ہونے کا اعلان کر دیا ہے:۔

تثلیث کے قائل نے کہا مجھ سے خدا ایک　　　اور اگلا مصرعہ سنیئے

کیا خوب ہے　　　تھی تین پہ سوئی میری ہیبت سے بجا ایک

یعنی اس عیسائی کی گھڑی نے تین پرسوئی ہونے کے باوجود ایک کیوں بجایا؟ اس لئے کہ اس نے دیکھ لیا کہ ایک "محمدی" آبیٹھا ہے۔ بس یہ میری ہیبت تھی کہ وہ عیسائی گھڑی تین نہ بجا سکی اور میری ہیبت سے بجا ایک۔ تو میرے بزرگو! یہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان توحید کی برکتیں ہیں کہ آج فرزندانِ توحید کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں

توحید کیا ہے؟

میرے بزرگو! اب دیکھنا یہ ہے کہ توحید کہتے کسے ہیں اس زمانہ میں کئی عیسائی آریہ اور سکھ بھی بظاہر توحید کو اپناتے نظر آتے ہیں۔ مگر کیا وہ موحد ہیں؟ مومن ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یاد رکھیئے۔ اللہ کو ایک ماننا اور لاشریک جاننا اور راستے اس کی صفات سمیت ماننا یہ توحید ہے۔ اب جو اللہ کو ایک تو مانے۔ مگر اس کی کسی صفت پر ایمان نہ لائے تو وہ موحد و مومن نہیں۔ بلکہ بے ایمان ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ اللہ ہے اور ایک ہے مگر وہ رازق نہیں۔ یا وہ مالک نہیں۔ یا یوں کہے کہ اللہ ہے اور ایک ہے مگر وہ قادر نہیں۔ عالم نہیں۔ تو اس کا اللہ کو ایک کہنا بیکار ہے اور وہ اللہ کی کسی ایک صفت کا بھی انکار کر کے مومن و موحد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بے ایمان کا بے ایمان ہے۔

تو میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات میں سے ایک صفت "مُرسِل مُحمّد (صلے اللہ علیہ وسلم)" بھی ہے۔ یعنی وہ اللہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا بھیجنے والا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:۔ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ، تو جو شخص اللہ کو مانے، اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو نہ مانے تو اس نے خدا کی ایک صفت "مرسل محمد" کا انکار کر کے خدا کو نہیں مانا۔ اور وہ موحد و مومن ہرگز نہیں ہوا۔ بلکہ کا فر کا کافر ہی رہا۔ موحد و مومن وہ ہے۔ جو اللہ کو مانے اور اس کے رسول کو بھی مانے

اور قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ط (پ۱ع۸) ...... یعنے جو لوگ ایمان والے ہیں اور جو لوگ یہودی اور عیسائی اور ستارہ پرست ہیں۔ ان میں سے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں۔ ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور انہیں نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔

لہ

بات دراصل وہی ہے جو میں کہہ چکا کہ اللہ کو اس کی ساری صفات کیساتھ جب تک نہ مانا جائے۔ ایمان کا وقوع ناممکن ہے۔ تو اللہ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسولوں کا سردار بنا کر بھیجنے والا ہے۔ تو جو اللہ کو مانے گا اُسے یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور رسولوں کے سردار ہیں۔ تو آیت مذکورہ میں مَنْ اٰمَنَ باللّٰہ کا مطلب صاف ہوگیا۔ کہ عیسائیوں، یہودیوں اور ستارہ پرستوں میں سے جو اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، اور قیامت پر بھی ایمان لائیں۔ اور پھر شریعت محمدیہ کے مطابق نیک عمل کریں تو ان کے لئے نجات ہے ورنہ نہیں!

بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے پیغمبروں کا بھی بھیجنے والا اللہ ہی ہے۔ وہ آدم کا بھیجنے والا ہے۔ نوح کا بھیجنے والا ہے۔ ذکریا کا بھیجنے والا بھی ہے موسےٰ کا بھیجنے والا بھی ہے۔ عیسےٰ کا بھیجنے والا بھی ہے (علیہم السلام) تو یہ حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے۔ مگر اللہ کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے کسی ایک رسول کی بھی رسالت کو نہ مانے تو اس نے اللہ کو ہرگز نہیں مانا۔ جو اللہ پر ایمان لائے گا اسے اللہ کے سارے رسولوں پر ایمان لانا پڑے گا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ یہ تو اللہ کے پیارے مقرب اور رسول ہیں۔ مجھ کو دیکھئے ایک گنہگار امتی ہوں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور ساتھ ہی وہ یہ کہہ دے کہ اللہ بشیر کا خالق نہیں (معاذ اللہ) تو یہ کہنے سے بھی وہ مومن باللہ نہ رہے گا۔ اس کا ایمان جبھی صحیح ہوگا۔ جب کہ وہ اللہ کو خالقِ بشیر بھی مانے۔ تو بھائیو! جو شخص زید۔ عمر۔ بکر کے متعلق کہے کہ یہ اللہ کی مخلوق نہیں اور اللہ نے انہیں پیدا نہیں کیا وہ ایمان دار نہیں ہو سکتا۔ تو جو اللہ کے محبوب اور سارے نبیوں کے سردار حضور سرورِ عالم

شہد سے میٹھا محمد نام   شہد سے میٹھا محمد نام

[illegible]   دوسرا نام [illegible]

دل البیلا کر دو رخ سے [illegible] پیغام   شہد سے میٹھا محمد نام

شہد سے میٹھا محمد نام   شہد سے میٹھا محمد نام

[illegible]   دوسری [illegible]

[illegible] دونوں جہاں [illegible] نام   شہد سے میٹھا محمد نام

شہد سے میٹھا محمد نام   شہد سے میٹھا محمد نام

[illegible] محبت کی [illegible] دیا!   [illegible] جام پلایا   دوسری [illegible] بنایا

[illegible] شہنشاہی   یاد ہے صبح و شام   شہد سے میٹھا محمد نام

شہد سے میٹھا محمد نام   شہد سے میٹھا محمد نام

درود شریف پڑھیے:-

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ!

حضرات! اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے محبوب کا نام لے کر ان کی رسالت کا ڈنکا بجایا ہے۔ آپ میرے پہلے وعظ میں سن چکے ہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب سے فرمایا۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ - اے محبوب آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید حق کا اعلان فرمایا اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا نعرہ لگایا تو اس آیت کریمہ میں اللہ نے "محمد رسول اللہ" فرما کر گویا اس امر کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ محبوب! تم نے ہماری توحید کا ڈنکا بجایا اور یوں کہا لا الہ الا اللہ۔ اور ہم تمہاری رسالت کا ڈنکا بجاتے ہیں۔ اور یوں فرماتے ہیں۔ محمد رسول اللہ گویا تم ہمارے اور ہم تمہارے ؎

جناب محمد برائے الٰہی!   جناب الٰہی برائے محمد

ایک نکتہ کلمہ طیبہ انہیں دو جملوں سے بنا ہے۔ ایک جملہ تو اعلان مصطفیٰ ہے۔ اور وہ ہے لا الہ الا اللہ۔ اور دوسرا جملہ اعلان کبریا ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ! اور یہ خدا کی شان اور اس کی محبت ہے اپنے محبوب سے کہ کلمہ طیبہ میں اپنے محبوب کے اعلان کو پہلے رکھا اور اپنے اعلان کو مؤخر کر دیا اور ایک دوسرا نکتہ بھی

ہے۔ جسے ہم نے اپنے ملک سے نکال دیا ہے۔ کبھی کچھ بت پاکستان میں!

لندن میں ۱۹۵۸ء کے یوم اقبال کی تقریب میں ہمارے پاکستانیوں نے عین رمضان شریف کے مہینہ میں یہ تقریب منائی جس میں شراب پیش کی گئی اور افطار کے لئے کچھ دیر کے لئے اجلاس کی کارروائی ملتوی کی گئی۔ اسی واقعہ کے پیش نظر مرزا ابراہیم نے ایک نظم لکھی جو نوائے وقت لاہور ۳۰ اپریل ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں ؎

دیکھ لے اقبال تیرے جشن رحمت بار میں کیا مزہ آیا ہمیں سب ہر کے افطار میں
دیکھ کیا رکھا ہے تیری مذہبی تکرار میں کھول دیں آنکھیں مری ساقیٔ گلفام نے

دیکھ پاکستان کی وہ نوری وہ تصویر دیکھ
دیکھ لے اقبال اپنے خواب کی تعبیر دیکھ

مٹ گئی قید حرم آزاد ہر انسان ہے ہر طرف جلوے ہی جلوے ہیں خدا کی شان ہے
میکدہ ہی میکدہ ایمان ہی ایمان ہے دیکھ لے اقبال یہ اسلام پاکستان ہے

پی کے مے ہم لگاتے ہیں نعرۂ تکبیر دیکھ
دیکھ لے اقبال اپنے خواب کی تعبیر دیکھ

تو میرے عزیزو اور بزرگو! پاکستان لینا ہے تو آپ خود بھی پاک ہو۔ ورنہ تمہارا پاکستانی ہونا ایسا ہی ہوگا جیسا حبشی کو عنبر کہہ لیا جائے یا کسی جاہل کا نام محمد فاضل رکھ دیا جائے۔

ہاں تو اللہ نے فرمایا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ خداوند کریم نے اپنے محبوب کا اسم نامی لے کر ان کی رسالت کا اعلان فرمایا ہے آئیے پہلے نام نامی

"مُحَمَّدٌ"

کا ذکر پاک کریں اور دیکھیں کہ محمد کے معنی کیا ہے؟

محمد کا معنی

تو میرے بھائیو! "محمد" حمد سے مشتق ہے اور اسم مفعول ہے اور اس کا معنی ہے۔ اَلَّذِیْ یُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ جو بار بار اور متواتر تعریف کیا جائے اور ہر آن ہر زمان جس کی نعت پڑھی جائے۔ یعنی جو وجود باوجود سراپا

حمد و تعریف کے لائق ہو اور ہر لمحہ و ہر ساعت جس کی حمد و ثنا بیان کی جاتی رہے اور جو عیوب و نقائص سے پاک ہو وہ محمد ہے۔

میرے دوستو! خدا کو علم تھا کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو میرے محبوب کے بزعم خویش نقائص بیان کیا کریں گے اور ہمیشہ بکواس ہی کیا کریں گے۔ خدا تعالیٰ کی حکمت دیکھیے کہ اپنے محبوب کا نام ہی رکھ دیا "محمد" کہ اگر کوئی بے دین میرے محبوب کی بدگوئی کرنے لگے گا۔ تو میرے محبوب کا نام ہی تو لے کر کچھ کہے گا۔ تو اللہ نے محبوب کا نام ہی ایسا رکھا کہ کوئی بے دین جب بھی یہ نام لے کر کچھ بکنے لگے۔ تو بدگوئی سے پہلے وہ محمد کہہ کر اس امر کا اقرار کرتے کہ یہ تو یہ ذات حمد و ثنا ہی کے لائق اور عیوب و نقائص سے پاک ہی کر آگے جو کچھ میں بکنے لگا ہوں وہ میری اپنی ذاتی بے ایمانی کا مظاہرہ ہے۔

مُذَمَّم یہی وجہ ہے کہ کفارِ قریش نے سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بجائے محمد کے مذمم رکھ لیا تھا (مرقاۃ) ان کا خیال تھا کہ جب ہم نے محمد کو محمد مان لیا تو پھر جھگڑا کیا باقی رہ گیا۔ پھر تو گویا ہم نے اسے سب کچھ مان لیا۔ حمد و ثنا کے لائق اور عیوب و نقائص سے پاک تسلیم کر لیا۔ بنا بریں وہ لوگ حضور علیہ السلام کی جناب میں گستاخیاں کرتے وقت سرکار کا نام بجائے محمد کے مذمم لیتے اور گالیاں دیتے۔ صحابہ کرام کو جب یہ بات معلوم ہوئی اور انہوں نے حضور سے یہ بات عرض کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا وَيَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا وَ
اَنَا مُحَمَّدٌ۔ یعنے وہ گالیاں کسی مذمم کو دیتے
ہیں اور ہم تو محمد ہیں۔" (مشکوٰۃ شریف ص۵۰۰)

صلے اللہ علیہ وسلم۔ دیکھا آپ نے! اللہ نے اپنے محبوب کو بے ایمانوں کی گستاخیوں سے کس طرح بچایا۔ تو میرے دوستو! جو محمد ہے وہ گویا ہر عیب سے محفوظ و معصوم ہے اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے ہر عیب سے پاک پیدا فرمایا ہے اور یہ ہمارا ہی ایمان نہیں بلکہ ہر صاحب ایمان کا یہی ایمان ہے۔ چنانچہ آئیے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار کے شاعر و نعت خواں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نعت خوانی ملاحظہ فرمائیے :-

میں ردیف "اللہ" ہے۔ یونہی قرآن پاک کے اسلوب کلام کو بھی دیکھئے۔ بالعموم آیات قرآنیہ ہم قافیہ الفاظ پر ختم ہوتی ہیں۔ مثلاً اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ میں تضلیل، ابابیل، سجیل، اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ میں وانحر اور ابتر۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں صمد اور یولد۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں وسواس و خناس اور سورۃ الرحمٰن کو پڑھئے تو آخر تک فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کی مقدس تکرار کے علاوہ ساری ترتیب ہم قافیہ الفاظ پر ختم ہے۔ تمام آیات فصاحت و بلاغت پر چار چاند لگا کر سب ہی روحانی کیف و سرور پیدا کرتا ہے۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ قرآن میں اشعار ہیں۔ مجھے تو یہ بتانا ہے کہ ہمارے اشعار نعتیہ میں ردیف و قافیہ کوئی ناجائز چیز نہیں ہے۔ بلکہ اچھی ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کسی مردود کا نفس نعت ہی سے نالاں ہو تو ایسے بدبخت کا تو کلمہ پڑھنا بھی بیکار ہوتا ہے۔ ایسے ہی کے لئے اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے:-

ذبابٌ فی ثیابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے!

تو ردیف و قافیہ کی پابندی کے ساتھ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و تعریف کرنی کوئی بدعت یا ناجائز نہیں ہے۔ بلکہ ایسی نعت خوانی حضور کے سامنے ہوتی رہی اور حضور سرکار نے اور اپنے نعت خوانوں کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ سن چکے کہ حضور نے حضرت حسان کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کی روح قدس سے امداد فرما۔ اسی طرح:-

حضرت عباس کیلئے دعا

ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی حضور نے دعا فرمائی تھی اور یہ وہ موقعہ تھا۔ جبکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے اور آپ صحابہ سمیت جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ تو حضرت عباس نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ حضور مجھے اجازت دیجئے۔ میں نعت خوانی کروں۔ حضور نے فرمایا:-

"قُلْ لَا يَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ۔ اے عباس! اجازت ہے کہو جو کہنا ہے اللہ تمہارے منہ کو سلامت رکھے۔" (مواہب لدنیہ ص ۱۲۲)

اس کے بعد دیکھئے مواہب لدنیہ کو، حضرت عباس نے ایک طویل نعت پڑھی۔ تو مبارک ہو حضور کے نعت خواں کو۔ حضور نے ان کے لئے منہ سلامت رہنے کی دعا فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منکرین نعت کے منہ کالے اور ٹیڑھے بھی نظر آتے ہیں ؎

منکرین نعت ہیں کامل سیہ
ان کے چہرے ہیں سیہ اور دل سیہ۔

سبھی نعت خواں ہیں

بزرگو! حضرت امام بوصیری علیہ الرحمۃ کا قصیدہ بردہ شریف بہت مشہور و معروف ایمان افروز قصیدہ نعتیہ ہے۔ حضرت امام بوصیری علیہ الرحمۃ کو مرض فالج ہو گیا تھا۔ کوئی علاج مفید و کارگر نہ ہوتا تھا۔ آخر انہوں نے یہ قصیدہ نعتیہ کہا۔ رات خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور نے یہ قصیدہ خود امام بوصیری سے سنا۔ اور پھر انعام میں اپنی چادر عطا فرمائی اور فالج سے شفا بخشی۔ الغرض بڑے بڑے صحابہ کرام اولیاء عظام حضور کی نعت خوانی میں رطب اللسان رہے ہیں۔ صدیق اعظم، امام اعظم، غوث اعظم، مولانا جامی، مولانا رومی، اعلیٰ حضرت وغیرہم رضی اللہ عنہم ان سب بزرگوں نے نعتیں کہیں اور پڑھیں سنیں۔ الغرض سبھی حضور کے نعت خواں ہیں۔ اور جو حضور کا نعت خواں نہیں وہ مسلمان ہی نہیں۔ اور جو مسلمان ہے وہ یقیناً حضور کا نعت خواں ہے۔ حضور کی نعت خوانی ہر مسلمان کے لئے ایک بڑی نعمت ہے اور دعا فرمایا کرو کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں نعت سدا پڑھتے رہنے کی توفیق بخشے اور نعت رسول پڑھتے ہوئے ہی ہمارا دم نکلے ؎

جو ان کی نعت کرتے ہوئے گر تیرا دم نکلے
فرشتے غسل دیں دے کے تجھے کو آب زمزم کا

شعر و شاعری

بزرگو اور دوستو! آجکل شعر و شاعری کا بڑا چرچا اور رواج ہے۔ مگر یاد رکھو کہ شعر و شاعری بھی وہی محمود ہے جس کا موضوع ہی نعت رسول یا حمد باری ہو یا کوئی دوسرا اچھا موضوع ہو۔ شاعری بذاتہ کوئی بری چیز نہیں ہے۔ اگر موضوع برا ہو تو بری ہے۔ اور موضوع اچھا ہو تو اچھی ہے۔ گویا یہ ایک گلاس ہے۔ جس میں شراب ڈالئے تو گلاس ناپاک ہو۔ اور دودھ ڈالئے تو پاک ہے۔ میرے بھائیو!

اور جن کے عبیر دار اشعار وہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے زیر علم جنت کی سیر کریں گے۔

نعتیہ مشاعرہ | آپ نے مذموم شاعری کا مشاعرہ ملاحظہ فرمایا۔ آیئے اس محمود شاعری کا بھی ایک مشاعرہ سنتے جایئے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا قصیدہ نور سبحان اللہ۔ ایمان والوں کے نزدیک عجب مسرور قصیدہ ہے۔ اس کا ایک ہی شعر پڑھتے ہوئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ آپ نے اس قصیدہ میں ایک جگہ فرمایا ہے ؎

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا !
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

حضرت مولانا استیر بدایونی علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت کے تتبع میں اٹھے اور فرمایا ؎

مرحبا آیا عجب موسم سہانا نور کا
بلبلیں گاتی ہیں گلشن میں ترانہ نور کا

اعلیٰ حضرت نے فرمایا ؎

پشت پر ڈھلکا سر انور سے شملہ نور کا
دیکھیں موسیٰ طور سے اترا صحیفہ نور کا

حضرت بدایونی نے فرمایا ؎

نور کا سر پہ عمامہ اور شملہ نور کا
اڑ رہا ہے عرش اعظم پر پھریرا نور کا

شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جنت کا دولھا بنایا گیا تو اس وقت کے نظارۂ نور کا نقشہ اعلیٰ حضرت نے یوں کھینچا ؎

کیا بنا نام خدا اسرا کا دولھا نور کا
سر پہ سہرا نور کا بر میں شہانہ نور کا

اور حضرت بدایونی نے نقشہ یوں کھینچا ؎

مستی نوشاہ نو پہ شب اسریٰ کھلے
چہرۂ پرنور پر باندھا جو سہرا نور کا

"دوشالہ" کا لفظ دیکھیے اعلیٰ حضرت نے کتنا جاذب بٹھایا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں حضور کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ اس چیز کو اعلیٰ حضرت اس شعر میں بیان فرماتے ہیں ؎

نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا!
ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

حضرت مولانا اسیر بدایونی علیہ الرحمۃ نے اس دوشالہ کو جس طرح سمجھایا ہے۔ وہ بھی دیکھیے ؎

حبذا اصل علی حسنین کا نہ حصول پیار
مرحبا دوش نبی پہ ہے دوشالہ نور کا

لفظ "پسینہ" کو بھی اعلیٰ حضرت اور مولانا بدایونی نے نبھایا ہے۔ اور بڑے ہی ایمان افروز طریقے سے قرآن پاک کی جلد پر سونے کا پانی چڑھایا جاتا ہے تو جلد سنہری، اور خوبصورت نظر آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور پہ پسینہ آتا ہے۔ تو اعلیٰ حضرت اس کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں ؎

آب زر بنتا ہے عارض پر پسینہ نور کا
مصحف اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا

یعنی سرکار کا چہرۂ انور قرآن ہے اور یہ جو اس چہرہ انور پہ پسینہ آرہا ہے۔ یہ سونے کا پانی ہے جو اس قرآن پر چڑھایا جا رہا ہے۔ سبحان اللہ! حضرت بدایونی نے پسینہ آنے کا ذکر یوں فرمایا ؎

آگیا ریش مبارک پہ پسینہ نور کا
نور کے خوشے میں ہے ہر دانہ نور کا

الغرض یہ وہ شاعری ہے جو کلید در جنت ہے اور ہمارے اسلاف علیہم الرحمۃ نظم و نثر میں حضور کی نعت خوانی کرتے رہے۔ تو خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ یہ نعت خوانی بدعت ہے یا سنت اسلاف؟ لہٰذا ہم تو حضور کے نعت خواں تھے۔ ہیں۔ اور رہیں گے اور بقول اعلیٰ حضرت ؎

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

ارشادِ حسان

ہاں تو میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا ذکر کر رہا تھا اور یہ بتانے لگا تھا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے حسین ہیں ویسی ہی ہمارا ایمان ہے اور نہ صرف ہمارا بلکہ ہر صاحب ایمان کا یہی ایمان ہے چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے آقا کی ان لفظوں سے تعریف فرمائی ؎

وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ   وَاَكْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

یعنے یا رسول اللہ! میری ان آنکھوں نے آپ سے زیادہ حسین وجمیل کسی کو نہیں دیکھا۔ اور جب عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ شاید کوئی یوں کہہ دے کہ تمہاری آنکھوں نے نہیں دیکھا تو یہ تمہاری آنکھوں کا قصور ہے۔ ممکن ہے حضور سے زیادہ حسین وجمیل کوئی دوسرا بھی ہو۔ تو اس امکان کی دوسرے مصرعہ میں تردید کر دی کہ

وَاَكْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

یعنے حضور آپ سے زیادہ کامل حسین وجمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ گویا ؎

رُخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا کوئی اور آئینہ

نہ ہماری چشمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

آگے چل کے حضرت حسان کیا کہتے ہیں ؎

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ   كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

حضور! آپ ہر عیب سے پاک پیدا فرمائے گئے ہیں گویا جیسے آپ نے خود چاہا ویسے ہی اللہ نے آپ کو بنا دیا۔

سبحان اللہ! دیکھا آپ نے صحابہ کا عقیدہ! قربان جائیں اس ایمان افروز اور باطل سوز شعر پر کیا ہی پیارا ارشاد ہے کہ حضور! آپ کو تو اللہ نے آپ کی منشا کے مطابق بنایا ہے۔ میرے دوستو! آؤ اس شعر کو سمجھنے کے لئے پہلے اپنی خلقت کے متعلق قرآن کا ارشاد سنو!

ہماری خلقت

مجھے اور آپ سب کو بھی اللہ ہی نے بنایا ہے مگر ہمارے لئے خدا کا ارشاد ہے :-

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ (پ ۳ ع ۹) وہی ہے جو تمہاری ماؤں

اٹھا لیتی ہو؟ وہ بولی زیادہ سے زیادہ ایک دانہ گندم۔ فرمایا اتنا کم؟ بولی قبلہ! اس لئے کہ میں مسافر ہوں اور مسافر کے لئے جتنا بوجھ کم ہو بہتر ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے پوچھا تمہارا نام؟ بولی بندی کا نام مُنْذِرَة ہے یعنی ڈرانے والی۔ اُنْذِرُ اَصْحَابِیْ عَنِ الدُّنْیَا التَّاجِرَةِ وَاُرَغِّبُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ۔ میں اپنے ملنے والوں کو اس دھوکہ گر دنیا سے ڈراتی اور آخرت کی رغبت دیتی ہوں۔

کیوں بھائیو! اب تو مان گئے ہو گے۔ ہے کوئی سائنس پر ناز کرنے والا جنٹلمین، ہے کوئی آلہ ایسا جس کے کان چیونٹی کی باتیں سن سکیں۔ اگر ہے تو دکھاؤ۔ ورنہ اس بات پر ایمان لاؤ کہ جن باتوں کو ہمارے کان نہیں سن سکتے، ان کو نبی کے کان سن لیتے ہیں۔ دیکھا بھائیو! یہ تو سلیمان علیہ السلام کے کان ہیں اور ہمارے حضور تو سلیمان کے بھی سردار ہیں (علیہم السلام) پھر حضور کے اس ارشاد میں کسی کو شبہ کیوں ہو کہ اَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ۔ میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ بیشک! بیشک یا رسول اللہ! آپ سنتے ہیں۔ پاکستان کی سنتے ہیں۔ ہندوستان کی سنتے ہیں۔ زمین آسمان کی سنتے ہیں۔ بلکہ ہر دو جہان کی سنتے ہیں ؎

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

حدیث کا ارشاد

لیجئے لگے ہاتھوں ایک حدیث اور بھی سن لیجئے۔ طبرانی شریف کی حدیث ہے۔ حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

بَاتَ عِنْدِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَامَ یَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ
فَسَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ فِیْ مُتَوَضَّئِهٖ بِاللَّیْلِ لَبَّیْكَ
لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میرے ہاں سوئے۔ آپ نماز تہجد کے لئے اٹھے اور مقام وضو پر بیٹھے تو میں نے سنا کہ آپ نے کسی سے جیسے کوئی پاس ہوتا ہے تین بار فرمایا۔ لبیک

لبیک لبیک اور نصرت نصرت نصرت یعنے حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔ تم مدد کئے گئے۔ مدد کئے گئے۔ مدد کئے گئے۔

ام المومنین فرماتی ہیں۔ میں نے حضور سے دریافت کیا۔ حضور! آپ یہ کسے فرما رہے تھے۔ یہاں تو کوئی نہ تھا۔ تو حضور نے جواب میں فرمایا:-

هٰذَا رَاجِزُ بَنِيْ كَعْبٍ وَهُمْ بَطْنٌ مِنْ خُزَاعَةَ يَسْتَصْرِخُنِيْ وَيَزْعُمُ اَنَّ قُرَيْشًا اَعَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِيْ بَكْرٍ۔ یہ بنی کعب کا راجز (جو اس وقت مکہ میں تھے اور حضور یہاں مدینہ منورہ میں) مجھ سے فریاد کر رہا ہے کہ قریش عہد کو توڑ کر بنی بکر کی مدد کر کے ہم کو قتل و غارت کرنے پر آمادہ ہیں اور میں اسے لبیک کہہ رہا تھا" (طبرانی شریف صـ۲۰۱)

گویا مظلوم مکہ معظمہ میں حضور سے فریاد کر رہا ہے اور حضور مدینہ منورہ میں اس کی آواز سنکر لبیک فرما رہے ہیں تو دوستو! پھر ہم کیوں نہ کہیں کہ ؎

فریاد امتی جو کرے حال زار کی!
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

اور کیوں نہ مل کر اس شعر کا ورد کریں ؎

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

برکات نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میرے بزرگو اور دوستو! اس نام پاک کا معنے تو آپ سن چکے اب آیئے اس نام پاک کے فیوض و برکات سنیئے یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ دنیا و ما فیہا۔ عرش و فرش۔ جنن و ما فی الجنان اور زمین و آسمان کا قیام و بقا اسی نام پاک کی بدولت ہے ؎

نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

آدم علیہ السلام کی توبہ اسی نام کے صدقہ میں قبول ہوئی۔ نوح علیہ السلام کی کشتی اتنے بڑے طوفان میں اسی نام کی برکت سے محفوظ رہی ؎

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

گناہوں کو مٹانے والا

حضرت علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ نے حجۃ اللہ علی العالمین میں یہ روایت درج فرمائی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دو سو سال خدا کی نافرمانی کی۔ وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی لاش کو روڑی (گندگی) پر پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم اسے وہاں سے اٹھا کر باعزت دفن کرو اور اس کے لئے ہم سے دعائے مغفرت کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ لوگ تو اس کے گنہگار اور نافرمان ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ ٹھیک ہے وہ واقعی گنہگار و نافرمان تھا۔

اِلَّا اَنَّہٗ کَانَ کُلَّمَا نَشَرَ التَّوْرَاۃَ وَنَظَرَ اِلٰی اِسْمِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم، قَبَّلَہٗ وَوَضَعَہٗ عَلٰی عَیْنَیْہِ وَصَلّٰی عَلَیْہِ فَشَکَرْتُ لَہٗ ذٰلِکَ وَغَفَرْتُ ذُنُوْبَہٗ۔ مگر وہ جب تورات کھولتا اور اس میں میرے محبوب محمد کا نام دیکھتا تو وہ اس نام کو چومتا اور اپنی آنکھوں پر لگاتا تھا۔ اس لئے مجھے وہ پیارا لگتا ہے۔ میں نے اس کے دو سو سال کے گناہ بخش دیئے۔
(حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۸)

جہنم سے بچانے والا

دلائل النبوۃ میں یہ حدیث مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا اُعَذِّبُ اَحَدًا تَسَمّٰی بِاسْمِکَ فِی النَّارِ۔ مجھے میری عزت و جلال کی قسم! جس شخص کا نام محمد ہوگا اسے کبھی جہنم میں نہ ڈالوں گا۔

انگلی سے اس کی ناک میں بدبو پہنچی - تو حیران رہ کر اپنی ساتھ والی عورتوں سے کہنے لگی -
"بہنو! چاند تو واقعی ہو گیا - مگر یہ کیا بات کہ اس سال کا چاند ہے بڑا سڑا ہوا کہ اس سے بڑی بدبو آرہی ہے - اُن عورتوں نے جب یہ بات سُنی تو غور سے دیکھ کر کہنے لگیں - بے وقوف ! چاند اور بدبو ؟ یہ کب ممکن ہے یہ دیکھ تیری اپنی ہی انگلی نجاست آلود ہے
تو میرے بھائیو! محمد " اور علم نہ ہو ؟ "محمد" اور اختیار نہ ہو ؟ "محمد" اور تصرف فی الکون نہ ہو ؟ "محمد" اور جمیع کمالات نہ ہوں ؟ یہ کب ممکن ہے - اے بدبخت منکرو! خود اپنے نجاست آلود ایمانوں کو دیکھو کہ خود تمہارے ایمان ہی نجاست آلود ہیں - پڑھیے درود شریف

الصّلوٰۃ والسّلام علیك یا رسُول اللہ !
الصّلوٰۃ والسّلام علیك یا حبیب اللہ !

رَسُولُ اللہ

اسم پاک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا بیان ختم ہوا - اب آیئے "رسُولُ اللہ" کے متعلق کچھ عرض کروں تو سنیئے ! اس آیت شریفہ میں اللہ نے اپنے محبوب کی رسالت کا ڈنکا بجایا ہے اور فرمایا ہے - مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ " محمد اللہ کے رسول ہیں (صلے اللہ علیہ وسلم)
دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش پیغمبر تشریف لائے اور سب نے یہی اعلان کیا کہ اللہ ایک ہے - مگر آہ ! دنیا نے کما حقہ خدا کی ہستی و وحدانیت کو تسلیم نہ کیا - حتیٰ کہ خدا نے اپنے آخری پیغمبر " محمد رسول اللہ " کو مبعوث فرمایا اور فرمایا اے پیارے ! ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں آئے اور سب نے یہی درس دیا کہ اللہ ایک ہے - مگر ان لوگوں نے میری توحید کو تسلیم نہیں کیا (الامان والحفیظ) پیارے محبوب ! اب تو اپنی زبان سے میری توحید کا اعلان کر اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کہہ دے - اللہ ایک ہے تیرے اعلان سے ہی میری توحید کا پرچم لہرائے گا - چنانچہ حضور کے اعلان توحید سے یہ انقلاب نظر آیا کہ ع

ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

کے مطابق وہ نوبت یہ کہ بت پرست بلکہ خود بت بھی " اللہ ایک ہے " " اللہ ایک ہے " کا نعرہ لگانے لگے - تو اللہ تعالیٰ " قل ھو اللہ احد " کا حکم فرما کر گویا یوں فرما رہا ہے کہ پیارے تم کہو " اللہ احد " اللہ ایک ہے اور میں کہتا ہوں " محمد رسول اللہ " محمد اللہ کے رسول ہیں

تم میری توحید کا پرچم لہراؤ اور میں تمہاری رسالت کا ڈنکا بجاتا ہوں۔ گویا تم میرے اور میں تمہارا۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے ؎

جنابِ محمدؐ برائے الٰہی ! جنابِ الٰہی برائے محمدؐ

میرے بھائیو! دیکھا آپ نے اللہ کو اپنے محبوب سے کس قدر پیار ہے۔ اور کس طرح اپنی توحید کا اعلان اپنے محبوب کی زبان سے کرا رہا ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ توحید وہی توحید ہے جو بزبانِ رسالت اور وسیلۂ رسول سے ہمیں ملی۔ اور توحید جس میں رسالت کا دخل نہ ہو شیطانی توحید ہے۔ ہم ایسی توحید کے قائل نہیں۔ معرفتِ الٰہی کی دولت ہمیں درِ رسالت ہی سے حاصل ہوئی ہے اور اسی در سے سب کچھ ملتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے "محمد رسول اللہ" کہہ کر حضور کی رسالت کا ڈنکا بجا کر پھر ہمیں اپنے اس رسول کا ہی دست نگر بنایا ہے اور یوں حکم دیا ہے کہ

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ
عَنْهُ فَانْتَهُوْا (پ ۲۸ ع ۴) جو کچھ رسول تمہیں عطا
فرمائیں سے لو اور جس چیز سے روکیں رک جاؤ۔

گویا "محمد رسول اللہ" اللہ کی نعمتوں کے قاسم ہیں اور حضور ہمیں دیتے ہیں اور ہم لیتے ہیں۔ خدا کی طرف سے جو کچھ ہمیں ملتا ہے اسی در سے اور جو اس در سے محروم ہے وہ پھر محروم ہی ہے اس کے لئے کچھ بھی نہیں ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

منکرینِ حدیث

میرے بزرگو! اور عزیزو!! اس آیت میں دیکھ لیجئے۔ خدا تعالیٰ نے کس شان سے اپنے محبوب کا نام لے کر ان کی رسالت کا اعلان فرمایا ہے۔ مگر اس ملحدانہ دور میں کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جو رسالت کے منکر ہیں۔ اور قرآن کا لبادہ اوڑھ کر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات اور آپ کے ارشاد و سنت سے برگشتہ کرنے کی ناپاک کوششوں میں ہیں۔ یہ لوگ رسالت اور حدیث کے خلاف منظم طور پر سازش کر رہے ہیں مگر

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

(پ۲۸ ع۹) یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے

بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کا پورا کرنے والا

ہے۔ اگرچہ کافر برا منائیں !

اللہ تعالیٰ جب اپنے محبوب کی رسالت کا ڈنکا بجا رہا ہے۔ تو یہ منکرین رسالت اور دشمنانِ حدیث بھلا خدا کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے !

یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

مسلمانو! ان لوگوں نے محض دھوکا دینے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان مشہور کر رکھا ہے۔ حالانکہ جانِ اسلام اور روحِ ایمان یعنی رسالت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دل میں وقار ہی نہیں اور وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ضرورت ہی نہیں سمجھتے (معاذ اللہ) چنانچہ ان لوگوں نے صاف صاف یہ لکھ دیا ہے کہ

"قرآن کی تشریح و توضیح کے لئے کسی خارجی سہارے

کی ضرورت نہیں ہے۔" (طلوع اسلام ص۵۴ نومبر ۵۱ء)

دیکھا آپ نے! یہ خارجی سہارے سے ان کی کیا مراد ہے؟ اس سے مراد ان کی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ گویا ان کے لئے قرآن ہی بس ہے۔ اس کے بعد اب رسول کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہی قرآن ہمیں رسول کے دروازے پر لا رہا ہے۔ اور یہی قرآن ہمیں اطاعتِ رسول کا درس دے رہا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ قرآن کی تعلیم پر بغیر ارشادِ رسول کے عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

نماز اور زکوٰۃ کا حکم

اچھا نماز اور زکوٰۃ ہی کو لیجئے۔ قرآن فرماتا ہے:۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ

اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (پ۱۸ ع۳۱) نماز قائم رکھو۔ و

زکوٰۃ دو اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔

دیکھئے قرآن نے تو فرما دیا کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ مگر نماز کی ہیئت اور تفصیل زکوٰۃ کی [illegible] و تشریح؟ یہ قرآن میں نہیں ہے۔ یہ تو فرمادیا کہ نماز پڑھو مگر نماز [illegible]

زور تھا۔ سینکڑوں ان کے معبود تھے۔ حتیٰ کہ استنجے کے ڈھیلوں تک کو وہ پوج لیا کرتے تھے۔ کئی ایک بت تھے۔ جو انہوں نے بڑی بڑی محنتوں سے خود بنائے تھے اور پھر ان کے آگے سجدے بھی کرتے تھے۔ اس قدر پستی و ذلت میں وہ لوگ گھر چکے تھے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم تاج رسالت پہنے ہوئے جلوہ افروز ہوئے اور اس شان سے کہ آپ کے تشریف لاتے ہی سارا جہان تاریک بقعۂ نور بن کر چمک اٹھا۔ بقول شاعر ؎

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عالم میں جو اپنا قدم پاک رکھا۔ تو دنیائے شرک وکفر اور عالم بت کدہ میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہوا۔ حضور کی باطل کی شکن ندائے حق سے شیطان تھرا اٹھا اور دنیائے بت پرستی لرز اٹھی ؎

تری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا!
تری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ :-

یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ
اے کافرو! جنہیں تم پوجتے ہو۔ میں ان کو نہیں پوجتا۔ (پ۳۰ ع ۳۴)

یہ تمہارے معبود! لات وہبل اور عزیٰ۔ نادانوں ان کے آگے کیوں جھکتے ہو آؤ! میری سنو! اور ایک اللہ کو پوجو! کافرو تم ایسے "خداؤں" کو مت پوجو! جنہیں خود تم نے بنایا۔ بلکہ آؤ اس خدا کو پوجو! جس خدا نے تم کو بنایا

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ۔ اے لوگو! تم اس رب کی عبادت کرو جس رب نے تمہیں بنایا۔ (پ۱ ع ۳)

حضرات! ہمارے حضور کی یہ آواز رسالت زمین و آسمان میں گونج اٹھی اور سرزمین عرب میں اس آواز حق کا یہ اثر ہوا کہ ؎

وہ کڑکا تھا بجلی کا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

بُت پرست اپنے اپنے طلسم پاش پاش ہوتے دیکھ کر گھبرا اٹھے اور حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے درپئے آزار ہو گئے۔ چنانچہ ان لات و عزیٰ کے پجاریوں نے جب دیکھا کہ "محمد" (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے "خداؤں" کو جھوٹا اور ہمیں کافر کہنا شروع کر دیا ہے تو ان لوگوں نے ایک میٹنگ کی اور سب نے یہ مشورہ کیا کہ چلو سب مل کر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چچا ابوطالب کے پاس چلیں اور ابوطالب سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو اس کام سے روکے۔

عزم و استقلال

ابوطالب

دوستو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت ابوطالب کے پاس ہی تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما چونکہ وصال فرما چکے تھے۔ اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے پاس مقیم تھے۔ وہ اس بات سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ابوطالب نے حضور کو اپنے پاس رکھ کر حضور پر کوئی احسان کیا تھا۔ حاشا و کلا! ہمارے حضور پر بجز اللہ کے اور کسی کا احسان نہیں ہے اور نہ ہی اللہ کو یہ بات منظور تھی کہ کسی دوسرے کا اس کے محبوب پر کوئی احسان رہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت عرب کے غیر سرسبز علاقے میں ہوئی۔ تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ حضور جو اس قدر علوم و اسرار کے مالک ہیں یہ تاثیرِ زمین کے باعث ہے۔

چنانچہ حضور کے لئے اللہ نے ایک ایسی زمین کا انتخاب فرمایا۔ جس کے متعلق قرآن "بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ" فرماتا ہے۔ یعنی بالکل غیر آباد اور غیر سرسبز علاقہ تو حضور پر اس علاقہ کا کوئی احسان نہیں۔ بلکہ حضور ہی کا اس علاقہ پر بھی احسان ہے کہ آپ کی بدولت یہ خطہ مبارک اور متبرک ہو گیا۔ بعض اوقات مجلس اور سوسائٹی کا بھی اثر ہوتا ہے ایک شخص کراچی یا بمبئی سے آئے اور اپنے علوم اور معلومات کا ذکر کرے تو کہنے والا کہہ سکتا ہے۔ کہ چونکہ یہ شخص کراچی یا بمبئی جیسے مرکزی شہر کا رہنے والا ہے اور ایک ایسے شہر میں مقیم ہے جہاں ہزاروں پڑھے لکھے آدمی رہتے ہیں۔ سینکڑوں علمی کتابیں مل سکتی ہیں۔ بیسیوں کالج اور سکول ہیں۔ اس لئے اس کی اس قدر معلومات ہیں تو اللہ نے یہ بات بھی اپنے محبوب

کے لئے پسند نہ فرمائی کہ کوئی یوں کہے کہ حضورؐ نے علم کسی استاد یا کسی کالج و سکول
کے رہینِ منت ہیں۔ اس لئے آپ کو غیر تعلیم یافتہ اور ان پڑھ لوگوں میں مبعوث فرما کر
یہ اعلان فرمایا کہ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا گویا ایسی زمین پر اور ایسے لوگوں میں حضور
تشریف لائے جہاں نہ کوئی علمی چرچا تھا نہ کوئی سکول یا کالج تھا بلکہ سب کے سب
ان پڑھ اور امی تھے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی سوسائٹی یا قوم کا کوئی احسان نہیں
بلکہ آپ ہی کی بدولت یہ ان پڑھ لوگ بھی علوم و اسرار کے مالک بن گئے اور دنیا بھر
کے استاد بن گئے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے بے شک حضور کو چند روز تک دودھ پلایا مگر یہ اس کا
حضور پر احسان تھا یا حضور کا حلیمہ پر احسان تھا کہ ایک غریب بدویہ عورت کے گھر کو برکتوں
سے معمور کر دیا۔ یہ حلیمہ خود فرماتی ہیں کہ:۔

"میری چھاتی میں دودھ آتا ہی نہ تھا اور اگر آتا بھی تھا
تو بہت ہی کم۔ حتیٰ کہ میرا بیٹا پیٹ بھر دودھ نہ پی سکتا
تھا اور رات بھر نہ سوتا اور نہ سونے دیا کرتا مگر جب حضور
کو لائی ہوں تو آپ نے اپنے منہ مبارک میں جب دودھ
ڈالا تو میری چھاتی میں اتنا دودھ پیدا ہو گیا کہ میرے
بچے نے بھی اس دن پیٹ بھر کر دودھ پیا اور پھر سب
رات ایسی مزے سے سویا کہ اس طرح کبھی میٹھی نیند
سویا ہی نہ تھا۔ نیز ہم ایک بکری ساتھ لائے تھے جو
بڑی لاغر اور دبلی تھی۔ کبھی کبھار اس سے دودھ کی
ایک دو دھاریں دوہ لیتے تھے جو اپنے بھوکے بچے
کو پی دیا کرتے تھے۔ حضور جب تشریف لائے تو اس
بکری کو بھی ہم نے دیکھا کہ خلاف معمول اس کے تھن
دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس بکری

یہ مکہ کے فلاں صاحب ہیں اور یہ فلاں!! یہ سب کے سب میرے پاس اس لئے آئے ہیں کہ تم اپنی تبلیغ بند کر دو اور انہیں اپنے حال پر رہنے دو۔ اور اگر تم نے اپنی یہ تبلیغ بند نہ کی تو یہ اعلان جنگ کرتے ہیں اور لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں۔ بیٹا! مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ میں ان سے ٹکر لے سکوں۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنی تبلیغ بند کر دو۔

دھمکی کا جواب

حضرات! اب دیکھئے! ہمارے حضور نے اس نازک وقت میں جواب کیا دیا۔ کوئی لیڈر ہوتا یا مصنوعی نبی تو یقیناً ایک لمبا چوڑا معافی نامہ لکھ دیتا۔ اور آئندہ کے لئے اپنے خیالات سے رک جاتا۔ مگر یہاں تو جان صداقت اور روح حقانیت تھی اور اللہ کی سچی رسالت جلوہ فرما تھی اس نازک وقت میں ہمارے حضور کا جواب یہ تھا جسے شاعر نے نظم میں قلمبند کیا ہے کہ ؎

جفا و جور کی آندھی چلے طوفان آجائیں!
مٹانے کو مرے شداد اور ہامان آجائیں!
مرے ہاتھوں پہ لا کر چاند سورج بھی اگر رکھ دیں
مرے پیروں تلے لا کے زمیں کا مال و زر رکھ دیں
خدا کے حکم سے میں باز ہرگز رہ نہیں سکتا
یہ بُت جھوٹے ہیں میں جھوٹوں کو سچا کہہ نہیں سکتا!

اے چچا! کچھ بھی ہو جائے مگر یہ بات نہیں ہو سکتی کہ میں اپنی تبلیغ کو بند کر دوں۔ چچا نے جو یہ جرأت آمیز اور عزم و استقلال کا بیان محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سنا تو کہا جان عم! تو جو چاہے کر۔ تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔

ہماری حالت

میرے بھائیو! حضور کے اس عزم و استقلال سے تم بھی سبق حاصل کرو اور شریعت کے معاملہ میں کسی دھمکی سے مرعوب ہو کر دامن شرع چھوڑ دینے پر آمادہ نہ ہو جایا کرو۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج جب اگر برادری کے لوگ ہمیں شریعت سے ہٹانا چاہیں تو ہٹ جاتے ہیں۔ کسی کے لڑکے کی شادی ہوتی ہے۔ تو برادری مجبور کرتی ہے کہ اس شادی میں خلاف شرع سب امور موجود ہونے ضروری ہیں باجا بھی ہو۔ آتشبازی بھی ہو اگر یہ چیزیں نہ ہوئیں تو ہم شادی میں شرکت نہ کریں گے

برادری کا یہ اعلان ہوتا ہے اور سرکار دو عالم کا یہ اعلان ہوتا ہے کہ دیکھ اگر تیرے ہاں یہ خرافات ہوئیں تو میں اس شادی میں شرکت نہ کروں گا۔ آہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آجکل کا برائے نام مسلمان برادری سے مرعوب ہو کر شریعت کا دامن چھوڑ دیتا ہے اور برادری کو تو اپنے ہاں بلا لیتا ہے۔ مگر سرورِ مدینہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پرواہ نہیں کرتا۔ فرمایئے۔ شریعت کا دامن چھوڑ کر اور حضور سے رشتہ توڑ کر پھر باقی رہا کیا؟ اور اس برائے نام ہی مسلمانی سے ہم نے اسلام کو بدنام کیا یا نہیں؟ ایسی مسلمانی بھی کیا ہوئی۔ جس میں سب وہی غیر مسلموں والی حرکتیں پائی جائیں۔

ایک مجوسی کی حکایت

مولانا رومی علیہ الرحمتہ نے مثنوی شریف میں ایک مجوسی کی حکایت لکھی ہے یہ مجوسی حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمت کے زمانہ میں تھا۔ ایک مسلمان نے جو بڑا بے عمل مسلمان تھا۔ اس مجوسی سے کہا۔ (اردو نظم میں ترجمہ سنیئے) ؎

کیوں نہیں ایمان لے آتا شتاب ۔۔۔ کیا خدا کو دے گا تم تو جواب!
آگ کو کیوں پوجتا ہے بے خرد! ۔۔۔ آگ کیا دیگی بھلا تجھ کو مدد
اس خدائے پاک پر ایمان لا ۔۔۔ آگ کو بھی جس نے ہے پیدا کیا

مجوسی کو جب اس بے عمل مسلمان نے دعوتِ اسلام دی۔ تو اس مجوسی کا عبرت آموز جواب سنیئے۔ وہ بولا ؎

دیکھیئے اے مہرباں اسلام کے ۔۔۔ دو نمونے ہیں میرے اب سامنے
ایک تو اسلام شیخ بایزید ۔۔۔ شوکتِ اسلام کی جس نے مزید
تاب وہ قوت میں کی میں رکھتا نہیں ۔۔۔ کون رکھ سکتا ہے اس کا سا یقیں
ہے تو اسلام کا میں ہوں غلام! ۔۔۔ پر نہیں وہ ہر کسی و ناکس کا کام
دوسرا اسلام جو ہے آپ کا ۔۔۔ ایسے ایماں سے تو میں کافر بھلا
نہیں اس سے دل میں نفرت لاتا ہوں میں ۔۔۔ دیکھ کر حضرت کو رک جاتا ہوں میں

دیکھا آپ نے! اس مجوسی نے کتنی زبردست بات کہدی۔ یعنی جو مسلمان اس قدر بدعمل ہوں کہ دوسرے لوگ انہیں دیکھ کر بجائے اسلام کی طرف راغب ہونے کے اسلام سے بھاگنے لگیں، تو وہ مسلمان کس منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ؟

جس کام کو یاں آئے تھے وہ کام نہ کر کے
ہر چیز بگڑ جینے پہ اس دم نہ بگڑ ہے

شیطان کے داؤ

میرے بزرگو! یہ شیطان ہمارا دشمن ہے اور ہمیں اپنے بہکانے کی قسم کھا چکا ہے یہ بڑے بڑے حیلے بہانوں سے ہمارے ہاتھ سے دین شریعت چھڑوانا چاہتا ہے۔ یہ شادیوں میں ناچ رنگ اور دلچسپ لہو ولعب کے امور پیش کر کے ہمارا ذہن بٹا لینا چاہتا ہے۔ مگر ہماری غفلت بھی انتہائی غفلت ہے کہ اس مردود کی چالوں کو ہم نہیں سمجھتے اور اس کی باتوں میں پھنس کر اپنی ذرا سی خوشی کی خاطر دین و شریعت کو ہاتھ سے دے دیتے ہیں۔

ایک درزی کا قصہ

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک درزی کا قصہ لکھا ہے کہ اس کو ہزاروں لطیفے اور چٹکلے یاد تھے۔ جب کوئی گاہک کپڑا سینے کے لئے اس کے پاس آتا تو وہ گاہک کو لطیفے سنانے شروع کر دیتا تھا۔ سننے والا خوب ہنسنے لگتا۔ اور جب وہ اپنی ہنسی میں لوٹ پوٹ ہو جاتا تو درزی اس کی نظر بچا کر اس کے کپڑے سے کچھ کپڑا کاٹ لیتا۔

ایک دن ایک شخص اپنا کپڑا سلوانے کے لئے اس کے پاس آیا اور کپڑا درزی کو دیا۔ تو درزی نے حسب معمول اسے بھی ایک لطیفہ سنا دیا وہ شخص ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا۔ اتنے میں درزی نے ایک گرہ کپڑا کاٹ لیا۔ گاہک نے فرمائش کی کہ ایک لطیفہ اور سناؤ۔ درزی نے دوسرا لطیفہ بھی سنا دیا۔ گاہک پھر ہنسا اور درزی نے موقع پا کر دوسرا کپڑا کاٹ لیا گاہک نے پھر فرمائش کی کہ ایک لطیفہ اور سنا دو۔ درزی نے جواب دیا۔

"تیسرا لطیفہ سنا دیتا ہوں مجھے عذر تو کوئی نہیں مگر
جناب کا کرتہ بہت ہی چھوٹا ہو جائے گا۔"

مولانا رومی فرماتے ہیں۔ اسی طرح شیطان بھی ہے۔ جو انسان کو مختلف قسم کی شہوات اور نفسانی خواہشات کے چٹکلوں میں الجھا کر اس پر غفلت طاری کر کے اس کے متاع ایمان پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ غافل انسان! تو جلد کہ شیطان کے اس داؤ کو سمجھ اور اس کے ان چٹکلوں میں آ کر اپنی متاع ایمان نہ کھو۔

الغرض۔ تو میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے

شرک و کفر کے خلاف اپنی آوازِ حق جو بلند فرمائی ۔ تو اس آواز پاک سے ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ بت پرست خدا پرست بن گئے ۔ اصنام کے آگے جھکنے والے خدا کی بارگاہ میں جھکنے لگے اور قعرِ پستی میں گرے ہوئے عروج و وقار کے سیٹج پر نظر آنے لگے ؂

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا!
خاک کے ذرّوں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

یہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعجاز اور کرشمہ تھا کہ دنیا کی کایا ہی پلٹ دی اور اپنی بے مثل مسیحائی سے مردہ دلوں میں ابدی زندگی پیدا فرما دی :-

پڑھیے درود شریف !

سرورِ عالم ہادیٔ اعظم	صلے اللہ علیہ وسلم
شمع ہدایت نورِ مجسم	صلے اللہ علیہ وسلم
نام و نشانِ شرک مٹا کر	اور توحید کا رنگ جما کر
پھر لہرا دیا حق کا پرچم	صلے اللہ علیہ وسلم

شانِ رسالت

میرے بزرگو! اللہ تعالےٰ نے حضور کو "محمد رسول اللہ" فرما کر گویا حضور کی شانِ والا کا اظہار فرما دیا اور بتا دیا کہ میرے محبوب جن کا نام نامی "محمد" ہے - وہ "رسول اللہ" ہیں ۔ انہیں اپنی مثل نہ سمجھنا ۔ وہ اللہ کے رسول ہیں ۔ اور جو اللہ کا رسول ہو اس کی شان کا کیا کہنا ! اللہ کا رسول اپنی ذات و صفات میں مظہرِ حق ہوتا ہے اور ساری مخلوق سے بلند و بالا ہوتا ہے ۔ جو لوگ "رسول اللہ" کو اپنی مثل اور عاجز و ناکارہ سمجھتے ہیں وہ دراصل اللہ کی عظمت کے منکر ہیں ۔ دیکھئے ! درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ۔ پیر اپنے مریدوں سے اور استاد اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے ۔ مرید اگر نیک اور پابند شریعت ہیں تو ان کے پیر کا تقویٰ و تدین ظاہر ہوگا ۔ شاگرد اگر لائق ہونگے تو ان کے استاد کی لیاقت ظاہر ہوگی ۔ اور اگر مرید ہی بے دین ہیں تو پیر بھی ان کا ویسا ہی ہوگا ۔ شاگرد نالائق ہوں گے تو استاد بھی جاہل ہوگا ۔ تو میرے بھائیو ! اللہ کے رسول اگر بے مثل اور بڑی بڑی طاقتوں اور قدرتوں کے مالک تسلیم کئے جائیں گے تو ان کے بھیجنے

والے اللہ کا بھی لاشریک ہونا اور قادر مطلق ہونا بخوبی ظاہر ہوگا۔ ور اگر اس کے رسولوں ہی کو عاجز، ور ناکارہ تسلیم کیا جائے گا۔ اور نفع ضرر کا مالک تسلیم نہ کیا جائے گا تو اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اللہ بھی ایسا ہی عاجز و غیر قادر ہے۔ (معاذ اللہ)

تو بھائیو! ہم تو بحمداللہ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل ہیں، اور اس قدر تصرفات کے مالک ہیں کہ درختوں کو حکم دیں۔ تو وہ حاضر ہوں۔ جانوروں کو ارشاد فرمائیں تو وہ لبیک کہتے ہوئے دوڑے آئیں۔ پتھروں کو حکم دیں تو وہ کلمہ پڑھنے لگیں۔ اُدھر چاند کی طرف اشارہ کر کے اس کے دو ٹکڑے کر دیں۔ غروب شدہ سورج کو واپس لے آئیں۔ تو اس قدر طاقت اور اتنی قدرت رکھنے والا رسول جس اللہ کا رسول ہے۔ وہ اللہ کیوں نہ وحدہٗ لاشریک ہوگا۔ اور اس کی طاقتوں اور قدرتوں اور اندازہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اللہ جس نے اپنے رسول کو اتنی طاقت و قدرت اور تصرف و اختیار بخش دیا ہے۔ وہ خود کتنی زبردست طاقت اور قدرت کا مالک ہوگا۔

میرے بھائیو! یہ تو ہے اہل سنت کا عقیدۂ حقہ! اور جو لوگ رسول کو محض اپنے جیسا ایک بشر کہتے ہیں اور اُسے عاجز و ذلیل اور ذرہ ناچیز سے بھی کمتر سمجھتے ہیں۔ ان کے اس عقیدۂ باطلہ کا نتیجہ یہی نکل سکتا ہے۔ کہ ایسے رسول کا بھیجنے والا بھی کسی کام کا نہیں۔ اور کوئی طاقت و قدرت نہیں رکھتا۔ اگر کچھ رکھتا ہوتا تو اپنے رسول کو تو کچھ دے کر بھیجتا۔ تو بھائیو اب خود ہی فیصلہ کر لو۔ حق پر کون ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

حضرت یہ بات بھی سمجھ لیجئے۔ کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔

اس لئے کہ مریدوں کے اعمال سے پیر کا اور شاگردوں کے علم سے استاد کا پتہ چلتا ہے۔ کہ مریدوں کا پیر۔ اور شاگردوں کا استاد کیسا ہے۔ مرید اچھے تو پیر بھی اچھا۔ مرید بے دین تو پیر بھی ویسا۔ شاگرد فیل ہو گئے تو گویا استاد ہی قابل نہ تھا۔ تو صحابہ کرام کو اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ سارے مرتد ہو گئے

(معاذ اللہ) تو گویا یہ حضور پر اعتراض ہے۔ کہ اچھے رسول تھے۔ کہ جن کے شاگرد سب کے سب نیل ہو گئے۔ تو دوستو! اس عقیدہ باطلہ سے پناہ مانگو۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ایمان رکھو کہ وہ سب کے سب سچے مومن اور ساری امت سے افضل و اعلےٰ تھے۔ اور ان سب سے بہتر حضور کے چار یار اور پھر ان چاروں میں سب سے بہتر حضرت افضل الامۃ بالتحقیق سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ذرا پڑھئے تو سے

نبیوں کے بعد ہیں سب سے بہتر　　رضی اللہ تعالےٰ عنہ
مولانا صدیق اکبر　　رضی اللہ تعالےٰ عنہ
یار کے نام پہ مرنے والا　　سب کچھ صدقے کرنے والا
منزل عشق و صدق کا رہبر　　رضی اللہ تعالےٰ عنہ
جان و مال اور کنبے والے　　اللہ اللہ! ہیں کر ڈالے
نام نبی پر سارے نچھاور　　رضی اللہ تعالےٰ عنہ
غار کا دیکھو تو وہ منظر　　کون ہے بیٹھا گود میں لیکر
سرورِ عالم کا سرِ انور　　رضی اللہ تعالےٰ عنہ
نظم بشیر کی جس دم سُن لی　　جن و بشر اور حور و ملک بھی
کہنے لگے یوں سارے مل کر　　رضی اللہ تعالےٰ عنہ

رضی اللہ تعالےٰ عنہ
رضی اللہ تعالےٰ عنہ

تو میرے دوستو! اپنا عقیدہ درست رکھو اور "محمد رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کو خدا کے بعد سب سے بلند و بالا سمجھو۔ اور اس قدر عظیم الشان رسول سے والہانہ محبت و عقیدت رکھو۔ دیکھو "محمد رسول اللہ" صلے اللہ علیہ وسلم کچھ ایسے محبوب ہیں کہ نہ صرف خدا ہی کے بعد خدائی بھر کے محبوب ہیں۔ نہ صرف انسانوں ہی کے بلکہ حیوانات وجمادات بھی حضور کی عظمت و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث کا واقعہ ہے۔

استن حنانہ کا قصہ

کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد شریف میں منبر بننے سے قبل کھجور کے ایک ستون سے تکیہ لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر بن گیا۔ تو آپ نے اس پر خطبہ فرمایا۔ ستون نے دیکھا تو رونے لگا۔ اس حدیث کا ترجمہ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا میں نے ایسا کر دیا۔ (مواہب لدنیہ صفحہ ۳۶۶ ج ۱)

احمد مختار

مسلمانو! غور کرو اس حدیث کے الفاظ مقدسہ پر۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس ستون سے یوں فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہاں دنیا میں لگا دوں اور اگر چاہو تو تمہیں جنت میں لگا دوں۔ گویا حضور اپنے وسیع اختیار و تصرف کا اظہار فرما رہے ہیں۔ کہ تم اپنی حاجت بیان کرو۔ تم جو کہو گے ہم وہی کر دیں گے پھر جب اس درخت نے جنت میں لگائے جانے کا کہا۔ تو حضور نے فرمایا۔ قد فعلت۔ بہت اچھا میں نے ایسا ہی کر دیا۔ سبحان اللہ! کیسا پیارا کلمہ فرمایا ہے کہ میں نے ایسا کر دیا۔ کیا کر دیا؟ تمہیں جنت میں لگا دیا۔ کیوں دوستو! کیا یہ ہمارے حضور کے اختیار و تصرف کی بڑی بھاری دلیل نہیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہو رہا کہ حضور جو چاہیں کریں یہ ان کو اپنے اللہ سے اختیار ملا ہے اور وہ **احمد مختار** ہیں صلے اللہ علیہ وسلم

ہاں تو بھائیو! اس ستون کا قصہ ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ اب آپ خود ہی انصاف کریں کہ ایک خشک لکڑی تو حضور سے اس قدر محبت و الفت رکھے پھر وہ جس کے دل میں ایسے محبوب کی محبت نہ ہو اس سے زیادہ بدنصیب اور کم بخت کون ہوگا۔

حضرات! میں اپنی تقریر ختم کرنے سے قبل ایک اور اپنی لکھی ہوئی نعت سنانا چاہتا ہوں۔ ابتداء تقریر میں آپ نے نام "محمد" (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حروف کے معنی سن لئے۔ لیجئے آخر میں بھی اسی نام پاک کے حروف ہی کے متعلق میری ایک دوسری نظم بھی سنئے اور پڑھئے

پہلے درود شریف پڑھیے

صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ!

صلی اللہ علیک وسلم یا حبیب اللہ!

[illegible]

امداد میں ہے دال مداوا میں دال ہے   دُرِّ صدف میں دال ہے دریا میں دال ہے

ہر دل میں دال ہی کا تو دیکھو جمال ہے!

بنیادِ دو جہان محمد کا دال ہے

جس دال سے قبول خدا کو درود ہے!   اس دال سے ہی دہر میں ہر اک وجود ہے

مردِ سخی کا دال سے فیض اور جود ہے   خوش دال سے شہید پہ ربِ ودود ہے

نزدیک و دور دال کا فیض کمال ہے!

بنیادِ دو جہان محمد کا دال ہے

❊

فصلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تیسرا وعظ

فضائل رسول
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۰

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (پ ۳ ع ۲۳) "یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایکدوسرے کو ایکدوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ہے "فضائل رسول" (صلی اللہ علیہ وسلم)

بچو! آج ہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و برتری اور حضور کے بے انتہا فضائل و کمالات میں سے کچھ فضائل بیان کرتے ہیں۔ اس سے قبل آپ تیسرے وظیفے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر رسالت کا بیان سن چکے ہیں۔ آج بچے ذرا تفصیل سے یہ بیان کرتا ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سارے رسولوں علیہم السلام میں افضل و اعلیٰ ہیں اور آپ سب کے سردار و سلطان ہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم آپ ہی کی وساطت سے اللہ کی رحمت و برکت و بزرگی کی یہ نعمت سارے عالم کو پہنچ رہی ہے!

ہمارا نبی

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی — سب سے بالا و والا ہمارا نبی

اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی — دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی

بزمِ آخر کا شمعِ فروزاں ہوا! — نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی

جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس — ہے وہ سلطانِ والا ہمارا نبی

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں — شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی

خلق سے اولیا، اولیا سے رسل — اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

جیسے سب کا خدا ایک ہے ایسے ہی — ان کا اُن کا تمہارا ہمارا نبی

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی — چاند بدلی سے نکلا ہمارا نبی

سارے اچھوں میں اچھا سمجھیے جسے — ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی

سارے اونچوں میں اونچا سمجھیے جسے — ہے اس اونچے سے اونچا ہمارا نبی

جس نے مردہ دلوں کو دی عمرِ ابد — ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل — ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی

[illegible]

[illegible]

پڑھیے درود شریف!

[illegible]

[illegible]

کر کے کہنے لگا ؎

فلک پر ابن مریم کا مکاں ہے!
محمد تو زمیں پہ تہ گماں ہے!
جو اونچا ہے وہی افضل رہے گا
جو نیچے ہے بھلا افضل کہاں ہے؟

یعنی اے مسلمانو! تمہارا اپنا ہی عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر موجود ہیں۔ اور تمہارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم زمین میں قبر انور میں آرام فرما ہیں۔ تو ہمارے پیغمبر اوپر ہوئے اور تمہارے نیچے۔ تو جو اوپر ہے۔ افضل بھی وہی ہے نہ کہ جو نیچے ہے!

یہ سن کر ایک مسلمان شاعر نے اس عیسائی کو اس کا جواب دیا ؎

ترازو کو اٹھا کر دیکھ ناداں!!
وہی جھکتا ہے جو پلہ گراں ہے

یعنی ترازو کے ایک پلڑے میں سیر رکھو۔ اور ایک پلڑے میں چھٹانک اور پھر اس ترازو کو اٹھا کر دیکھو کونسا پلڑا اوپر جاتا ہے اور کون سا نیچے رہتا ہے؟ عیسائی بولا۔ سیر والا پلڑا نیچے رہے گا۔ اور چھٹانک والا اوپر چلا جائے گا۔ مسلمان نے کہا۔ بس تو اسی طرح ہمارے حضور کا مرتبہ بھاری تھا۔ وہ نیچے رہے اور جن کا ہمارے حضور سے مرتبہ کم تھا۔ وہ اوپر تشریف لے گئے۔ عیسائی یہ سن کر لاجواب ہو کر رہ گیا۔

شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عیسائی کو جواب

اسی طرح حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک واقعہ ہے۔ آپ سے بھی ایک عیسائی نے یہی بات کہی۔ اور آپ نے بڑا پر لطف جواب دیا۔ چنانچہ آپ خود اپنی ایک رباعی میں اس سوال و جواب کا ذکر فرماتے ہیں۔ فرمایا ؎

کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اولیٰ است
کہ ایں بزیر زمیں آں باوج سما است

یعنی مجھ سے کسی عیسائی نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل

ہیں۔ اس لئے کہ یہ زمین میں ہیں اور وہ آسمان پر ہیں؟

جواب سنیئے! ؎

بگفتمش کہ نہ ایں قول معتبر باشد
حباب بر سرِ دریا گہر تہِ دریا است!

فرماتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارا یہ قول غیر معتبر ہے۔ جا! جا کے دیکھ لے کہ ببلہ دریا کے اوپر ہوتا ہے اور موتی اس کی تہ میں!

سبحان اللہ! کیا ہی پرلطف جواب ہے۔ عیسٰے علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر افضل ہمارے ہی حضور ہیں "صدر ہر جا کہ نشیند صدر است" صدر جہاں کہیں بیٹھے صدر ہی ہے۔ یہ کلیہ کہ اوپر والی چیز نیچے والی چیز سے افضل ہوتی ہے۔ غلط ہے اور شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کلیہ کو توڑا ہے

مرزائی اور عیسائی

حضرات! عیسائیوں کی یہ بات مرزائی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ مرزائیوں نے بھی اپنی احمدیہ پاکٹ بک میں یہی بات لکھی ہے کہ اگر حضرت عیسٰے علیہ السلام کو زندہ آسمان پر مانا جائے گا تو اس سے عیسٰے علیہ السلام کی حضور صلے اللہ علیہ و سلم پر فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ مگر آپ معلوم کر چکے کہ یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ ہر اوپر کی چیز نیچے کی چیز سے افضل ہو۔ جب یہ کلیہ ہی غلط ٹھہرا تو پھر عیسائیوں اور مرزائیوں کا یہ اعتراض ہے ہی بناء الفاسد علی الفاسد۔

عیسائیوں کا ایک دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

میرے عزیزو! عیسائی ایک اور بات بھی کہتے ہیں کہ دیکھو ہم سے عیسٰے علیہ السلام کو جب یہودی پھانسی چڑھانے لگے تو اللہ نے عیسٰے علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں قریش مکہ نے تنگ کیا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے تو اللہ نے تمہارے پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کو آسمان پر نہیں اٹھایا بلکہ انہیں زمین پر ہی رہ کر مکہ چھوڑنا پڑا۔ اور مکہ سے مدینہ آنا پڑا۔ اگر تمہارے پیغمبر سے بھی اللہ کو پیار ہوتا تو انہیں بھی خدا آسمان پر اٹھا لیتا۔

میرے بھائیو! سطحی نظر سے تو یہ بات بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے مگر دراصل اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ سنیئے! ایک عورت کے دو بیٹے ہوں۔ بڑا بیٹا تو بڑا طاقتور اور

سے زور ہو۔ اور چھوٹا اس کے مقابلہ میں اس قدر طاقت ور اور زور دار نہ ہو۔ تو فرض کرو اس کے گھر میں ڈاکو آجائیں۔ تو وہ عورت اس وقت کیا کرے گی۔ وہ دیکھے گی کہ بڑا زور بیٹا تو ان ڈاکوؤں سے تنہا بھی مقابلہ کرسکتا ہے۔ مگر چھوٹا بیٹا ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تو ماں اس چھوٹے بیٹے کو گود میں اٹھا کر کوٹھے پر چڑھ جائے گی۔ اور بڑے سے کہے گی۔ بیٹا تم نیچے ہی رہ کر ان بدمعاشوں کا مقابلہ کرو۔

کیوں دوستو! ہے نا یہ بات اسی طرح؟ ماں اس وقت یہی سوچے گی کہ چھوٹے بیٹے کو تو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑنا مناسب نہیں اور بڑے کو اوپر بلانا مناسب نہیں۔ اگر بڑا بھی اوپر بلا لیا۔ تو ڈاکوؤں کے لئے میدان صاف ہے۔ اس صورت میں تو میری بھی عزت و ناموس خطرے میں پڑ جائے گی۔ چنانچہ ماں اس وقت یہی کچھ کرتی ہے۔ جس کا میں نے ذکر کیا کہ چھوٹے بیٹے کو کوٹھے پر لے جاتی ہے اور بڑے کو صحن ہی میں رہنے دیتی ہے۔ تو فرمائیے ان دونوں میں زیادہ درجہ کس کا بلند ہوا۔ اس کا جو کوٹھے پر لے جایا گیا، یا اس کا جس نے نیچے رہ کر تنہا دشمنوں کا مقابلہ کیا؟ اور سارے ڈاکوؤں کو شکست دے کر ان کا گھر بچا لیا؟ یقیناً مرتبہ اسی کا بلند ہے جو صحن میں رہ کر ڈاکوؤں سے لڑا اور جس نے فتح حاصل کر لی اور اپنے خاندان کی عزت بچا لی۔

آیت سے برتری: ہمارا بیان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور حضور علیہ السلام دونوں ہی اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ مگر جو برتری و کمال حضور میں ہے۔ اس کا تقاضا یہی تھا۔ کہ حضور آسمان پر نہ اٹھائے جائیں۔ اس لئے یہودیوں کی سازش کے وقت خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو آغوش رحمت میں لے کر آسمان پر اٹھا لیا اور حضور سے یہ ارشاد ہوا کہ:

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ! اے محبوب! اللہ کی راہ میں
لڑو۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ
عَلَيْهِمْ اور ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور
ان پر سختی کرو۔

گویا اے محبوب! اگر تمہیں بھی آسمان پر اٹھا لوں تو پھر ان کافروں سے مقابلہ کون کرے گا۔ اور ان دین کے ڈاکوؤں کو شکست دے کر فتح و نصرت کے جھنڈے کون گاڑے گا؟ پیارے! عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تو تم تشریف لانے والے تھے مگر تمہارے بعد آ [illegible]

تک دوسرا کوئی نبی پیدا ہونے والا نہیں۔ ایک تمہاری ہی تو ذات ہے جس کے ذریعہ دین اسلام کا قیام و قرار ہے۔ اگر تم بھی اوپر چلے آئے۔ تو پھر دین کی ذات تو خطرے میں ہے۔ اے محبوب! تم زمین پر ہی رہ کر ان کا مقابلہ کرو اور ان کو شکست دو۔ چنانچہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بمصداق "ساری خدائی ایک طرف۔ فضل الٰہی ایک طرف" تنہا سارے کافروں کا مقابلہ کیا۔ اور دنیا بھر کے کافروں کو شکست دے کر اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کا پرچم لہرا دیا۔ تو فرمایئے عیسائیوں کے اس بودے اعتراض کی کیا حقیقت رہ گئی۔ حقیقت تو یہی ہے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی سارے نبیوں کے سردار اور سلطان ہیں۔

پڑھیے درود شریف :-

صلى الله عليك يا رسول الله !!

صلى الله عليك يا حبيب الله

موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم ہیں

میرے بزرگو! قرآن پاک کی آیت آپ نے سنی ہوگی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے۔ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ یعنی رسولوں میں سے بعض سے خدا نے کلام فرمایا تو بتائیے ہمارا ایمان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم ہیں مگر "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ" کے مطابق ہمارے حضور کی شان ان سے بھی زیادہ بلند ہے۔ چنانچہ آپ کو ایک حدیث سناؤں۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

ہمارے حضور اللہ کے حبیب ہیں

کہ ایک دفعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کا آپس میں ذکر کر رہے تھے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آئے۔ آپ نے سنا۔ ایک صحابی کہہ رہے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے خلیل بنایا ہے۔ دوسرے صحابی بولے اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام فرمایا ہے۔ تیسرے بولے اور عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ چوتھے بولے اور آدم علیہ السلام کو اللہ نے چن لیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لائے اور فرمایا۔ میں نے تمہارا کلام سنا۔ ابراہیم علیہ السلام واقعی خلیل اللہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام واقعی کلیم اللہ ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام واقعی روح اللہ ہیں اور آدم علیہ السلام کو واقعی اللہ نے چنا۔ لیکن

اے بے کسو! اور بے سہارو! تم سب کا بوجھ اٹھانے کے لئے یہ دو کندھے ہیں ؎

ایک جانِ بے خطا پر دو جہاں کا بار ہے

پڑھیے درود شریف!

صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ!

صلی اللہ علیک وسلم یا حبیب اللہ

تو میرے بھائیو! معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہی ذکرِ رسول شغل تھا۔ اور ان کے اسی ذکرِ پاک کا صدقہ ہے کہ آج ہم اپنے حضور کی صورتِ منورہ و سیرتِ مطہرہ سے متعارف ہیں۔ بقول [illegible] اور وہ اگر یہ ذکرِ پاک نہ کرتے تو آج ہمارے محبوب آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی صورتِ منورہ و سیرتِ مطہرہ کا کوئی بھی نورانی گوشہ ہمارے سامنے نہ آتا۔ مگر سو سو رحمتیں ان نفوسِ قدسیہ پر جن کے صدقہ میں حضور نبی النور صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت مقدسہ کا نورانی اور جمالی نقشہ آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ اور محبت والوں کے لئے محبوب کا ذکر بھی تسکین روح کے لئے ایک بہت بڑا سامان ہے اور اہلِ محبت محبوب کے ذکر ہی میں وصلِ محبوب کے مزے پاتے ہیں جیسے کہ ایک شاعر نے کہا ہے ع

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے!

قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار اور ذکرِ رسول کا عظیم فائدہ

میرے بھائیو! ذکرِ رسول کے بہت سے فائدے ہیں۔ ان فائدوں میں سے ایک بڑا ہی عظیم فائدہ سنئے۔ یہ حدیث تو آپ نے کئی علماء کرام سے سنی ہو گی کہ میت کو جب قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو دو فرشتے جن کا نام منکر اور نکیر ہے۔ امتحان لینے کے لئے قبر میں آتے ہیں۔ اور ان کا پہلا سوال یہ ہوتا ہے۔ مَنْ رَّبُّكَ۔ بتا تیرا رب کون ہے؟ مسلمان اس کا جواب یہ دیتا ہے۔ رَبِّیَ اللّٰهُ۔ میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں مَا دِیْنُكَ؟ تیرا دین کیا ہے؟ مسلمان جواب دیتا ہے۔ دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ میرا دین اسلام ہے۔ اس کے بعد فرشتے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دریافت کرتے ہیں:-

مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ

"یعنے تم ان کے بارے میں جو تم میں مبعوث کئے گئے کیا کہتے ہو"

تو مسلمان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت مقدسہ کو دیکھ کر اس کا جواب یہ دیتا ہے :-

هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وہ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں (مشکوٰۃ شریف ص۲۴)

میرے دوستو! اس حدیث پاک سے میں جو ذکرِ رسول کا فائدہ بیان کرنا چاہتا ہوں وہ بیان کرنے سے قبل ضمناً یہ بھی بیان کرتا جاؤں کہ دیکھئے۔ اس حدیث میں یہ موجود ہے کہ فرشتے جب پہلا سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ اور مسلمان اس کا جواب دے دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے تو ابھی ایک جواب دے دینے پر اس کی رہائی نہیں ہو جاتی اور فرشتے یہ نہیں کہتے کہ بس تمہاری نجات ہو گئی۔ اب اور کوئی سوال باقی نہیں — نہیں بلکہ فرشتے ایک دوسرا سوال کر دیتے ہیں کہ بتا تیرا دین کیا ہے؟ گویا۔ رب پہچاننے والے تو بہتیرے ہیں مگر یہ بھی تو پتہ چلے کہ تیرا دین کون سا ہے۔ اگر تم مسلمان نہیں تو تمہارا رب رب کہنا بیکار ہے۔ چنانچہ مسلمان پھر دوسرے سوال کا بھی صحیح جواب دے دیتا ہے کہ دین میرا اسلام ہے۔ تو اس جواب پر بھی اس کی نجات نہیں ہوتی۔ بلکہ تیسرا ایک اور سوال باقی ہے۔ نجات تو اس سوال کے صحیح جواب دے دینے پر ہے۔ چنانچہ فرشتے پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے ہیں کہ ان کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟ گویا مسلمان کہلانے والے تو بہت ہیں زبانی منہ سے مسلمان بننے والے تو بہتیرے ہیں۔ مگر صرف مسلمان کہلا دینا کافی نہیں جب تک کہ اس ذاتِ مقدسہ کی بھی پہچان حاصل نہ ہو۔ چنانچہ مسلمان جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہہ دیتا ہے۔ تو امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

آج کل کے "صرف مسلمان"

میرے بھائیو! اس پُرفتن دورِ آزادی میں آپ نے کئی ترقی پسند اور مادر پدر آزادی کے دلدادہ بیسیوں نوجوانوں کو بڑے فخر کے ساتھ یہ کہتے سنا ہو گا کہ صاحب ہم تو مسلمان ہیں۔ شیعہ۔ سنی۔ حنفی۔ وہابی کے جھگڑوں میں ہم نہیں پڑتے۔ ہم نہ سنی ہیں نہ شیعہ نہ حنفی نہ وہابی۔ بلکہ ہم تو صرف مسلمان ہیں۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر صرف "مسلمان" ہونا ہی کافی ہوتا اور اس کے بعد کسی دوسری قید یا پہچان کی ضرورت نہ ہوتی تو پھر فرشتے بھی دوسرے سوال "ما دینک" کا جواب "دینی الاسلام" پا کر تمہیں نجات دے جاتے اور تیسرا سوال

کہ لامذہب کی تعریف یہ ہے کہ نہ ادھر ہو اور نہ اُدھر اور بقول شاعر ؎

اسی کا نام تو لامذہبی ہے!
نہ الاّ الذی ہے نہ آلّا الذی ہے

حضرت فقیہِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک لامذہب کو لاجواب جواب

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ سیالکوٹ میں ایک ایسے ہی ترقی پسند مقرر آئے اور انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مسلمانو! ہم تو صرف مسلمان ہیں۔ یہ شیعہ، سنی، مقلد، غیر مقلد کے فرقوں سے ہم آزاد ہیں۔ تم بھی ان جھگڑوں سے آزاد ہو جاؤ اور صرف مسلمان بنو۔ والدی المعظم حضرت فقیہِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے دن جامع مسجد مولانا عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تقریر فرمائی اور فرمایا کہ اس قسم کے مقرر کہہ تو بہت کچھ جاتے ہیں، مگر ان کی باتوں کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ کل والے مقرر صاحب ہمیں ایک ایسی نماز تو پڑھ کر دکھائیں۔ جو نہ سنیوں کی ہو نہ شیعوں کی نہ مقلدوں کی اور نہ غیر مقلدوں کی بلکہ "صرف مسلمانوں" کی نماز ہو۔ اگر نماز میں ہاتھ نہ باندھیں گے تو شیعہ فرقہ میں آجائیں گے۔ اور ہاتھ باندھ کر اگر پڑھیں گے تو سنی گروہ میں شمار ہونے لگیں گے اور ہاتھ اگر سینے پر باندھیں گے تو غیر مقلد کہلائیں گے اور اگر زیرِ ناف باندھیں گے تو حنفی کہلانے لگیں گے۔ مردِ میدان بنیں اور کوئی ایسی نماز پڑھ کر دکھائیں۔ جو کسی فرقے سے متعلق نہ ہو۔ بلکہ "صرف مسلمانوں" کی نماز ہو۔ والد ماجد علیہ الرحمۃ کے اس وعظ میں میں بھی موجود تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک شخص بول کر کہنے لگا۔ حضرت! "صرف مسلمانوں" کی نماز یہ ہے کہ نماز بالکل پڑھی ہی نہ جائے۔ بس یہ لطیف بات پر لوگ ہنس پڑے اور والد ماجد بھی فرمانے لگے "درست ہے۔ واقعی یہ لوگ نماز پڑھتے ہی نہیں۔"

ترقی یافتہ مسلمان

میرے دوستو! بات سچی یہی ہے کہ ترقی یافتہ "صرف مسلمان" مسجدوں میں آنا بھی ترقی کے خلاف اور آؤٹ آف فیشن سمجھتے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

اب نظر آتی نہیں ہے مسجدوں کے فرش پر
قوم نے اتنی ترقی کی کہ پہنچی عرش پر

گویا اب یہ لوگ اس قدر ترقی پا گئے ہیں کہ زمین پر نظر ہی نہیں آتے:

اندر سے مسلمان

ان لوگوں کا ایک اور بھی مسلک ہے اور وہ یہ کہ چھوڑیئے صاحب ان نماز روزہ اور داڑھی کے جھگڑوں کو۔ ان ظاہری حرکات و سکنات اور ظاہری شکل و صورت سے کیا ہوتا ہے۔ اندر سے مسلمان ہونا چاہیئے اور ہم لوگ اندر سے مسلمان ہیں۔ دیکھا آپ نے ان کا یہ لطیفہ ہی کہ یہ اندر سے مسلمان ہیں باہر سے جیسے

؎ وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود!
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اقبال کے اس شعر کی پوری پوری تفسیر ہوں۔ مگر اندر سے یہ پھر بھی مسلمان ہی ہیں!

لطیفہ

ایک پیر صاحب سے مرید نے عرض کیا۔ حضور! میں نے ایک بھینس خریدی ہے۔ چلئے اسے دم کر آیئے۔ پیر صاحب گئے تو دیکھا کھونٹے سے ایک گدھا بندھا ہے۔ مرید نے عرض کیا۔ حضور یہ ہے بھینس۔ اسے دم کیجئے۔ پیر صاحب نے فرمایا۔ مگر یہ تو گدھا ہے۔ مرید ہاتھ جوڑ کر بولا۔ حضور! چھوڑیئے اس کی شکل و صورت کو یہ اندر سے بھینس ہی ہے۔ پیر صاحب بولے۔ بے وقوف! اگر یہ اندر سے بھینس ہوتی تو باہر سے بھی بھینس ہی نظر آتی۔ اور اگر باہر سے یہ گدھا ہے تو اندر سے بھی سوا اس کے گدھا ہی ہے۔

کیوں دوستو! سمجھے کچھ آپ؟ اگر یہ لوگ واقعی اندر سے مسلمان ہوتے تو باہر سے بھی مسلمان ہی نظر آتے اور اگر باہر سے یہ اور نظر آتے ہیں تو اندر سے بھی سوا اس کے کچھ اور ہی ہیں۔

مثنوی شریف کی ایک حکایت

حضرات! اس قسم کے "مومنین" ایک اور بات بھی کہا کرتے ہیں کہ صاحب اگر نماز نہ پڑھی تو کیا ہوا۔ اس بات سے کیا کوئی کافر ہو جاتا ہے؟ روزہ نہ رکھا تو کیا ہوا۔ اس بات سے بھی کوئی کفر لازم آتا ہے۔ زکوٰۃ نہ دی تو کیا ہوا۔ حج نہ کیا تو کیا ہوا۔ داڑھی نہ رکھی تو کیا ہوا۔ سب کچھ جاتا رہا۔ گویا کچھ بھی نہ رہا۔ مگر مسلمان پھر بھی ہیں۔ ان کی اسی بات پر مولانا رومی نے ایک حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:-

ایک شوقین اپنے بازو پر شیر کی تصویر گدھوانے گودنے والے کے پاس گیا اور مصور سے کہا میرے بازو پر شیر کی تصویر بنا دو۔ مصور نے سوئی لی اور شیر بنانے کے لئے اس کے بازو پر چبھو دی۔ شوقین صاحب کو تکلیف ہوئی تو پوچھتے ہیں کہ کیا بنانے

لگے ہو؟ مصور بولا۔ سب سے پہلے شیر کی دُم بناؤں گا۔ شوقین نے کہا۔ ارے یار! دُم
رہنے دو! خدا نے بغیر دم کے بھی تو کوئی شیر بنایا ہوگا نا! مصور نے دم چھوڑ دی اور پھر
سوئی چبھوئی۔ شوقین کو پھر تکلیف ہوئی اور پوچھا اب کون سی جگہ بنانے لگے ہو۔ مصور بولا۔
اب شیر کی ٹانگیں بنانے لگا ہوں۔ شوقین نے کہا۔ یار! ٹانگیں بھی رہنے دے۔ خدا نے
لنگڑے شیر بھی تو بنائے ہوں گے نا! مصور نے وہ جگہ بھی چھوڑ دی اور پھر سوئی چبھوئی۔ شوقین
نے پھر پوچھا۔ اب کون سی جگہ بنانے لگے؟ وہ بولا اب شیر کا پیٹ! شوقین نے کہا۔ ارے یار!
پیٹ بھی رہنے دے۔ مصور اب سر بنانے لگا۔ اب شوقین صاحب کو پھر تکلیف ہوئی اور پھر پوچھا
اب کون سی جگہ بنانے لگے ہو! مصور بولا اب سر بنانے لگا ہوں۔ شوقین نے کہا۔ یہ بھی رہنے
دو اور اس شیر کو بنا دو۔ مصور نے جھنجھلا کر بولا: جناب معاف فرمائیے! ایسا شیر نہ کہیں دیکھا اور
نہ کسی سے سُنا جس کی نہ دُم ہو نہ ٹانگیں۔ نہ پیٹ ہو نہ سر اور ہو شیر کا شیر ہی!

مولانا رومی فرماتے ہیں اور ایسا مسلمان بھی کہیں نہ دیکھا اور نہ سُنا۔ جو نہ نماز پڑھے نہ
روزہ رکھے نہ حج کرے نہ زکوٰۃ دے اور پھر مسلمان کا مسلمان ہی۔ نہ ایسا کوئی شیر دیکھا اور نہ
ایسا کوئی مسلمان دیکھا۔ شیر وہ جس کی ٹانگیں، دم، پیٹ اور سر سب صحیح سلامت ہوں۔
مسلمان بھی وہ جس کی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج سب صحیح سلامت ہوں!

میرے بھائیو! آج تو اثر بہت ہی الٹا ہے۔ ہمارے شیروں کی بات خوب یاد رکھیے
شیر جنگل کا بادشاہ ہے اور سارے جنگل پر اس کی حکومت ہے۔ سارے جانوروں پر وہ
غالب ہے اور سب جانور اس سے ڈرتے ہیں۔ مگر شیر کے پاؤں اگر کاٹ دیئے جائیں۔
اس کے ہاتھوں کے پنجے ضائع کر دیئے جائیں۔ اس کے منہ کا حلیہ بگاڑ دیا جائے تو شیر
شیر نہ رہے گا۔ نہ اس کا وہ رعب و دبدبہ باقی رہے گا اور حال یہ ہو جائے گا کہ ایک گدھا بھی
اگر اس پر آج دھاوا کر... شیر پر حملہ کرنے سے نہ چوکے گا۔ تو میرے مسلمان بھائیو! تم محمدی
شیر تھے۔ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کے مطابق تمہیں اعلیٰ و برتر تھے۔ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے
مصداق کفار پر تمہارا رعب و دبدبہ تھا۔ اور سب تم سے خائف و لرزاں تھے۔ مگر آہ! اس
ظالمانہ ترقی نے تمہارے اسلامی اعضا کاٹ کر رکھ دیئے اور ملحدین زمانہ نے اس اسلامی شیر کا
حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ جس کا بھیانک نتیجہ یہ نظر آرہا ہے کہ آج وہ گدھے بھی جن پر کبھی ہمارا رعب
غالب تھا۔ ہم پر وار کرنے سے نہیں چوکتے۔ یہ سب کچھ کس لئے ہورہا ہے؟ اس لئے کہ ہم نے

حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر وقت محبوب کی یاد تازہ رہتی ہے اور محبوب کی صورت زیبا آنکھوں کے سامنے رہتی ہے اور جب مرتا ہے اور قبر میں سرکار تشریف لاتے ہیں تو دیکھتے ہی جھٹ پہچان جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے ۔ ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ وہ تو یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور قدموں سے لپٹ جاتا ہے ۔ میں نے اپنی ایک نعت میں لکھا ہے ؎

قبر میں سرکار آئیں تو میں قدموں میں گروں
اور فرشتے گر اٹھائیں تو میں ان سے یوں کہوں
کر ہیں پائے ناز سے اب لبِ فرشتو کیوں اٹھوں
مر کے پہنچا ہوں یہاں اِس دلربا کے واسطے

مسلمانو! عاشقوں سے پوچھو ۔ انہیں مرنے کے بعد اس "دیدارِ محبوب" کی کس قدر مسرت ہوتی ہے اور وہ دیدارِ حبیب کی خاطر کس خوشی سے جان دیتے ہیں حضرت مولانا آسی علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں ؎

آج پھولے نہ سمائینگے کفن میں آسی!
ہے جوبال شبِ گور کی ملاقات کی رات

تو مسلمان اسی "ذکرِ رسول" کی بدولت قبر میں اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو فوراً پہچان کر یوں پکار اٹھے گا ۔ ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلے اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ "ذکرِ رسول" کو اور ذکرِ رسول کی محفلوں کو بدعت قرار دیتے ہیں ۔ انہیں اس "ذکرِ رسول" کے سننے سنانے سے روکنے کا یہ پھل ملے گا کہ فرشتے جب حضور کے متعلق دریافت کریں گے کہ بتا یہ کون ہیں تو وہ یوں جواب دیں گے ۔ ھَاہ ھَاہ لَا اَدْرِی ۔ ہائے ہائے میں نہیں جانتا ۔ دیکھا آپ نے "ذکرِ رسول" سے روکنے کا نتیجہ بجز ہائے ہائے کے اور کچھ نہیں ۔

ایک اعتراض کا جواب

مسلمانو! اس حدیث کے مطابق قبر میں خود حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہی تشریف لاتے ہیں ۔ تبھی تو فرشتے "ھٰذَا الرَّجُلِ" یعنی ان کے لئے کیا کہتا ہے ؟ کہیں گے یہ "ان کے لئے" کا قول ہی بتا رہا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس تشریف لاتے ہیں ۔ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ میت کا جواب جو حدیث میں درج ہے وہ ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہے ۔ جس کا معنی ہے ۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ تو یہاں لفظ "وہ" بتا رہا ہے کہ حضور قبر میں

میں سر جھکا دیتا ہے اور اپنی نظریں نیچی کر کے یوں پکار اٹھتا ہے:-

هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وہ تو

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تو اس اندازِ جواب کو عشاق ہی جان سکتے ہیں ع

بے خبر کو کیا خبر آداب کی؟

اَنَا حَبِيْبُ اللّٰه

حضرات! میں کہاں سے کہاں آ پہنچا۔ آپ کو یاد ہوگا۔ میں نے ایک حدیث پڑھی تھی۔ جس میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اکٹھے ہو کر انبیاء سابقہ علیہم السلام کا ذکر کرنا مذکور تھا۔ اور جس میں اس بات کا ذکر تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم تھے لیکن میں اللہ کا حبیب ہوں۔ دوستو! اس حدیث سے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و برتری ثابت ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ "حبیب اللہ" کا درجہ کلیم اللہ اور خلیل اللہ سب سے بلند و بالا ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کے ماتحت لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے:-

هُوَ جَامِعٌ لِلْخُلَّةِ وَالتَّكْلِيْمِ وَالْاِصْطِفَاءِ وَالْمُنَاجَاةِ
مَعَ شَيْءٍ زَائِدٍ لَمْ يَثْبُتْ لِاَحَدٍ وَهُوَ كَوْنُهٗ
مَحْبُوْبُ اللّٰهِ بِالْمَحَبَّةِ الَّتِيْ تَنْبَغِيْ مِنْ خَوَاصِّهٖ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنے لفظ "حبیب" خُلّت
"تکلم" "اصطفا" اور "مناجات" سب کا جامع ہے
مع ایک ایسی زائد چیز کے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں
اور وہ ہے "اللہ کا محبوب ہونا" ایک ایسی محبت سے
جو حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے۔

مطلب یہ کہ کوئی پیغمبر خلیل ہے۔ کوئی کلیم اور کوئی نجی۔ مگر سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم "حبیب" ہیں۔ اور حبیب وہ ہے جو خلیل بھی ہو۔ کلیم بھی ہو۔ نجی بھی ہو۔ اور مصطفےٰ بھی ہو۔ تو جامع الصفات ہو۔ اور "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا جو مصداق ہے — وہ حبیب ہے۔

کلیم و حبیب میں فرق

علامہ صفوری علیہ الرحمۃ نے نزہۃ المجالس میں لکھا ہے:

قَالَ النَّسَفِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ أَنَا كَلِيْمُكَ وَمُحَمَّدٌ حَبِيْبُكَ فَمَا الْفَرْقُ بَيْنَ الْكَلِيْمِ وَالْحَبِيْبِ فَقَالَ الْكَلِيْمُ يَعْمَلُ بِإِرَادَةِ مَوْلَاهُ وَالْحَبِيْبُ يَعْمَلُ بِرِضَاهُ وَالْكَلِيْمُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَالْحَبِيْبُ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَالْكَلِيْمُ يَأْتِي إِلٰى طُوْرِ سَيْنَاءَ ثُمَّ يُنَاجِي وَالْحَبِيْبُ يَنَامُ عَلٰى فِرَاشِهِ فَيَأْتِي بِهِ جِبْرِيْلُ فِي طَرْفَةِ عَيْنٍ إِلٰى مَكَانٍ لَمْ يَبْلُغْهُ أَحَدٌ مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ (نزہۃ المجالس ص ۲۳ ج ۲)

نسفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب سے پوچھا کہ مولا میں تیرا کلیم ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے حبیب ہیں یہ تو فرما کہ کلیم اور حبیب میں فرق کیا ہے؟ خدا نے جواب دیا کہ کلیم وہ ہے جو اپنے مولا کی رضا سے کام کرے اور حبیب وہ ہے جس کی رضا سے مولا کام کرے اور کلیم وہ ہے جو اللہ کو چاہے اور حبیب وہ ہے جسے اللہ چاہے۔ کلیم وہ ہے جو خود طور سینا پر آکر التجا کرے اور حبیب وہ ہے جو اپنے بستر ناز پر آرام فرما ہو اور بحکم خدا جبریل خود حاضر ہو کر اسے ایک پل میں وہاں لے آئے جہاں کوئی نہ پہنچا ہو۔

دیکھا آپ نے مسلمانو! ہمارے آقا کی کیا شان ہے۔ اسی لئے حضور نے فرمایا۔ أَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ۔ کہ خبردار ہو جاؤ۔ میں اللہ کا حبیب ہوں۔ گویا میں وہ ہوں جس سے خود خدا محبت فرماتا ہے اور جس کی مرضی کو وہ پورا فرما دیتا ہے۔ میرے دوستو! حقیقۃً یہ کہ خدا حضور کی مرضی کو پورا فرما دیتا ہے۔ خود قرآن پاک شاہد ہے۔

تحویل قبلہ

دیکھئے! اور انبیاء کرام بحکم حق بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ سب کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کچھ

عرصہ بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مرضی یہ تھی کہ ہمارا قبلہ "کعبہ" شریف ہو جائے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ اسی تمنا میں بار بار آسمان کی طرف نظر فرماتے ہیں کہ خدا میری مرضی کے مطابق تحویل قبلہ کا ارشاد فرما دے کہ خداوند کریم نے فرما دیا۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (پ ۲ ع ۱) "اے محبوب! ہم تیرا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور تجھے اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس میں تمہاری خوشی اور مرضی ہے۔ پس ابھی اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف پھیر لو۔"

کیوں میرے دوستو! اس آیت سے کیا یہ ثابت نہیں ہو رہا کہ ہمارا یہ قبلہ کعبہ شریف صرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق بنایا گیا ہے۔ ورنہ حضور سے قبل تو سب کا قبلہ بیت المقدس تھا اور کچھ عرصہ حضور بھی اسی قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر حضور کی مرضی یہ ہو گئی کہ ہمارا قبلہ کعبہ ہو جائے تو اللہ نے بھی فرما دیا کہ پیارے جو تمہاری مرضی ہماری مرضی بھی وہی ہے کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت نے ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم!
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

میرے بزرگو! یہ حقیقت ہے کہ ہمارے حضور کی زبان حق ترجمان سے جو بات نکل جائے اللہ تعالیٰ اُسے پورا فرما دیتا ہے اور حضور کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ؎

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

کُنْ کی کنجی

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز نے حدائق بخشش میں ایک جگہ لکھا ہے ؎

وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں!
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

یعنی سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان کُن کی کنجی ہے۔ اس زبان سے جس چیز کے لئے کُن کا ارشاد ہو جاتا ہے۔ وہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ایک

ایک گستاخِ رسول کا انجام

گستاخِ رسول کا انجام مذکور ہے کہ ایک شخص ابوالعاص نامی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارتا اور مذاق کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ملعون اپنا منہ ٹیڑھا کرکے حضور کی نقل اتار رہا تھا کہ حضور نے اس کی یہ حرکت دیکھ کر فرمایا

کُنْ کَذَالِکَ .... ایسا ہی ہو جا"

چنانچہ مرتے دم تک اس کا منہ ویسا ہی ہو گیا۔ وہ اسی طرح بنا رہا۔ (خصائص کبریٰ)

بلا عذر بائیں ہاتھ سے کھانیوالے کا انجام

ایک دوسری حدیث سنیئے۔ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ حضور نے دیکھ کر اُسے فرمایا "کُلْ بِیَمِیْنِکَ" دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے یونہی کہہ دیا۔ لَا اَسْتَطِیْعُ میرا دایاں ہاتھ بیکار ہے۔ حضور نے فرما دیا۔ لَا اسْتَطَعْتَ جا آج سے بے کار ہو گیا حدیث کے الفاظ ہیں:۔

فَمَا رَفَعَہَا اِلٰی فِیْہِ (مشکوٰۃ شریف ص۲۸۵) پھر
وہ اپنے اس ہاتھ کو کبھی منہ تک نہ اٹھا سکا۔

دیکھا آپ نے! یہ ہے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک کی نافذ حکومت کہ جس بات کا حکم نافذ فرمایا۔ وہی ہو گیا۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے یہ لکھا ہے ؎

وہ زبان جس کو سب کُن کی کنجی کہیں!
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

حضور کا ارشاد شریعت ہے

میرے بزرگو. اس زبان سے جو ارشاد بھی نکلے امت کے لئے۔ وہی شریعت ہے۔ یہ زبان حق ترجمان ہے اور اس زبانِ حق ترجمان سے جو ارشاد صادر ہو جائے۔ وہی مرضیٔ حق ہوتی ہے اور جو مرضیٔ حق ہو وہی اس زبان سے ارشاد ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے:۔

مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی
(پ۲۷ ع ۵) "اور وہ کوئی بات بھی خواہش سے نہیں

کہتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے "

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس زبانِ حق ترجمان سے وہی کچھ ارشاد ہوتا ہے۔ جو مرضیٔ حق ہو۔ گویا جو کچھ حضور ارشاد فرمادیں۔ وہی مرضیٔ حق ہے اور جس بات سے حضور روک دیں خدا بھی اس بات پر خوش نہیں ہے ؎

جناب مصطفےٰ جس سے ہوں ناخوش
نہیں ممکن کہ ہو اس سے خدا خوش
پسندِ حق تعالےٰ تیری ہر بات!
ترے انداز خوش تیری ادا خوش

اسی لئے تو میں نے کہا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو ارشاد فرمادیں وہی ہمارے لئے شریعت ہے اور میں کہنے والا کون ہوں۔ خود قرآن بھی فرماتا ہے اور حدیث بھی۔ چنانچہ

قرآن کا ارشاد

پہلے قرآن کا ارشاد سنیئے!

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (پ ۹ ع ۹)

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی۔ جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا۔ اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے — اتارے گا"

دیکھ لیجئے! اس آیت میں ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے خدا نے صاف

میں آجاؤ تو مت کر جانا۔ جس قدر بد مذہب ہیں۔ تمہیں اپنے پھندے میں پھنسانے
کے لئے مسلمانوں کے بھیس میں سامنے آتے ہیں۔ تاکہ تم انہیں مسلمان سمجھ کر قریب چلے
آؤ اور وہ اپنا کام بآسانی کر سکیں۔ یہ لوگ اپنی مطلب براری کے لئے تمہارے جیسی آواز
بھی نکال لیتے ہیں۔ مرزائی جنہوں نے مرزا غلام احمد کو نبی بنا لیا۔ صرف تمہارے پھانسنے
کے لئے بظاہر ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔ سب انبیاء کا خاتم النبیین منہ سے کہتے ہیں حالانکہ
وہ "ختم نبوت" کے منکر اور مرزا غلام احمد کو نبی ماننے والے ہیں۔ روافض حضرت صدیق اکبر
حضرت فاروق اعظم۔ حضرت عثمان اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ
تعالیٰ علیہم اجمعین کا سنیوں کے سامنے نام لیتے ہیں تو حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت
عثمان اور ام المومنین عائشہ کہتے ہیں۔ حالانکہ ان پاک ہستیوں کے متعلق ان کے جو
خیال ہیں۔ وہ جاننے والے خوب جانتے ہیں۔ وہابیوں کو بھی ہم نے دیکھا ہے کہ سنیوں کے
مجمع میں یہ لوگ انگوٹھے چوم لیتے۔ قیام کر لیتے اور نعرۂ رسالت کا بھی اقرار کر لیتے
ہیں۔ حالانکہ یہ ساری باتیں ان کے ہاں شرک و بدعت ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے حضور
پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ذِئَابٌ فِی ثِیَابٍ۔ یہ انسانی لباس میں بھیڑیے
ہیں ؎

ذِئَابٌ فِی ثِیَابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

شیر کی کھال میں گدھا

یہاں مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔ کسی شخص کا گدھا زخمی اور ناکارہ ہو گیا۔ اس نے اسے جنگل میں چھوڑ دیا۔ پرندے، مکھیاں اس کی رہی سہی کھال کو نوچتی تھیں اور اس کے زخم اور شدید ہوتے گئے۔ کسی راہ گیر مسافر کو اس کی حالت پر رحم آیا اور وہ [illegible] آیا۔ اس کے پاس شیر کی ایک کھال تھی۔ اس نے وہ کھال اس گدھے کے اوپر ڈال دی اور کھال کا چہرے والا حصہ اس کے منہ پر ڈال دیا۔ اب گدھا بے فکری سے جنگل میں پھرنے لگا۔ پرندے، درندے سب اسے شیر سمجھ کر اس سے ڈرنے لگے۔ کوئی اس کے پاس نہ آتا۔ اب کیا تھا۔ بے فکری کا چرنا اور جنگل کی ہوا [illegible] گدھے کے زخم بھی اچھے ہو گئے اور خوب موٹا تازہ ہو گیا۔ گدھے کی [illegible] مشہور ہے۔ [illegible]

ہے۔ جو شیر کی کھال زیب تن کر کے آج تک ہمیں دھوکہ دیتا رہا۔ آخر سب نے جمع ہو کر لومڑی صاحب کا نقاب اتارا اور آپ کی اصلی شکل کو دیکھ کر آپ کو مار مار کے نکال دیا۔

تو میرے بھائیو! اسی طرح آج کل بہت سے بد مذہب اہل سنت کا بہروپ بھر کے سنی ۔ حنفی ۔ چشتی بن بن کر پھر رہے ہیں اور بقول اعلیٰ حضرت کے

سنی و حنفی و چشتی بن بن کے بہکاتے یہ ہیں

بالکل اس مثال کی طرح ان منکرینِ حدیث نے بھی قرآن کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ تاکہ مسلمان انہیں مسلمان سمجھ کر کفر و ارتداد کے تیر نہ برسائیں اور یہ تخریب فکری سے اسلامی ہیبت پامال کرتے رہیں۔

انکار حدیث کے کرشمے

میرے عزیزو! آپ قرآنِ پاک کی آیت سے معلوم کر چکے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں اور آپ ہمارے لئے صاف ستھری چیزیں حلال فرماتے ہیں۔ اور گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس تحلیل و تحریم کا ذکر بہر حال حدیث ہی میں ہے۔ اور ہم مسلمانوں کا ایمان ہے۔ کہ حضور کا ہر ارشاد ہمارے لئے شریعت اور واجب الاطاعت ہے۔ لہذا حدیثِ رسول نے جن گندی چیزوں کو ہمارے لئے حرام قرار دے دیا ہے وہ ہمارے لئے بہر حال گندی اور حرام ہیں۔ مگر منکرین حدیث کے مسلک کا نتیجہ ملاحظہ فرمائیے۔ قرآن پاک میں صرف چار چیزوں کو صراحۃً حرام فرمایا گیا ہے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ (پ۲ ع۱۵)

"اس نے (اللہ نے) یہی تم پر حرام کئے ہیں۔ مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا"

دیکھئے اس آیت میں خدا نے صرف چار چیزوں کے حرام ہونے کی صراحت فرمائی ہے مردار۔ خون۔ سور کا گوشت اور بوقت ذبح جس پر غیر خدا کا نام لیا گیا ہو وہ جانور۔ ان چار چیزوں کے لئے علاوہ کتا۔ بلا۔ بندر۔ سانپ۔ بچھو اور گودہ۔ موت۔ پیپ وغیرہ خبیث درندے، پرندے اور گندی اشیاء کے حرام ہونے کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ تو منکرین حدیث

کا اس موقعہ پر ارشاد ملاحظہ فرمایئے :-

"قرآن کی رُو سے صرف مردار - بہتا خون - لحم خنزیر غیر اللہ کے نام کی طرف چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں - یہ قرآن کا واضح فیصلہ ہے۔ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ ہمارے مرّوجہ اسلام میں حرام وحلال کی جو طولانی فہرستیں ہیں، وہ سب انسانوں کی خود ساختہ ہیں - خدا کہتا ہے۔ ہم نے صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ملا کی شریعت حرام حلال کی ایسی لمبی لمبی فہرستیں پیش کرتی ہے۔ کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے" (منکرین حدیث کا رسالہ "طلوع اسلام" بابت ماہ جون سنہ ۵۲ ص ۶۵)

"ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو چیزیں، حرام قرار نہیں دی ہیں۔ ان میں سے طبیعت کی رغبت اور پسند کے مطابق کھانی چاہئیں۔ البتہ جن چیزوں سے رغبت نہ ہو اپنے اوپر حرام نہیں قرار دے لینا چاہیئے۔ (طلوع اسلام بابت جون سنہ ۵۲ ص ۶۹)

میرے بھائیو! دیکھ لو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے کئے ہوئے حلال و حرام کو چھوڑ کر کیا کیا گندی چیزیں کھانا پڑیں۔ ان لوگوں کا بظاہر یہ علان ہے کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں۔ مگر اسی ایک آیت سے، جو میں نے آپ کو سنائی پتہ چل گیا کہ یہ قرآن کو بھی نہیں مانتے۔ ورنہ قرآن تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ یہ رسول ستھری چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام فرماتا ہے تو پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حرام کردہ چیزوں کو ملّا کی شریعت کہہ کر کیوں نظر انداز کیا گیا؟

قرآن کا حکم کہ منکرینِ تشریعِ رسالت سے جہاد کرو!

میرے دوستو! قرآن پاک تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو شارع تسلیم نہ کرنے والوں اور حضور کی حرام کردہ چیزوں کو حرام قرار نہ دینے والوں سے جہاد کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے:-

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

(پ ع ۱۰) (مسلمانو!) ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ان چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا۔"

دیکھ لیجئے! صاف صاف ارشاد ہے۔ کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار نہیں دیتے۔ مسلمانو! ان سے لڑو۔ اللہ نے تو قرآن میں چار چیزوں کو حرام قرار دیا اور اس کے رسول نے دوسری گندی چیزوں کو بھی حرام قرار دے دیا۔ اور بحکم قرآن ہی ہمارے لئے وہ سب چیزیں جو اللہ نے قرآن میں اور اس کے رسول نے حدیث میں حرام قرار دے دیں۔ حرام ہیں۔ مگر طلوعِ اسلام کہتا ہے کہ صرف اللہ نے جو چار چیزیں حرام قرار دی ہیں وہ تو حرام ہیں اور جو رسول نے حرام قرار دی ہیں وہ ملّا کی شریعت ہے ان سے اجتناب کی ضرورت نہیں بلکہ "ان میں سے طبیعت کی رغبت اور پسند کے مطابق

کھانا چاہئیں۔

اور ان لوگوں کی طبیعت اور رغبت کا حال کسے معلوم نہیں۔ ان کا تو یہ مسلک ہے جو اکبر الٰہ آبادی نے بیان کیا ہے کہ ؎

کہاں کا حلال اور کہاں کا حرام
جو صاحب کھلائے وہ چٹ کیجئے

جو صاحب کھلائے یعنی جو انگریز کھلائے — تو انگریز کیا نہیں کھاتا جو نہیں نہ کھلائے گا۔

سور کا گوشت

بس تو اس قسم کی آزادی طبع کے مادر پدر آزادی سے بیزار مگر جن لوگوں نے اتباع رسالت کی رسی توڑ دی، تو یہ مت سمجھئے کہ یہ اپنی اس آزادی پسند طبع کو قرآن کا پابند کر سکیں گے۔ نہیں بلکہ جو حدیث سے پھرا وہ قرآن سے بھی گیا

ع کا قرآن سے اُدھر پھرا اللہ ان سے پھر گیا

یہ لوگ قرآن کی صحیح تفسیر و تشریح حدیث رسول سے کنارہ کش ہو کر خود اپنی من مانی کارروائیوں سے قرآن کا مطلب بیان کرنے لگتے ہیں اور اپنی اس آزادی پسند طبیعت کو قرآن کے تابع نہیں بلکہ قرآن کو اپنی طبیعت اور اس کی رغبت کے ماتحت رکھنا چاہتے ہیں چنانچہ رسول کی حرام کردہ گندی چیزوں کو بے تکلف نوش کرنے والے قرآن کی حرام کردہ اشیاء کی پابندی بھی کب برداشت کر سکتے ہیں؟ مجھے اس وقت اخبار کا نام اور اس کی تاریخ یاد نہیں مگر اتنا اچھی طرح یاد ہے کہ کسی اخبار میں ایک منکر حدیث نے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ قرآن میں جہاں چند چیزوں کے حرام کرنے کا ذکر آیا ہے وہاں مردار، خون اور سور کا گوشت حرام قرار دیا گیا ہے نہ کہ اس کی ہڈی پسلی اور کھال اور بال بھی۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ پاکستان میں جو کثرت کے ساتھ سور پائے جاتے ہیں۔ ان کی ہڈیوں، کھالوں اور بالوں سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ (استغفراللہ)

ملاحظہ کیجئے اتباع رسول سے بھاگی ہوئی طبیعت کو قرآن بھی قبول نہیں فرماتا — بلکہ ایسوں کے لئے یوں ارشاد فرماتا ہے۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا۔ یعنی خدا اسی قرآن سے بہتیروں کو گمراہ بھی کر دیتا ہے۔

لطیفہ

بہت ممکن ہے کہ کل کو کوئی منکر حدیث ماں باپ کو جوتے بھی مارنے لگے اگر کوئی منع کرے تو یوں کہہ دے کہ قرآن میں تو بس اتنا آیا ہے وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ

اپنے ماں باپ کو اُف نہ کہو، گویہ کب آیا ہے کہ جوتے بھی مت مارو ۔

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے !
خصوصاً منکرینِ مصطفےٰ سے

حدیث کا ارشاد

میرے عزیزو! میں بیان کر رہا تھا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہمارے لئے شریعت ہے اور اس کے ثبوت پر میں قرآن کی آیت پیش کر چکا ہوں۔ اب آیئے حدیث کا ارشاد بھی سنیئے اور دیکھئے کہ ہمارے حضور کی زبانِ حق ترجمان سے جو کچھ بھی نکلے، اُمت کے لئے وہ شریعت ہے ـــ
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَیْکُمُ الْحَجُّ
فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَکُلَّ عَامٍ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ
فَسَکَتَ حَتّٰی قَالَھَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ
لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ (مشکوٰۃ شریف ص [illegible])

ایک دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا تو فرمایا
اے لوگو! تم پر حج کو فرض کیا گیا ہے لہٰذا حج کیا کرو ـ
ایک شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا
فرض ہے؟ حضور خاموش رہے اس شخص نے تین
بار یہی سوال کیا تو حضور نے فرمایا ـ اگر میں ہاں کہہ دیتا
تو ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ
رکھتے ۔

سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز حدیث ہے ـ گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان شریعت ہے ـ اگر اس زبان سے ہاں نکل جاتی ـ تو پھر اُمت پر ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا ـ مگر چونکہ اس زبان فیض ترجمان سے ہاں نہیں نکلی لہٰذا حج بھی ہر سال فرض نہیں ہے۔

مسلمانو! قرآن و حدیث سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ ہمارے [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں ـ مالک ہیں ـ مختار ہیں اور آپ جو کچھ فرما دیں وہی ہمارے لئے [illegible] ہے ـ

ابھی ابھی آپ سُن چکے کہ نام کے " اہلقرآن " حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ان کی حرام کردہ اشیاء کو حرام تسلیم نہیں کرتے۔ بھائیو! اسی طرح بعض نام کے " اہل حدیث " بھی ہیں اور ساتھ ہی ان کے بھائی "بند" بھی ہیں۔ جو قرآن اور حدیث کے ارشادات کے باوجود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا شارع ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

تقویۃ الایمانی الیمان

چنانچہ ان سب کی معتمد علیہ اور مستند کتاب تقویۃ الایمان ہے جسے یہ لوگ ہزاروں کا خرچ کر کے کثرت کے ساتھ مفت تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ دیکھئے اس کتاب میں لکھا ہے :-

" یا خود پیغمبر ہی کو یوں سمجھے کہ شرع انہیں کا حکم ہے ان کا جو جی چاہتا تھا۔ اپنی طرف سے کہہ دیتے تھے۔ اور وہی بات ان کی امت پر لازم ہو جاتی تھی۔ سو ایسی باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے " (تقویۃ الایمان ص۳۲)

سنا آپ نے ؛ وہی چکڑالویوں والی بات۔ جو کچھ انہوں نے کہا تھا۔ وہی کچھ یہ کہہ رہے ہیں وہ بھی رسول کا حلال و حرام فرمانا تسلیم نہیں کرتے۔ اور یہ بھی رسول کی بات کو امت پر لازم نہیں جانتے اور حکم رسول کو شرع نہیں سمجھتے ؎

وہ تھے چکڑالوی اور یہ وہابی — نظر آتے ہیں یہ دونوں ہمراز
تعجب کی نہیں یہ بات حق حق — "کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر، باز با باز"

مقام غور ہے کہ قرآن بھی فرما رہا ہے کہ رسول خود حلال فرماتا ہے اور وہ خود ہی حرام فرماتا ہے اور حدیث میں بھی تصریح ہے کہ اگر حضور کا جی چاہتا اور "ہاں" فرما دیتے تو امت پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ مگر نہ تو چکڑالوی اس کو مانتا ہے اور نہ وہابی۔ مگر اپنا تو یہ ایمان ہے۔ جو مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ یا رسول اللہ! ؎

جو کچھ تری رضا ہے خدا کی وہی خوشی !
جو کچھ تری خوشی ہے خدا کو وہی عزیز
کیوں جانیں ہم کہیں کہ غنی تم نے کر دیا
اب تو یہ در پسند یہ در یہ گلی عزیز

کونین دے دیئے ہیں ترے اختیار میں
اللہ کو بھی کتنی ہے خاطر تری عزیز

بکرے کے کپورے

حضرات! آپ نے ابھی ابھی سنا کہ چکڑالویوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "شارح" ہونے کا انکار کیا۔ تو اس دنیا میں بھی منکران کو یہ ملی کہ طرح طرح کی غلاظت و گندگی قسمت میں لکھ دی گئی اور انہیں خود لکھنا پڑا۔ کہ طبیعت کی رغبت ہو۔ تو کھالے۔

دیوبندی وہابیوں کے بڑے قطب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا حسب ذیل فتوٰے ملاحظہ کیجئے۔ سائل سوال کرتا ہے۔

"گاؤ کی اوجھری اور بکرے کے کپورے کھانا درست ہیں یا نہیں؟"

جواب ملتا ہے:۔

"الجواب:۔ درست ہیں" (فتاوٰی رشیدیہ حصہ سوم مطبوعہ افضل المطابع مراد آباد صفحہ ۱۵)

کیوں صاحب! دیکھا آپ نے یہ عبرت ناک نظارہ؟ جس منہ سے گیارھویں شریف کے طیب و طاہر کھانے کے متعلق ناجائز و حرام ہونے کے فتوے صادر ہوتے تھے۔ اس منہ میں دیکھئے کیا نظر آرہا ہے۔ خوب لکھا ہے نیر بڑودوی نے سے

گیارھویں کے ہو تبرک سے ترا دل مردہ!
شوق سے نگلے تو بکروں کے کپورے کھرے

کالا کوا

انہیں مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے کوا کھانے کے متعلق پوچھا۔ کہ کوا کھانے والے کو عذاب ہوگا یا ثواب؟ تو جواب ملتا ہے۔

"الجواب:۔ ثواب ہوگا" (فتاوٰی رشیدیہ حصہ دوئم مطبوعہ قاسمی پریس دیوبند صفحہ ۱۳۳)

ہولی اور دیوالی کی پوری کچوری

اور سنئے! انہیں مولوی صاحب سے سوال ہوتا ہے۔
"ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا کچھ اور کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں - ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟"

جواب ملتا ہے :-

"الجواب :- درست ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص۱۱۹)

اس موقعہ پر نیر بڑودوی لکھتے ہیں ؎

شربت و آبِ محرم کو تو کہتا ہے حرام!
پوریاں ہولی و دیوالی کی تو کھائے کھرّے

مسلمانو! دیکھ لو اور خود ہی فیصلہ کر لو کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ تشریع کا انکار کیا رنگ لایا اور اس نے ان منکرین کے منہ میں کیا کیا دے دیا۔ درود شریف پڑھنے اور سنئے!

صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ
صلی اللہ علیک وسلم یا حبیب اللہ

خلیل وحبیب میں فرق

آپ کو یاد ہوگا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللہ کے متعلق عرض کر رہا تھا - اور بتا رہا تھا کہ موسےٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم ہیں۔ اور ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب ہیں اور آپ کو بتا چکا کہ کلیم و حبیب میں کیا فرق ہے۔ اب آئیے آپ کو بتاؤں کہ خلیل و حبیب میں کیا فرق ہے۔

یاد رکھئے خلیل وہ ہے جو اللہ کی رضا چاہے اور حبیب وہ ہے جس کی خدا رضا چاہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رضا رالہٰی کی دھن میں جان و مال ملک و وطن کو قربان کرتے ہوئے آخر میں اپنے محبوب بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلا دی۔ چھری اگرچہ نہ چلی۔ لیکن خلیل نے تو شانِ خُلّت کا مظاہرہ کرکے دکھا دیا۔ یہ تو شانِ خلیل ہے۔ اب آئیے حبیب کی شان ملاحظہ فرمائیے خدا فرماتا ہے۔

فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ــ یعنی اے محبوب!

تمہاری رضا کے مطابق ہم اپنا قبلہ بھی پھیر دیں گے۔

اور فرمایا:- وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى - یعنے تمہارا
رب تمہیں اتنا دیگا کہ تم اے محبوب راضی ہو جاؤ گے۔"

گویا وہ خدا جس کی رضا سارا عالم چاہتا ہے۔ وہ خود اپنے حبیب کی رضا چاہتا ہے
اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم !!
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

میرے بزرگو! حبیب وہ ہے۔ جس کی رضا خدا بھی چاہے۔ فرمایئے اس سے بڑا
مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ مرتبہ صرف ہمارے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے
اس مرتبہ کا نہ کوئی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے ؎

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا
تجھے اک نے اک بنایا

یہ شعر جو میں نے پڑھا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا ہے اور ایک حدیث کا ترجمہ ہے جو طبرانی
شریف و بیہقی کی ہے۔ جسے اعلیٰ حضرت نے تجلی الیقین[1] میں درج فرمایا ہے۔

بے مثل آقا صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ
حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھ سے آکر
عرض کیا:- قَلَّبْتُ الْاَرْضَ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ
اَجِدْ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ - یعنے میں نے
پورب پچھم ساری زمین الٹ پلٹ کر دیکھی۔ کوئی
شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل نہ پایا۔"

اعلیٰ حضرت نے اپنے اس شعر میں اسی حدیث کا ترجمہ کیا ہے اور اسی حدیث کا
ترجمہ یہ اشعار بھی ہیں ؎

جبریل سے لیئے شکّ رزفلرت؟ ہم
ہم نے تو دیکھے جہان بتاؤ تو کیسے ہیں ہم

[1] نیز رحمۃ اللعالمین کا ملاحظہ دیکھیئے

پر گرفت کی۔ لیکن وہ لوگ اپنے انہیں کلمات کفر پر قائم رہے اور مرتے مر گئے مگر نہ سمجھے کہ ہم نے جو لکھا ہے۔ غلط اور کفر لکھا ہے۔ مسلمان جب ان کی وہ عبارات پڑھتا سنتا ہے تو کانپ اٹھتا ہے۔ مگر وہ اور ان کے معتقدین ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ اپنے انہیں کلمات کفر کی تائید میں مناظرہ کرنے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں کیوں؟ صرف اس لئے کہ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ کی گرفت میں آچکے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

میرے بزرگو! گستاخی رسول سے پناہ مانگو! یہ ایک ایسا جرم ہے کہ نہ ایمان چھوڑتا ہے نہ عقل و شعور دین و دنیا برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ اور خسر الدنیا والآخرہ کا طوق لعنت پہنا دیتا ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب ہیں — اور ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل اور خلیل وہ ہے جو رضائے حق کا طالب ہو اور حبیب وہ ہے جس کی رضا کا حق طالب ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی سنیئے کہ حبیب و خلیل میں کیا فرق ہے؟

خلیل و حبیب میں فرق کی مزید تشریح

دیکھیئے۔ حضرت خلیل علیہ السلام کے متعلق خدا فرماتا ہے۔ وَاتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا۔ خدا نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور ادھر اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ جو حبیب اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام ہو گا۔ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ اللہ اس سے محبت کرے گا تو معلوم ہوا کہ وہاں تو صرف ابراہیم علیہ السلام کو خلیل فرمایا تھا اور یہاں غلامان مصطفٰے سے بھی محبت کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے۔ ؎

اللہ کا محبوب بنے جو تمہیں چاہے
اس کا تو بیاں ہی نہیں کچھ تم جسے چاہو

خلیل کے لئے ارشاد ہے:۔

نُرِىْٓ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔
ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی نشانیاں، اور عجائب دکھائے؛

اور حبیب کے لئے ارشاد ہے :۔

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا۔ ہم اپنے بندے کو معراج کی شب لے گئے تاکہ اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔

وہاں زمین و آسمان کی نشانیوں کا ذکر تھا اور یہاں نشانیوں کو اپنی طرف مضاف فرما کر فرمایا کہ اپنی نشانیاں دکھانے کو لے گئے۔

خلیل نے جب مظالمِ نمرود دیکھے تو کہا۔ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں۔ عنقریب وہ مجھے راہِ راست پہنچائے گا۔ اور حبیب کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ۔ پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو لے گیا۔

غور فرمائیے۔ وہاں خود جانا ہے ___ اور یہاں لے جانا ؛ ع

اپنا جانا اور ہے ، ان کا بلانا اور ہے !

نمرود کے آتش کدہ میں پہنچکر خلیل نے جبریل سے یوں فرمایا تھا۔ حَسْبِیَ اللّٰهُ میرا اللہ مجھے کافی ہے : اور حبیب کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ۔ "اے نبی! اللہ تمہیں کافی ہے"

خلیل علیہ السلام خدا سے تمنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ۔ مجھے قیامت میں رسوا نہ کرنا۔"

اور حبیب علیہ السلام سے خود فرمایا جاتا ہے۔

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قیامت کے دن اللہ اپنے نبی اور مسلمانوں کو رسوا نہ کرے گا۔

خلیل فرماتے ہیں:۔ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ جو میری تابعداری کرے وہ میرا ہے اور جو نافرمان ہے بس تو غفور رحیم ہے۔

اور حبیب فرماتے ہیں۔ شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ۔ میری شفاعت امت کے گنہگاروں کے لئے ہی ہے

وہاں گنہگاروں سے علیحدگی ہے ، اور یہاں گنہ گاروں کے لئے تسلی ہے۔

میں ایک مرتبہ لاہور کا پاگل خانہ دیکھنے کے لئے گیا۔ تو دو کمروں میں جو بالکل متصل تھے۔ دو پاگل بیٹھے ہوئے نظر آئے ان میں سے ایک پاگل بولا دیکھئے مولوی صاحب! مجھے خواہ مخواہ ان لوگوں نے پاگل سمجھ لیا۔ حالانکہ میں بالکل پاگل نہیں ہوں۔ صرف اتنی بات کہتا ہوں کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں بس اسی بات پر یہ مجھے پاگل خانہ میں لے آئے ہیں۔ اتنے میں ساتھ والا دوسرا پاگل بولا دیکھئے مولوی صاحب! کہیں اس کی باتوں میں نہ آجانا۔ یہ جھوٹ بولتا ہے کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔ میں نے تو اسے بھیجا ہی نہیں:

گویا یہ دوسرا پاگل خدا بن بیٹھا۔ استغفر اللہ! مولوی صاحب کہتے ہیں۔ میں نے ان دونوں سے کہا۔ بھئی! تم دونوں اسی جگہ کے قابل ہو تو میرے بھائیو! حضور کے بعد جو نبوت کا دعوے کرے گا وہ یقیناً پاگل ہے اور یا پھر بھوکا ہے۔ بعض اوقات بھوک بھی آدمی کو گمراہ کر دیتی ہے۔

لطیفہ چنانچہ ایک بھوکے شخص نے نبوت کا دعوے کیا تو وقت کے بادشاہ نے سپاہیوں سے کہا کہ یہ شخص غالباً بھوکا ہے۔ اسی لئے ایک نیا ڈھونگ رچا کر پیٹ پوجا کا سامان مہیا کرنا چاہتا ہے تم جاؤ اور اس شخص کو شاہی باورچی خانہ میں لے آؤ اور پانچ چھ روز تک اسے خوب کھلاؤ پلاؤ جب اسے کھانے پینے کو ہر چیز ملے گی تو غالباً دعویٰ نبوت بھول جائے گا۔ چنانچہ سپاہی اسے پکڑ کر شاہی باورچی خانہ میں لے آئے اور کچھ روز اسے خوب کھلایا پلایا۔ ایک دن بادشاہ خود اس کے پاس آیا اور پوچھا کیوں صاحب! کیا اب بھی کوئی الہام وغیرہ ہوتا ہے؟ وہ شخص بولا۔ ہاں صاحب! ابھی ابھی فرشتہ آیا تھا اور یہ کہہ گیا ہے۔ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ! باورچی خانے میں رہیو

تو میرے بھائیو! خوب یاد رکھو۔ حضور کے بعد یہ نبوت کے دعوے سب پیٹ بھرنے کے ڈھنگ اور باورچی خانے کی رونق کے سامان ہیں۔ چنانچہ متنبی پنجاب کی طرف سے کسی شاعر نے لکھا ہے ؎

اے پیٹ تیرے واسطے کیا کیا نہ سبنے
مہدی بنے مسیح بنے معتقد بنے
بے شرم تو بھرا نہیں گو ہم خیال میں
نانک بنے کرشن بنے اور خدا بنے

میرے دوستو! اے خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے !!
خصوصاً آجکل کے انبیاء سے

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ کافروں میں جب بھی کوئی اللہ کا رسول آیا تو وہ ان اللہ کے پیغمبروں (علیہم السلام) پر تمسخر ہی کرتے رہے۔ چنانچہ اُن کافروں کی گستاخیوں اور استہزار کا دوسری آیات میں ذکر موجود ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ جب بھی کسی رسول کی بارگاہ میں گستاخی کی گئی تو اس گستاخی کا جواب خود پیغمبر ہی دیتے رہے۔ یعنی یہ نہیں ہوا کہ کسی رسول کی بارگاہ میں گستاخی کی گئی ہو اور اس کے جواب میں خدا بولا ہو۔ نہیں بلکہ وہ پیغمبر خود ہی ان گستاخوں کی گستاخیوں کا جواب دیتے رہے۔ مثلاً

نوح علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ آپ کی بارگاہ میں کافروں نے یوں گستاخی کی :۔

إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۔ (پ ح ۱۵) " ہم تمہیں کسی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

کافروں نے معاذاللہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف " ضلالت " کی نسبت کی اس گستاخی کا جواب حضرت نوح علیہ السلام نے خود دیا اور فرمایا :۔

يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (پ ع ۱۵) اے میری قوم ! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب العالمین کا رسول ہوں !

ہود علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام بھی اللہ کے ایک برگزیدہ رسول ہیں۔ قوم نے ان لفظوں سے آپ کی بارگاہ میں گستاخی کی۔

إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (پ ع ۱۶) " ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں "

کافروں نے ہود علیہ السلام کو (معاذاللہ) بے وقوف اور جھوٹا کہا۔ اس گستاخی کا جواب حضرت ہود علیہ السلام نے خود دیا اور فرمایا۔

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پ ۸ ع ۱۶) "اے میری قوم مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں۔"

موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں آپ کی شان میں بھی گستاخی کی گئی۔ اور اس گستاخی کا جواب موسیٰ علیہ السلام نے آپ ہی دیا۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرعون نے کہا۔

اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا (پ ۱۵ ع ۱۲)

"اے موسیٰ میرے خیال میں تو تم پر جادو ہوا ہے۔"

یہاں فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مسحور کہا یعنے تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گستاخی کا جواب خود ہی دیا اور فرمایا

وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (پ ۱۵ ع ۱۲)

"اور میرے گمان میں تو اے فرعون تو ضرور ہلاک ہونے والا ہے۔"

یعنے یہ تیری میرے حق میں گستاخیاں تجھے ہلاک کرکے رکھ دیں گی۔

بزرگوں کی بے ادبی ہلاکت ہے

بزرگوں اور خدا کے مقربین کی شان میں بے ادبی کرنے سے انسان اس دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے چنانچہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین کرکے ذلیل و ہلاک ہوا اور جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا وہی کچھ ہو کر رہا۔ فرعون کی مانند آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو خدا کے مقربین کی شان میں گستاخی کرتے رہتے اور ذلیل ہوتے ہیں۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

؎ گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد!
میلش اندر طعنۂ پاکاں کند

یعنے خدا کسی کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس بے دین کا رجحان پاک لوگوں کی شان میں گستاخی کی طرف کر دیتا ہے اور وہ ان اللہ والوں کا گستاخ بن کر اس جہان اور اُس جہان میں بھی ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

یعنے مجھے شہر میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ شہر والے ہر روز یک یک کرکے۔ یہیں آرہے ہیں۔ یہی بہلول دانا بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے بادشاہ نے دیکھے تو پوچھا۔ لوگ قحط سالی سے پریشان ہو رہے ہیں اور آپ بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں گویا آپ کو کوئی فکر ہی نہیں۔ حضرت! یہ کیا بات ہے؟ کیا آپ کو قحط سالی کا علم نہیں؟ حضرت بہلول دانا نے جواب دیا۔ ہارون رشید! خدا نے ہمارے ذمہ "یادِ حق" رکھی ہے اور رزق دینے کا ذمہ اس نے خود لیا ہے تو ہمیں فکر یادِ حق کی کرنی چاہیئے۔ روٹی کی فکر ہم کیوں کریں یہ جس نے اپنے ذمے رکھی ہے وہ خود اس کا انتظام فرمائے گا۔

دیکھا آپ نے یہ لوگ کیسے مطمئن اور لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی زندہ تفسیر ہیں۔ آج ہم لوگ دن رات بے اطمینانی میں بسر کرتے ہیں اور اس نعمت سے محروم ہیں۔ مگر اللہ والے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کے مطابق اس نعمت سے سرفراز ہیں ع

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں!

آج دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ، وزیر اور گورنر اگرچہ دنیاوی عیش و آرام کے جملہ سامان رکھتے ہیں۔ مگر اطمینانِ قلب کی نعمت سے محروم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل عموماً ہارٹ فیل ہونے لگے ہیں۔ جس دل میں یادِ حق نہ ہو وہ دل فیل نہ ہوگا تو کب ہوگا؟ اگرچہ ایسا شخص بظاہر زندہ بھی کیوں نہ ہو مگر وہ مردہ ہی ہے۔ کہ اس کا دل مردہ ہے اور زندگی تو زندہ دلی کا نام ہے اور زندہ دلی یادِ حق سے ملتی ہے افسوس کہ اس دور میں برائے نام زندگی زیادہ ہے۔ دل عموماً مردہ ہیں۔ الا ماشاءاللہ!

ہاں تو میں ایک مجذوب کا قصہ بیان کرنے لگا تھا ایک مجذوب فقیر ایک شہر کے بارونق بازار سے گزر رہے تھے۔ اس بازار میں ایک فاحشہ عورت اپنے ایک آشنا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ بارش ہو جانے کے باعث سڑک پہ کیچڑ بہت تھا۔ اتفاقاً اس فقیر کے اٹھتے ہوئے جوتے سے کیچڑ کا ایک چھینٹا اس فاحشہ کے منہ پر جا پڑا۔ فاحشہ کے آشنا کو یہ بات ناگوار گذری اور اٹھ کر اس فقیر کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا۔ فقیر نے کچھ نہیں کہا اور چل دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس فقیر سے کسی نے آکر کہا: سائیں بابا! سنا آپ نے بھی؟ وہ فاحشہ کا آشنا جس نے آپ کو تھپڑ مارا تھا۔ خود مر گیا۔ فقیر نے پوچھا وہ کیسے

اس نے بتایا کہ وہ آئینہ رکھنے کے لئے کوٹھے پر چڑھا۔ تاکہ وہ حشرہ آئینہ میں اپنا منہ دیکھ لے۔ اتفاقاً اس کا پاؤں اوپر کی سیڑھی سے پھسلا اور دھڑام سے نیچے گرا۔ سر پھٹ گیا اسی وقت مر گیا۔ فقیر یہ سن کر ہنس دیا اور کہا۔ بھئی! یہ تو یاروں کی آپس میں لڑائی ہے۔ نا حشرہ کے یار کو غصہ آیا۔ اس نے مجھے مارا۔ میرے یار کو غصہ آیا تو اس نے اسے مار دیا۔

تو دوستو۔ خدا کی مار ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کے محبوبوں کو ستاتے ہیں اسی طرح فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو ستا کر اپنی ہلاکت کا سامان تیار کر لیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا یعنی اے فرعون میں دیکھتا ہوں اب تو نہیں بچے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ چنانچہ فرعون جیسا متکبر و مغرور شخص جو اپنی بسیط سلطنت اور بڑے بڑے سرداروں کے پیش نظر اپنے آپ کو خدا کہتا تھا۔ پانی میں غرق ہو کر ہلاک ہو گیا۔

فرعونی ایمان

قرآن پاک میں فرعون کے غرق ہونے کا قصہ موجود ہے اور قرآن فرماتا ہے کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو اس وقت پکار اٹھا۔

آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ (پ۱۱ ع۱۳)

یعنے میں خدا پر ایمان لایا اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

لیکن میرے بھائیو! کیا اس کا یہ ایمان اور اپنے آپ کو مسلمان کہنا مفید و معتبر ہوا؟ ہرگز نہیں وہ کافر و بے ایمان ہی مرا۔ مگر کیوں؟ جبکہ وہ ایمان لے آیا اور اپنے آپ کو اس نے مسلمان بھی کہا۔ پھر اس کا ایمان و اسلام کیوں معتبر نہ ہوا؟ سنیئے اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ :-

قِيلَ إِنَّمَا لَمْ يُقْبَلْ ذَٰلِكَ لِأَنَّهُ آمَنَ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْعَذَابِ لَا يُقْبَلُ وَقِيلَ لِأَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ نُبُوَّةَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ (نزہۃ المجالس ص۳۱۸ ج۱)

یعنے اس کا یہ ایمان اس لئے معتبر نہ ہوا کہ عذاب

گستاخی کی اور یہ کہا کہ :۔

لَسْتَ مُرْسَلًا (پ ۱۳ ع ۱۲) تم رسول نہیں "

تو اس کے جواب میں یہ حضور نہیں بولے ۔ بلکہ خدا نے خود جواب دیا ہے :۔

یٰسٓ ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (پ ۲۲ ع ۱۸) اے سردار! حکمت والے قرآن کی قسم ۔ بے شک تم رسولوں میں سے ہو "۔

اور سنیئے! کافروں نے ایک مرتبہ یہ بات اڑادی کہ :۔

اِنَّ مُحَمَّدًا وَدَّعَهٗ رَبُّهٗ وَقَلَاهُ (روح البیان ص ۴۶۱ ج ۴) تحقیق محمد کو اس کے رب نے چھوڑ دیا اور دشمن بنالیا "

اس کو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى (پ ۳۰ ع ۱۸) چاشت کی قسم اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈالے کہ تم کو تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ دشمن بنایا "

دیکھ لیجئے ہر مقام پر محبوب کی طرف سے خود خدا ہی بول رہا ہے اور محبوب کی عزت وشان بڑھانے کو جب بھی کچھ ارشاد فرمایا قسم فرماکر ۔ میرے بزرگو! یہ جو والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ میں قسم فرمائی ۔ ایک تو اس کا یہ معنیٰ ہے جو آپ سن چکے کہ چاشت کی ، اور رات کی قسم اور مفسرین نے اس کا ایک اور معنیٰ بھی لکھا ہے ۔ چنانچہ

رُخِ انور اور زُلفِ عنبر

صاحب روح البیان نے اس کی تفسیر میں ایک قول یہ نقل کیا ہے :۔

"اشارت است بروشنی روئے حضرت مصطفےٰ علیہ السلام وکنایت است از سیاہی موئے وے "

(روح البیان ص ۴۶۲ ج ۴)

مطلب یہ کہ " والضحیٰ " سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور ہے اور " واللیل " سے

مراد حضور کی زلف عنبر ہے۔ گویا خدا نے یوں فرمایا ہے۔

(کہ اے محبوب! تیرے اس رُخِ روشن کی قسم اور ان
سیاہ زلفوں کی قسم جب کہ وہ بکھر کر چہرۂ انور کو
ڈھانپ لیں۔ تمہارے رب نے نہ تجھے چھوڑا
اور نہ دشمن بنایا۔)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اسی لئے فرمایا ہے ؎

ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

ایک اور شاعر لکھتا ہے ؎

یوں زلف جلوہ گر ہے رُخِ مصطفیٰ کے پاس
واللیل جس طرح ہو کہیں والضحیٰ کے پاس

جامع الصفات

یہ سب بزرگو! اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل و اعلیٰ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو جملہ انبیاء کرام کا سردار و سلطان بنایا ہے۔ خوب یاد رکھیے۔ ہر نبی کو جو جو کمالات و فضائل انفرادی طور پر عطا ہوئے وہ سب کے سب فضائل و کمالات ہمارے حضور میں جمع فرما دیئے گئے اور یہ حقیقت ہے کہ ؎

وَلِكُلِّ نَبِيٍّ فِي الْأَنَامِ فَضِيلَةٌ
وَجُمْلَتُهَا مَجْمُوعَةٌ لِمُحَمَّدٍ

یعنے ہر نبی کے لئے جو جو فضائل و کمالات حاصل ہیں وہ سب کے سب ذات جامع الصفات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں جمع ہیں۔

ایک مثال

ایک مثال عرض کروں۔ دیکھئے آپ نے چند رقمیں جمع کرنی ہوں مثلاً ۲۰-۱۸-۱۵-۱۰ یہ رقمیں آپ جمع کرنا چاہتے ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ان رقموں کو حسب ذیل صورت میں اوپر سے نیچے لکھیں گے۔

۲۰
۱۸
۱۵
۱۰

خانہ رفتے گاؤ را دادے علف!
ہر زماں از کبر بودے برطرف!

یعنے اے جوان! ہر وقت اخلاقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھ! حضور نے ہر وقت تواضع اختیار فرمائی۔ آپ زمین پر تشریف فرما ہو کر تواضع کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔ اور گھر کا سارا کام خود اپنے ہاتھ مبارک سے کر لیتے تھے۔ گھر تشریف لاتے تو گائے کو چارہ بھی خود ہی ڈالتے اور کبر و غرور سے ہر وقت آپ کنارہ کش رہتے تھے آگے فرمایا۔

ہر کرا بیماری بودے چناں	کہ ازو پرہیز کردے ہم کساں!
مصطفےٰ با او بہم خوردے طعام	بود زیں شاں ہماں آں خیر الانام

یعنے کسی شخص کو کوئی ایسی بیماری لگ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے سب لوگ اس سے الگ ہو جاتے تھے۔ تو حضور اس ایسے وقت میں اس بے کس و بے یار بیمار کے ساتھ تشریف فرما ہو کر کھانا تناول فرماتے تھے۔

حضرات! دیکھا آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تواضع شریف کو کہ مرتبہ اس قدر بڑا کہ بڑے بڑے رسولوں کے بھی سردار ہیں اور تواضع اس قدر کہ غریب سے غریب تر شخص سے بھی محبت و شفقت فرمائی جاتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی اپنے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کو پیش نظر رکھیں اور مسلمان بن کر جئیں اور مسلمان ہی رہ کر مریں!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

چوتھا وعظ

رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ؕ

(پ ۱۷ ۔ ۷)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے"

حضرات! آج میں آپ کے سامنے حضور رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت کے متعلق کچھ بیان کرنے کو حاضر ہوا ہوں۔ اسی واسطے میں نے قرآن کریم کی ایک ایسی آیت پڑھی ہے۔ جس میں اللہ نے اپنے محبوب پاک کی رحمتِ عامہ کا ذکر فرمایا ہے۔ خدا اپنے محبوب سے خطاب فرما کر فرما رہا ہے کہ پیارے! ہم نے آپ کو "رحمۃ للعلمین" بنا کر بھیجا ہے۔ میرے بھائیو! اس آیت میں اس لفظ "علمین" کو سامنے رکھیے اور پھر سورۃ فاتحہ کو پڑھیے۔ اس کی پہلی آیت یہ ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ سب تعریفیں اس
اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے"

دیکھئے۔ یہاں بھی وہی "عٰلمین" کا لفظ ہے۔ جو وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ میں ہے۔ گویا خدا فرماتا ہے کہ میں "رب العٰلمین" ہوں اور میرا محبوب "رحمۃ للعٰلمین" ہے۔

عالمین

اب دیکھنا یہ ہے کہ "عٰلمین" کا معنے کیا ہے؟ تو میرے دوستو! عٰلمین جمع ہے عالم کی ہے۔ اور عالم کا معنے ہے "مَا یُعْلَمُ بِهِ الشَّیْءُ" ایسی چیز جس سے دوسری چیز کا احساس ہو جائے چونکہ دنیا کی ہر شے اپنے خالق کا پتہ دے رہی ہے اور بقول شاعر سے

ہر گیاہے کہ از زمیں روید!
وحدہٗ لا شریک لہ گوید!

ہر گھاس کی جو پتی زمین سے اگتی ہے۔ وہ زبان حال سے اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ میرا خالق وحدہٗ لا شریک ہے۔ اس لئے دنیا کو عالم کہتے ہیں اور عالم کا اطلاق خدا کی ذات و صفات کے سوا ہر ایک موجود شے پر ہوتا ہے اور خدا کی بے شمار مخلوق کے اعتبار سے عالم کئی قسمیں ہیں۔ عالم مجردات۔ یعنی وہ چیزیں جو جسم عنصری، اور جسم سماوی سے بری ہیں اور جو بسبب لطافت کے نظر نہیں آتیں جیسے کہ روح اور فرشتے۔ دوم عالم جسمانیات یعنی ایسی چیزیں جو جسم رکھتی ہیں پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ عالم علویات۔ یعنی وہ چیزیں جن کا تعلق بلندی سے ہے مثلاً آسمان۔ آفتاب۔ چاند۔ ستارے۔ وغیرہ اور عالم سفلیات یعنی وہ چیزیں جن کا تعلق پستی سے ہے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ عالم لطیفات یعنی وہ چیزیں کہ جو بسبب لطافت کے دکھائی نہیں دیتیں جیسے ہوا وغیرہ۔ عالم کثیفات پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عالم مفردات جیسے کہ پانی اور خاک۔ عالم مرکبات۔ پھر اس کی چار قسمیں ہیں۔ عالم کائنات جو۔ یعنی وہ چیزیں جو زمین سے اوپر پیدا ہیں جیسے کہ ابر۔ اولے۔ قوس و قزح وغیرہ۔ دوم عالم جمادات یعنی پتھر اور دیگر معدنیات چاندی۔ سونا۔ ہیرا۔ بلور وغیرہ۔ سوم عالم نباتات یعنی درخت اور گھاس وجڑی بوٹیاں وغیرہ۔ چہارم عالم حیوانات یعنی انسان۔ گدھا۔ گھوڑا۔ درندے۔ پرندے۔ جاندار چیزیں دریا کی ہوں یا خشکی کی۔ اس عالم حیوانات میں سب سے افضل و اشرف انسان ہے۔

الغرض اللہ کی مخلوق کے بہت سے عالم ہیں۔ جن کا حقیقی علم وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ کے مطابق اللہ ہی کو ہے تو لفظ عٰلمین جمع ہے عالم کی۔ جس کا معنے ہے سارے عالم تو الحمد للہ رب العٰلمین کا معنے یہ ہوا کہ سب تعریف ہے اس اللہ کے لئے جو سب

بھی محتاج نہیں۔

تمہیدی کلمات

حضرات! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کے متعلق کچھ بیان کرنے سے قبل چند تمہیدی کلمات سن لیجئے۔ ماں باپ بچے کی پرورش کرنے والے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کو بچے کا رب فرمایا ہے۔ کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا یہ آیت اس امر پر شاہد ہے۔ رب کہتے ہیں پالنے والے کو تو چونکہ ماں باپ بچے کو پالتے ہیں اس لئے انہیں رب فرمایا گیا ہے۔ اب آپ سوچئے کہ ماں جو بچے کو پالتی ہے تو کس قدر محنت و شفقت کے ساتھ۔ اور اپنی تکلیف کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے بچے کی پرورش کا خیال رکھتی ہے۔ اپنا چین سکھ آرام۔ نیند۔ بھوک۔ پیاس سب کچھ بچے پر قربان کر دیتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ماں میں یہ جذبہ کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ماں کے دل میں بچے کے لئے رحمت پیدا فرمادی ہے یہ اسی رحمت مادر کا کرشمہ ہے کہ ماں ہر تکلیف کو برداشت کرتی ہے۔ مگر بچے کی پرورش میں کوتاہی نہیں کرتی۔ گویا ماں کی "ربوبیت" کا اظہار اسی "رحمت" سے ہوتا ہے۔ اگر ماں کے دل میں اس بچے کے لئے رحمت نہ ہوتی تو ماں کبھی بچے کی پرورش نہ کرتی۔ ماں چونکہ اپنے دل میں اپنے بچے کے لئے بے پناہ پیار و رحمت پاتی ہے۔ اس لئے اس کی پرورش کرتی ہے۔ ماں کا دل بچے کے لئے خزانۂ رحمت ہے اور ماں کا دل بچے کی تکالیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔

ماں کا دل

چنانچہ "رحمت قلب مادر" کی تشریح کے لئے ایک قصہ ہے۔ کہ ایک اپ ٹوڈیٹ لڑکی کا ایک اپ ٹوڈیٹ لڑکے کے ساتھ بیاہ ہو گیا۔ لڑکے کی صرف ایک بوڑھی ماں موجود تھی اور کوئی اس کا عزیز و رشتہ دار نہ تھا اور آجکل رشتے میں دیکھا بھی اسی بات کو جاتا ہے کہ لڑکی وہاں دی جائے۔ جہاں لڑکے کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو۔ نہ اس کی ماں ہو۔ نہ کوئی بہن۔ نہ بھائی نہ کوئی اور عزیز۔ گویا لڑکا سب کو کھا پی چکا ہو اور اکیلا گھر ہو۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ جب تم رشتہ کرنے لگو تو کوئی حسن و جمال دیکھتا ہے اور کوئی مال و جلال مگر فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تم سب سے پہلے دین کو دیکھو کہ لڑکی اور لڑکے میں دین بھی ہے یا نہیں؟ یہ تو ہے ارشاد ہمارے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ مگر رواج یہ کہتا ہے کہ پہلے یہ دیکھو کہ لڑکا جنٹلمین ہے یا نہیں؟ داڑھی مونچھ کا دشمن ہے یا نہیں؟ کھڑے ہو کر موتتا ہے یا نہیں؟ لڑکی سرخی و پوڈر کی دلدادہ

بات یہ نہیں ، بڑی مانگ کی توقعات بات یہ نہیں ، قوانین الٰہیہ میں فرق ہے یا نہیں
بزرگو ! اب وہ زمانہ کہاں ؟ جبکہ لڑکی کا باحیا ہونا اور قرآن خواں و نمازی ہو ۔ دیکھا جاتا
تھا ۔ اب تو امیر گھرانوں میں لڑکیوں کو باقاعدہ ناچنے اور گانے کی تعلیم دی جاتی ہے ۔
اور جو لڑکی ناچنے گانے میں ماہر ہو اُسے معیاری قرار دیا جاتا ہے ۔ خدا تعالیٰ ان گمراہیوں
سے محفوظ رکھے ۔ ذرا سوچئے تو جو لڑکی ناچتی آئے گی وہ سسرال والوں کو گمراہیوں پہ چلائے
گی ۔ آہ ! اس زمانہ نے ترقی کے نام سے کیا کیا گمراہیاں پیدا کر دیں ۔ خوب یاد رکھیے ؎

چار چیزیں چاہئیں از بہر زن !
چکی ، چولہا اور چادر ، پیرہن

مگر اب یہ باتیں کہاں ؟ اب تو ناچنا ، گانا اور عریانی ہی کا تماشا نظر آتا ہے ۔ ہاں
تو ایک ایسے ہی اپ ٹو ڈیٹ لڑکے سے ایک اپ ٹو ڈیٹ لڑکی کا بیاہ ہو گیا ۔ لڑکے
کی صرف ایک ماں ہی تھی اور کوئی عزیز نہ تھا ۔ تازہ شادی تھی ۔ اور دونوں میاں بیوی
فیشن ایبل تھے اور دین سے بے بہرہ ۔ لڑکی نے جو سسرال میں قدم رکھا تو بوڑھی ساس
کو گھر میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر پریشان ہوئی کہ میں نے تو سنا تھا کہ گھر اکیلا ہے میاں تنہا
ہیں ۔ مگر یہ بڑھیا کہاں سے آ ٹپکی ! چنانچہ شب کو پہلی ملاقات میں اپنے شوہر سے کہنے لگی
دیکھئے اگر آپ کو مجھ سے محبت ہے جیسے کہ آپ ظاہر کر رہے ہیں تو سنئے ۔ میں نے
آپ کی خاطر اپنی ایک ماں ۔ ایک باپ ۔ تین چچا ۔ تین پھوپھیاں ۔ دو خالو ۔ پانچ بھائی اور
چار بہنیں چھوڑیں ۔ ان سب عزیزوں کو صرف آپ کی خاطر چھوڑا اور آپ کے پاس آ گئی
اب آپ کو بھی اگر مجھ سے پیار ہے تو میری خاطر آپ صرف ایک عدد اپنی اس بڑھیا ماں کو
چھوڑ دیجئے اور اسے گھر سے نکال دیجئے ۔ میاں نے یہ سنا تو اس کی محبت میں فدا ہو کر
کہنے لگا ۔ واہ ! یہ بھی کوئی بڑی بات ہے ۔ صبح ہی ہو ، میں بڑھیا کو گھر سے نکال دوں گا
چنانچہ صبح اس نے واقعی اپنی بوڑھی ماں سے کہہ دیا کہ اماں ! بس دوسرے محلہ میں ہمارا جو
مکان ہے آج سے تم وہاں رہا کرو ۔ تمہیں وہیں روٹی پہنچا دیا کروں گا ۔ بوڑھی ماں سمجھ
گئی کہ یہ بیٹا اپنی بیوی کے کہنے پر ہی ایسا کر رہا ہے ۔ بولی بیٹا ! جہاں تم خوش رہو میں تیار
ہوں ۔ وہ بہرحال میری اولاد ہے ۔ میری دعا ہے کہ خدا تجھے کوئی تکلیف نہ پہنچے
اسی دن ماں کو دوسرے مکان میں پہنچا دیا گیا ۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک شب

کہو لا الٰہ الا اللہ

ایک پنجابی شاعر نے بھی اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ وہ کہتا ہے —

تینوں قبر دی کوٹھی کم آون گے

اتے وچہ زمین لٹے جاں گے — وچہ جنگل جا کے چھڈن گے

کہو لا الٰہ الا اللہ۔ — ہیں محمد پیارے رسول اللہ

ایتھے واڈی جان آن پھسانی آ — ایتھے کوئی نہ سنگی ساتھی آ — ایتھے کسے نہ پائیں بنائی آ

کہو لا الٰہ الا اللہ — ہیں محمد پیارے رسول اللہ

پردا مسلی دا لتھے گا — جدوں کملی آن چھپائے گا — ہر دکھ تھیں آن بچائے گا

کہو لا الٰہ الا اللہ!

ہیں محمد پیارے رسول اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت قبر میں بھی ہمارے کام آئے گی اور کل قیامت کے دن بھی جبکہ ماں باپ اپنے بیٹے کو بھول جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی رحمت ہماری بگڑی کو بنائے گی۔ سب نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے۔ مگر حضور امتی امتی فرماتے ہوں گے۔ خدا کی قسم اگر حضور کی رحمت نہ ہو تو ہم میں سے کوئی بھی عذاب الٰہی سے نہ بچے۔ — یہ حضور ہی کی رحمت کا صدقہ ہے کہ ہم مامون و محفوظ ہیں ؎

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تجویز!
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا!

رحمتِ عالم

حضرات! تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ ماں کی "ربوبیت" کے اظہار کے لیے پہلے "رحمت" کا ہونا ضروری ہے۔ اگر رحمت نہ ہو تو ربوبیت بھی نہ ہو — بالتشبیہ خداوند کریم جو رب العالمین ہے۔ سارے جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے جس نے اپنی "ربوبیت" کے اظہار کے لئے سب سے پہلے "رحمۃ للعالمین" کو پیدا فرمایا۔ اگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ فرمائے جاتے تو خدا کی "ربوبیت" کا کبھی اظہار نہ ہوتا اور اگر خدا کی "ربوبیت" کا اظہار نہ ہوتا تو پھر کچھ بھی نہ ہوتا۔ زمین و آسمان۔ عرش و فرش جملہ کائنات خدا کی مخلوق و مربوب ہے اگر خدا اپنی ربوبیت ظاہر نہ فرماتا۔ تو ان میں سے

کوئی چیز بھی نہ ہوتی۔ اور یہ ربوبیت کبھی ظاہر نہ ہوتی۔ اگر پہلے رحمۃ للعٰلمین نہ ہوتے۔ تو گویا اگر حضور رحمت للعٰلمین صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے کہ سہ

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو!!
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

نورِ مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم

اور یہ بات کہ سب سے پہلے اللہ نے حضور کو پیدا فرمایا۔ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور سے سوال کیا۔ حضور سب سے پہلے اللہ نے کس چیز کو بنایا؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا:۔

یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ
نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ ذٰلِکَ
الْوَقْتِ لَوْحٌ وَّلَا قَلَمٌ وَّلَا جَنَّۃٌ وَّلَا نَارٌ وَّلَا
مَلَکٌ وَّلَا سَمَاءٌ وَّلَا اَرْضٌ وَّلَا شَمْسٌ وَّلَا
قَمَرٌ وَّلَا جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ (رحمۃ للعٰلمین ص۲۸)

اے جابر! تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہر شئے سے پہلے تیرے
نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے نور کو اپنے
نور سے پیدا فرمایا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم۔
نہ جنت تھی نہ دوزخ۔ نہ کوئی فرشتہ تھا نہ آسمان
اور نہ زمین۔ نہ سورج تھا نہ چاند اور نہ کوئی جن تھا
نہ انسان "

معلوم ہوا کہ ہر شے سے پہلے حضور ہی کو پیدا فرمایا گیا اور اگر اللہ حضور کو پیدا نہ فرماتا تو رحمت نہ ہوتی اور پھر خدا کی ربوبیت کا اظہار بھی نہ ہوتا اور خدا کی ربوبیت اگر نہ ہوتی تو پھر دنیا و مافیہا کچھ بھی نہ ہوتا۔ اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ خدا فرماتا ہے۔

"لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا" پیارے اگر تم نہ ہوتے
تو دنیا بھی میں پیدا نہ کرتا " (رواہ ابن عساکر۔ رحمۃ للعٰلمین ص۲۹)

تو یہ بات ظاہر و ثابت ہو گئی کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طفیل یہ سارا عالم ہے اور آپ ہی کے صدقہ میں ہر وجود کو ہر نعمت میسر ہوئی ہے۔ میں نے ایک نظم میں لکھا ہے ؎

تیرے صدقہ ہی میں ہم کو یہ جہاں ہیں اپنی؛

جان تن تم پہ ہوں صدقے یہ ہماری جانیں

اسی حقیقت کا اظہار فارسی کے ان اشعار میں بھی ہے ؎

توئی کہ مطلع احسان و مظہر جودی — کہ کن فکاں ز تو دارند نام موجودی

درین ضیافت ہستی بخوانِ جود و کرم — ہمہ طفیل تو اند و توئی مقصودی

نبود آدم و عالم نبود نام و نشاں — کہ در سراچۂ وحدت حبیب حق بودی

انبیاء کرام علیہم السلام

اے میرے بزرگو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رحمت سے سلسلہ انبیاء بھی جاری ہوا۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

ترا قد مبارک گلبن رحمت کی ڈالی ہے

تجھے بو کر بنا اللہ نے رحمت کی ڈالی ہے

اس شعر میں لفظ "ڈالی" کو اعلیٰ حضرت نے خوب نبھایا ہے۔ پہلے لفظ "ڈالی" سے مراد شاخ ہے اور دوسرے لفظ "ڈالی" سے مراد بنا رحمت کو ڈالنا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضور کا وجود باوجود رحمت کی ایک شاخ ہے اور نبوت کے سلسلۂ رحمت کی بنا اللہ نے حضور کے وجود باوجود سے ہی ڈالی ہے۔ حضور ہی اس سلسلے کے اول ہیں اور میرے بزرگو! اس سلسلہ کے آخر بھی حضور ہی ہیں۔ گویا یہ سلسلہ حضور ہی سے شروع ہوا اور حضور ہی پر آکر ختم ہو گیا۔ دیکھ لیجئے۔ دائرہ کھینچنے کے وقت جس نقطے سے دائرہ کی ابتدا جس جگہ سے ہوتی ہے۔ اس دائرہ کی تکمیل بھی اسی جگہ پر آکر ہوتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود سے یہ دائرہ نبوت شروع کیا گیا اور جب یہ دائرہ اسی وجود باوجود تک پہنچا۔ تو وہاں پہنچ کر ختم بھی ہو گیا۔ اس لئے کہ اس کی تکمیل ہو گئی۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ آج کے دن تمہارا

دین میں نے کامل کر دیا؛

اس حقیقت کے پیش نظر خود ہی غور فرما لیجئے کہ جب دین کامل اور دائرہ نبوت مکمل ہو گیا۔ تو قادیانی متنبی کے لئے اس دائرہ نبوت کے اندر آنے کی جگہ ہی کب باقی رہ

گئی ہے۔ ہم تو تمہیں اتنی ہی تسلیم کر پاتے [illegible]

ایک دوسری مثال

حضرات! ماں کی پرورش اور اس کی رحمت کی مثال سے آپ معلوم کر چکے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس لئے آپ ساری مخلوقات سے پہلے پیدا کئے گئے۔ اگر آپ کا وجود موجود نہ ہوتا۔ تو خدا کی ربوبیت کا بھی اظہار نہ ہوتا۔ اس حقیقت کو ایک دوسری مثال سے سمجھئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے لئے اللہ کی رحمت ہیں اور اللہ کی رحمت کا ہر کوئی محتاج ہے۔ کیوں دوستو! ہے کوئی شخص جو یہ کہہ سکے کہ میں اللہ کی رحمت کا محتاج نہیں ہوں۔ توبہ! توبہ!! کوئی بے ایمان ہی ایسا کہے گا۔ ہمارا تو سب کا ایمان ہے کہ ہم سب اللہ کی رحمت کے محتاج ہیں۔ محتاج بھی ہیں اور اس سے امیدوار بھی ہیں۔ اللہ کی رحمت سے کیا کچھ نہیں مل سکتا سب کچھ ملتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ اور اسی واسطے اس رحمت پر ہماری یہی صدا ہے کہ ؎

نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں!
لئے ہوئے یہ دلِ بے قرار ہم بھی ہیں
ہمارے دستِ تمنا کی لاج بھی رکھنا
ترے فقیروں میں اے شہریار ہم بھی ہیں
تمہاری ایک نگاہِ کرم میں سب کچھ ہے!
پڑے ہوئے تو سرِ رہگذار ہم بھی ہیں

جب یہ ثابت ہوا کہ حضور سارے جہان کے لئے رحمت ہیں اور رحمت کا ہر کوئی محتاج ہے۔ تو ثابت ہوا کہ ہم سب محتاج ہیں اور حضور محتاجٌ الیہ۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

زیں سبب فرمود حق صلوا علیہ — کہ محمد بود محتاجٌ الیہ

یعنے اللہ نے اسی لئے ہمیں فرمایا ہے کہ حضور پر صلوٰۃ وسلام پڑھو کیونکہ ساری دنیا محتاج ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم محتاجوں کی حاجت پناہ۔

میرے بزرگو! اب ذرا دنیا کی دوسری چیزوں کی طرف نظر دوڑاؤ۔ انسان کو پانی کی بھی احتیاج ہے آگ کی بھی اور ہوا کی بھی اور اسی طرح زمین کی بھی احتیاج ہے۔ اور

جب یہ سب کچھ پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ حضور اس وقت بھی تو تھے۔ تو وہی محبوب اگر شب معراج ان چیزوں کے سوا وہاں تشریف لے گیا۔ جہاں ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ تو کون سی ناممکن بات ہے۔ مگر ان فلسفیوں کو تو برائے نام فلسفے لے ڈوبا ہے۔ ؎

فلسفی کو رفعت سرکار سے انکار ہے
ایسے بد بختوں کی بے عقلی پہ رب کی مار ہے

مسلمانوں کیلئے رحمت

حضرات، ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے سارے جہان کے لئے رحمت فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ نیک و بد مومن و کافر سبھی اس جہان میں ہیں۔ تو گویا حضور سبھی کے لئے رحمت ہوئے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ہم حضور کے غلاموں یعنی مسلمانوں پر تو حضور کی رحمت ہی مرحمت ہے حضور نے اپنی امت کو ہر وقت یاد رکھا۔ حتیٰ کہ شب معراج وہاں پہنچکر بھی جہاں کوئی نہ پہنچ سکا تھا۔ آپ نے ہمیں فراموش نہیں فرمایا۔ ہمارے لئے حضور نے راتوں کو بیداری فرمائی۔ ہمارے لئے گریہ فرمایا۔ ہمارے لئے دعائیں فرمائیں۔ ہمیں مصائب و آلام سے نجات دی۔ جہنم سے بچایا۔ جنت عطا فرمائی۔ قبر میں تشریف لاکر ڈھارس بندھائی۔ حشر میں شفاعت فرمائی۔ غرضیکہ حضور ہمارے لئے دونوں جہان میں رحمت ہی رحمت ہیں۔

رافع نافع دافع شافع　　کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں
ان کے نام کے صدقے جس سے　　جیتے ہم ہیں جلاتے یہ ہیں

حضور سے قبل کسی نبی و رسول کی اپنی امت پر وہ رحمت و شفقت ثابت نہیں جو رحمت و شفقت حضور نے اپنی امت پر فرمائی۔ کیا کوئی ایسا نبی و رسول ہوا۔ جس نے امت کے گنہگاروں کے لئے رات رات بھر بیداری فرمائی ہے مسلمانو! مبارک ہو۔ کہ یہ خاص رحمت حضور ہی میں نظر آئی۔ حضور نے خود شب بیداری فرما کر غلاموں کو چین کی نیند سلایا ہے ؎

چشم بے خواب کے صدقے کہیں بیدار نصیب
آپ جاگے تو ہمیں چین کی نیند آتی ہے

پہلی امتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا۔ مگر حضور کی رحمت سے ہمارے لئے یہ مال حلال ہے۔ پہلی امتوں کے لئے نماز بجز مسجد کے دوسری جگہ جائز نہ تھی۔ اور ہمارے لئے ساری زمین پر نماز جائز ہے۔ پہلی امتوں پر تو، کربلا العبیانا اور [illegible]

لازم تھا۔ اور ہمارے لئے یہ رحمت کہ ہم خفیہ اپنے اللہ کے حضور بصدق دل ندامت کے دو آنسو بھی بہا دیں۔ تو توبہ قبول۔ (الغرض)

ڈوبی ناویں تراتے یہ ہیں　　　ہٹتی نیویں جماتے یہ ہیں
ٹوٹی آسیں بندھاتے یہ ہیں　　　چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں
جلتی آگ بجھاتے یہ ہیں　　　روتی آنکھ ہنساتے یہ ہیں
شافع امت نافع خلقت　　　رافع رتبے بڑھاتے یہ ہیں
اپنی بنی ہم آپ بگاڑیں　　　کون بنائے! بناتے یہ ہیں
بندے کرتے ہیں کام غضب کا
مژدہ رضا کا سناتے یہ ہیں

کافروں کیلئے رحمت

مسلمانوں کے علاوہ چونکہ کافر بھی اس جہان میں شامل ہیں اس لئے بمصداق آیت کریمہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کافروں کے لئے بھی رحمت ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے تو دونوں جہان میں یہاں بھی، اور وہاں بھی رحمت ہیں۔ اور کافروں کے لئے صرف اسی جہان میں یعنی دنیا میں ہی رحمت ہیں چنانچہ مفسرین کرام لکھتے ہیں:-

هُوَ رَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ فِي الدَّارَيْنِ وَلِلْكَافِرِيْنَ فِي الدُّنْيَا بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ فِيْهَا (مدارک التنزیل ص۲۷ حاشیہ خازن) یعنی حضور مسلمانوں کیلئے دونوں جہان میں رحمت ہیں اور کافروں کے لئے صرف دنیا میں۔ اس لحاظ سے کہ دنیا میں ان سے عذاب ٹل گیا۔

پہلے نبیوں کی تکذیب کرنے سے کافروں پر عذاب نازل ہوتے تھے مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمت ان کافروں پر بھی اس طرح ہوئی کہ یہ لوگ یہاں کے عذاب سے بچ گئے چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے کہ کافروں نے خود دعا کی۔

کفار کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا

یعنی: پ ۱ البقرہ (پ ۹ ع ۱۸) اے اللہ اگر یہی
(قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے
پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لا۔"

دیکھئے کافروں نے خود ہی اللہ سے یہ درخواست کی کہ اے اللہ! اگر قرآن و اسلام سچا ہے اور ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر پتھر برسا۔ یا کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ مگر حضور کی رحمت ان کافروں کے بھی آڑے آگئی اور اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ

خدا کا جواب

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (پ ۹ ع ۱۸)
اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک
اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔"

دیکھا آپ نے۔ کافروں نے خود عذاب کی درخواست کی۔ مگر اللہ فرماتا ہے۔ کہ میں ان کافروں پر بھی عذاب نازل نہ کروں گا۔ اس لئے کہ رحمۃ للعلمین ان میں تشریف فرما ہیں۔

تو میرے بھائیو! ہمارے حضور کی رحمت اس دنیا میں ہر نیک و بد، مومن و کافر کے لئے عام ہے۔ آپ مسلمانوں کے لئے تو رحمت ہیں ہی! آپ کافروں کے لئے بھی رحمت ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو۔ جبکہ حضور کی رحمت ہمہ گیر رحمت ہے۔ بارش جب ہوتی ہے تو اچھے برے ہر مقام کو سیراب کرتی ہے۔ ہمارے رؤف و رحیم آقا کی رحمتوں سے اس دنیا میں سبھی مستفید ہوئے اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے ؎

نجدی اس نے تجھ کو مہلت دی کہ اس عالم میں ہے
کافر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی

نوح علیہ السلام

اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ سنیئے آپ کی عمر تبلیغ ساڑھے نو سو سال تھی۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے،

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ
اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا (پ ۲۰ ع ۱۴)....
بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ تو
وہ ان میں پچاس سال کم ہزار برس رہا۔"

دیکھا آپ نے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر تبلیغ کتنی طویل تھی اور یہ عرصہ یعنی ساڑھے نو سو سال کا آپ کی تبلیغ فرمانے کا زمانہ تھا۔ ویسے آپ کی عمر شریف اس سے بھی زیادہ تھی۔ مگر میرے بھائیو! یہ دنیا کیا ہے۔ ہزاروں سال جیو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جب ملک الموت حاضر ہوا۔ اور دریافت کیا

دنیا کی زندگی

کہ حضور اس قدر طویل عمر پانے کے بعد اب آپ کو تشریف لے چلنے کا وقت آگیا ہے۔ ذرا فرمائیے تو اتنے طویل عرصہ زندگی کو آپ نے کیسا محسوس کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا "بس یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے ایک گھر ہو۔ جس کے دو دروازے ہوں اور میں ایک دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اور اب دوسرے دروازے سے نکل رہا ہوں" یہ جواب حضرت نوح علیہ السلام کا ہم جیسوں کو سمجھانے کے لئے خوب ہے۔ واقعی عمر کا جو حصہ گذر چکا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔ اور اسی طرح جو عمر کا باقی حصہ ہے وہ بھی نہ رہے گا۔ ہاں ایمان و اسلام ایک ایسی چیز ہے۔ جو ہمیشہ ساتھ رہے گی۔

میرے بھائیو! پھر ایسی ناپائیدار دنیا سے دل لگانا اور اپنی عاقبت کی فکر نہ کرنا کس قدر حماقت ہے؛ مگر افسوس آج عاقبت کی فکر نہیں۔ اور محبت دنیا میں اس قدر فنا ہیں کہ انجام کا کچھ احساس ہی نہیں۔ میرے بھائیو! یہ دنیا یعنی غفلت و نا عاقبت اندیشی کی دنیا بظاہر بڑی دلربا ہے اپنی زیب و زینت اور نمائش سے لبھاتی ہے مگر پھر شکار کو پھر زندہ نہیں چھوڑتی۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش
اس مردار پہ کیا للچایا دنیا دیکھی بھالی ہے

یعنی دنیا کی نمائش شہد ہے مگر یہ چکھنے کے بعد زہر کا پیالہ پلا دیتی ہے یہ حقیقت جاننے والا اس سے چوکنا رہتا ہے۔ مگر جو غافل ہے وہ غفلت میں گرا پڑا سب کچھ لٹا دیتا ہے۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں

سونا جنگل، سونا پاس ہے، سونا زہر ہے، اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے، تیری مت ہی نرالی ہے

یعنی دیکھ اے غافل! یہ جنگل ہے اور جنگل بھی کیسا بھیانک ہے اور سونا جنگل، وہ بھی سو

جنگل ہیں تیرے پاس سونا (یعنی ایمان) ہے۔ اب اس سونے جنگل میں جہاں ہر قسم کا خطرہ ہے۔ اور تیرے پاس قیمتی سونا ہے۔ تیرا سو جانا انتہائی حماقت ہے۔ یہاں جاگنا اور بیدار رہنا درکار ہے۔

بس اے بھائی اس دنیا میں بیدار رہو۔ یعنے یادِ حق میں رہو خدا کو بھول جانا یہ سو جانا ہے اور یہی دنیا ہے۔ اور یاد رکھو جو غریب آدمی بھی یادِ حق سے غافل ہے وہ سویا ہوا اور دنیا دار ہے اور جو کروڑ پتی بھی یادِ حق سے غافل نہیں بلکہ احکام شریعت کا پابند ہے۔ وہ بیدار ہے اور دیندار ہے۔ دنیا دار نہیں دنیا نام ہے خدا کو بھول جانے کا سه

چیست دنیا از خدا غافل بُدن!

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم اچھا نہ کھاؤ، اچھا نہ پہنو۔ روپیہ پیسہ نہ کماؤ۔ موٹروں میں نہ پھرو نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ سه

اڑاؤ عیش کرو عشرتیں بہت پھولو!

اڑو جہاز میں موٹر کی گود میں جھولو!

اڑو بلندی پہ اتنا فلک کو بھی چھو لو

خدا کے واسطے لیکن خدا کو مت بھولو!

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر شریف عرصہ تبلیغ کی ساڑھے نو سو سال تھی۔ دیکھا آپ نے پہلے لوگوں کی عمریں کتنی طویل ہوتی تھیں اور آج ہماری

ہماری عمریں عمریں؟ تیس سال فی کس۔ ہماری عمروں کی اوسط رہ گئی ہے۔ گویا آج سے کچھ عرصہ قبل اگر ایک آدمی سو سال کی عمر پاتا تھا تو اس نئی تہذیب کے دور میں سو سال میں تین جنٹلمین بھگتے ہیں اور یہ تھوڑی عمر کچھ ایسی عام ہو گئی ہے۔ کہ اپنی عمر کو خواہ مخواہ کم بتانا ایک فیشن ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے تجربہ کیا ہوگا کہ ستر سالہ بڈھے سے بھی عمر کا پوچھا جائے تو وہ جواب اس طرح دے گا کہ میری تو ابھی عمر ہی کیا ہے یہی کوئی تیس پینتیس سال۔ یہ تو غم نے بال سفید کر دیئے ہیں۔ اسی طرح ایک لطیفہ بھی

لطیفہ مشہور ہے کہ ایک ستر سالہ بوڑھا اپنے پچیس سالہ دوست سے کہہ رہا تھا۔ کہ میری عمر زیادہ سے زیادہ چالیس کی ہوگی۔ اس کے پچاس سالہ دوست

نے کہا ۔ اور میں زیادہ سے زیادہ پچیس سال کا ہوں گا ۔ پاس ہی چارپائی کے اوپر ایک نوجوان مسخرہ بیٹھا تھا ۔ جو واقعی پچیس سال کا تھا وہ ان دونوں کی یہ باتیں غور سے سُن رہا تھا ۔ جب وہ اپنی اپنی عمر بیان کر چکے تو یہ نوجوان چارپائی پر سے خود بخود ہی نیچے گر گیا ۔ اُن بڑھوں نے کہا ۔ ارے تو کیوں گرا ؟ تو وہ بولا جناب میری پیدائش آج رات ہی کو ہوئی ہے ؛

ہاں تو یہ عمروں میں کمی ساری برکت ہے اس نئی تہذیب کی پہلے لوگوں کے عقائد خالص ، خوراک خالص ، گفتار خالص ۔ کردار خالص اور اب سب کچھ مخالص اور مخالص بھی مخالص مخالص شاید اسی لئے ہمارے پنجاب میں عوام دہقانیوں کا طبقہ خالص کو کہتا ہی مخالص ہے ۔ یعنے مثلاً انہیں گھی لینا ہو اور وہ کان دار سے یہ کہنا چاہتے ہوں کہ بھئی خالص گھی دینا ۔ تو یوں کہیں گے ۔" بھئی مخالص گھی دینا " گویا خالص کی جگہ مخالص نے لے لی ۔ اسی طرح یہ لوگ فضول کو "بے فضول" کہنے کے عادی ہیں ۔ اور اسی طرح اب چونکہ انقلاب کا زمانہ ہے ۔ ہر چیز میں آپ انقلاب دیکھیں گے ۔

انقلاب وہ تو بھلا عام دہقانیوں کی بات تھی اس روشن دماغ اَپ ٹو ڈیٹ طبقہ نے بھلا کیا کیا گل نہیں کھلائے ؛ وہ عورت جو کبھی عورت تھی ۔ آجکل مرد بنی پھر رہی ہے اور وہ مرد جو کبھی مرد تھا آج عورت بن بن کر پھر رہا ہے ۔ میں نے اپنی "آجکل" کی ایک نظم میں لکھا ہے ؎

نئی تہذیب کا نقشہ عیاں ہے — میاں بیوی ہے اور بیوی میاں ہے
برابر مرد کے عورت کو سمجھیں — زمیں کو کہہ رہے ہیں آسماں ہے

اور پھر اسی انقلاب ہی کا کرشمہ ہے ؎

شباب آورد ہے سرخی اور پوڈر — کہ ستر سال کی بڑھیا جواں ہے

وہ شرم و غیرت جو پہلے مسلمان کی ایک متاعِ عزیز تھی اور جس کے اپنانے والے کو فرض شناس حق شناس اور مومن کہتے تھے ۔ آج وہ قیمتی شے ایک بیکار چیز ہو کر رہ گئی ہے ۔ اور اب شرم و غیرت دکھانے والے آدمی کو وحشی ، جنگلی اور رجعت پسند کہتے ہیں ۔ پہلے سب سے بڑے عالم دین کو مُلّا کہا جاتا تھا ۔ اور پھر مُلّا کا سب سے زیادہ احترام کیا جاتا ۔ جیسے حضرت مُلّا جیون جو حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے ۔ مُلّا جامی اور مُلّا عبد الحکیم سیالکوٹی

(رحمۃ اللہ علیہم) اور آج یہ لفظ بڑی حقارت کے موقعہ پر استعمال کیا جاتا ہے۔

مسٹر اور مُلّا

حضرات! اس عظیم الشان لفظ کو تحقیر سے بولنے والے اور ملّا کو حقیر سمجھنے والے اپنے آپ کو "مسٹر" کہلا کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا انقلاب ہے کہ آج ایک مسلمان "ملّا" یا "حافظ" کہلانا پسند نہیں کرتا اور مسٹر کہلانا پسند کرتا ہے۔ مولوی و ملّا کی شکل و صورت پر جو اسلامی ہے۔ مذاق اڑاتا ہے اور ایڈن و چرچیل اور سٹالن کی شکل و صورت کو جو کافروں کی ہے۔ اپناتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے دیکھ کر ہر کوئی........ اُسے انگریز سمجھے اور اُسے سب "صاحب بہادر" کہیں۔ اور اسی شوق میں وہ اپنی صورت کے علاوہ اپنی آواز کا لہجہ بھی اسی انگریزی سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے آتا کو آتا، جاتا کو جاٹا اور کلکتہ کو "کال کاٹا" کہہ کر گویا ثابت کرے گا کہ ہم بھی میڈ اِن انگلینڈ ہیں۔ ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے ؎

طاق دل میں چراغ انگریزی		سر کے اندر دماغ انگریزی
چال انگریزی ڈھال انگریزی		جسم کا بال بال انگریزی
جسم ہندی حسان انگریزی		منہ کے اندر زبان انگریزی

چھل رہا ہے گلا تو چھل جاتے!
لہجہ صاحب سے اپنا مل جائے

لطیفہ

کہتے ہیں ایک اسی قسم کے صاحب بہادر تالاب پر بیٹھے بیٹھے مچھلی کا شکار کھیل رہے تھے اور اٹھ کر کانٹے کو درست جو کرنے لگے تو پتلون کے دھکے سے تالاب میں جا پڑے۔ اب پتلون میں کسے ہوئے تو تھے اور پتلون ہیں کسا ہوا آدمی؟ اس کا یہ عالم ہوتا ہے جو ایک شاعر نے لکھا ہے کہ ؎

مجھ کو ذوق سے ہے اور واعظ کو شوق چائے ہے
اپنا اپنا شغل ہے اور اپنی اپنی رائے ہے
نقش پائے یار کو چوموں تو چوموں کس طرح
ہو برا پتلون کا مجھ سے نہ بیٹھا جائے ہے

اب وہ صاحب بہادر مع پتلون کے تالاب میں جو گرے تو پاؤں داؤں مار نہ سکے۔ اور لگے ڈوبنے۔ اتفاقاً ایک دیہاتی کا اس طرف سے گذر ہوا اس نے صاحب بہادر کو

ڈوبتے دیکھا تو ازراہِ ہمدردی تالاب میں کود کر صاحب بہادر کو بڑی مشکل سے باہر نکالا۔ جب دونوں باہر جو نکلے تو دہقانی سے کہا "پھینک دو"۔ دہقانی نے صاحب بہادر کو پکڑ کر پھر تالاب میں پھینک دیا۔ صاحب چلایا کہ ارے یہ کیا؟ تو یہ دہقانی بولا۔ صاحب! تم نے ہی تو کہا ہے کہ "پھینک دو"

اب غور کیجئے کہ اس دہقانی سے بھلا انگریزی بولنے کی کیا ضرورت تھی اس بے موقع انگریزیت نے غوطے کھلا دیئے۔ باوجود اس کے میں یہ کہتا ہوں کہ بیچارہ مسٹر بے نیشن کی مد میں ہو گیا ہے۔ ورنہ دل اس کا بھی معترف ہے لیکن اسی مد میں [illegible] آتا ہے۔ اور یہ جانتا ہے کہ وہ ان کفار کی اندھی تقلید میں اپنی صورت تک بگاڑ بیٹھا ہے میرے بزرگو! یہ بات میں یونہی نہیں کہہ رہا۔ دیکھئے ہم ملّا ہیں۔ ملّا رہیں گے۔ اور ملّا

ہم ملّا ہیں

ہی مریں گے۔ اور ہماری خدا سے دلی دعا ہے کہ وہ ہمیں ملّا ہی اٹھائے اور ملا جیون۔ ملا جامی۔ ملا عبدالحکیم جیسے مقبولوں کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔ اب ذرا مسٹر سے بھی پوچھئے۔ کہ کیا تمہارے لئے بھی ایسی دعا کی جائے کہ تم مسٹر ہو۔ مسٹر بن کے جیو اور مسٹر ہی ہو کر مرو۔ اور خدا تمہیں مسٹر ہی اٹھائے اور مسٹر چرچل مسٹر سٹالن اور مسٹر ڈارون جیسے مردودوں کے ساتھ تمہارا حشر ہو تو میرا یقین ہے کہ مسٹر ایسی دعا پر کبھی راضی نہ ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ دل اس کا بھی معترف ہے کہ یہ انبیاء کی سیرت صورت اپنانا ہے۔ یہی قیامت میں کام آنے والی ہے اور جن لوگوں کی شکل و صورت پر یہ مذاق اڑا رہا ہے۔ دراصل یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور یہی شکل و صورت کل کام آئے گی۔ تو پھر اے مسٹران کرام! جس چیز کو تمہارا ضمیر اچھا جانتا ہے۔ محض نکمے فیشن کے لئے اسے برا کہہ کر اپنی عاقبت کیوں خراب کرتے ہو۔ اور جس شکل و صورت کے ساتھ اور جن غیر مسلموں کے ساتھ تم کل اٹھنا نہیں چاہتے۔ آج بھی ان کی رفاقت کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟

دعائے نوح علیہ السلام

ہاں تو میں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر شریف کا ذکر کر رہا تھا کہ آپ کی عمر تبلیغ ساڑھے نو سو سال تھی۔ آپ نے اپنی عمر شریف میں دن رات اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی۔ مگر قوم ایمان نہ لائی۔ بلکہ اور بھی مغرور و مغرور ہوئی۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے رب سے عرض

کی:۔

رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا (پ ۲۹ ع ۹)

یعنے اے رب میں نے اپنی قوم کو دن رات تیری طرف بلایا۔ مگر میرے بلانے سے وہ اور بھی دور ہی بھاگی۔"

حضرت نوح علیہ السلام نے آخران بے دینوں کے خلاف یہ دعا فرمادی کہ:۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (پ ع) اے رب! ان کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ!"

یعنے ان کا بیڑا غرق کر! اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی۔ طوفان نوح آیا اور سب غرق ہو گئے۔

دعائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

اب آیئے! ذرا رحمت للعلمین صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا نظارہ دیکھئے۔ میدان احد میں ایک طرف کفار ہیں اور ایک طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم معہ اپنے جانثاروں کے رضی اللہ عنہم۔ کافروں کی شرارتوں کا یہ عالم ہے کہ ؎

بھرے تھے جھولیوں میں ان کی پتھر سنگباری کو
نشانہ دور سے کرنے لگے محبوب باری کو

(اور اس سنگباری سے حضور کے دندان مبارک کو تکلیف پہنچتی ہے۔ رُخ انور سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام بے چین ہو جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ "اُدْعُ عَلَى الْمُشْرِكِیْنَ"۔ حضور ان مشرکوں کے لئے دعا فرمایئے۔ یارسول اللہ! حضرت نوح علیہ السلام نے بھی تو دشمنوں کے خلاف دعا فرما کر کافروں کا بیڑا غرق کر دیا تھا آپ بھی ان کے خلاف دعا فرمایئے۔ حضور نے فرمایا۔ لو میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو۔ دوستو! ذرا دیکھنا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ہاتھ اٹھے تو انہوں نے یہ دعا فرمائی کہ اے رب ان کافروں کو مت چھوڑ۔ اور آج رحمت عالم کے ہاتھ اٹھے تو یہ دعا ہوتی ہے ؎

کہ اے پروردگار آمرزگار ان کو معافی دے

نہ کران کی خطاؤں کا شمار ان کو معافی دے

صحابہ نے عرض کی ۔ حضور یہ تو ان کی معافی کی دعا مانگ لی آپ نے ان کی ہلاکت کی دعا فرمایئے تو یہ سنکر رحمۃ للعلمین نے ہنس کے فرمایا

کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بنکر نہیں آیا

مشکوٰۃ شریف صلاا میں اس موقعہ پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد درج ہے ۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَّ اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَۃً

میں لعنت بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا میں

تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔

اور مسلم شریف میں ہے کہ آپ چہرۂ انور سے خون مبارک پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے

رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (مسلم شریف

صلا ج ۲) اے رب ! میری قوم کو بخش دے ۔ یہ

لوگ جانتے نہیں ہیں :

سلام | مسلمانو ! ذرا پڑھو تو میرے ساتھ مل کر :۔

سلام اس پر کہ گھر والے بھی جسکو تنگ کرتے تھے

سلام اس پر وطن والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے

سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو بھی قبائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سنکر دعائیں دیں

سلام اس پہ جو دشمن پر بھی رحم و فضل فرمائے

سلام اس پر کہ جس نے رحمتوں کے پھول برسائے

ہر چیز کے لئے رحمت | میرے بزرگو ! دیکھی آپ نے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہر دوست دشمن کے لئے کس قدر رحمت ہیں ! اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ رحمۃ للعلمین ہیں اور "عٰلمین" میں جو چیز بھی ہے وہ حضور کی رحمت سے مستفید ہے ۔ حضور کے وجود باوجود سے عالم کا ذرہ ذرہ فیضیاب ہوا ۔ وہ قومیں ، جو حضور سے قبل دنیا میں تھیں ۔ وہ سب باقی رہیں ۔ حضور کے تشریف لانے سے

قبل تمام روئے زمین پر قحط سالی مسلط تھی۔ درخت خشک زمینیں بنجر - اور جانور لاغر ہو رہے تھے۔ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی تو قریش جو قحط کی شدت میں تھے آپ کی برکت سے نہال ہو گئے۔ زمین پر سبزہ کی بہار ہوئی ہر جانب سے خیر و برکت نمودار ہوئی۔ درختوں میں پھل آیا۔ تمام جہان میں ارزانی ہوئی بھیڑ بکریوں۔ گائے بھینسوں میں طاقت آئی۔ ان کا دودھ حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ عرب والوں نے اس سال کا نام ہی سنة الفتح والابتہاج رکھا ؎

عجب خیر و برکت کا آیا یہ سال! ہوا جس کے آنے سے عالم نہال
تھے اہل عرب قحط سالی سے تنگ اڑا شدتِ غم سے چہرے کا رنگ
نزول ان پہ اب حق کی رحمت ہوئی عیاں ہر طرف خیر و برکت ہوئی!
چھٹے قحط کی سختیوں سے قریش لگے ہونے ہر گھر میں سامانِ عیش
پھلے باغ اور خشک سالی گئی! کدورت دلوں سے نکالی گئی
زمیں پر تمام آیا سبزہ نکل درختوں میں خوب آیا کثرت سے پھل

گئے باغِ جنت کے دروازے کھل
معطر ہوئے ارض و افلاک کل

دافع البلاء میرے بزرگو! یہ جو دنیا کی ساری زحمتیں دور ہو گئیں، اسی رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اور خوب یاد رکھیے اگر رحمت کا کام ہی یہ ہے کہ وہ زحمت کو دور کر دے اور اگر مصیبت و مشکل کے وقت حضور کام نہ آئیں جیسا کہ گستاخوں [illegible] ہے۔ تو پھر وہ رحمت ہی کب ہوتے! لہذا مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے لئے رحمت یعنی دافع البلاء بن کر تشریف لائے ہیں۔ آپ رنج و مصیبت کو دور فرماتے اور اپنی رحمت سے مسرور فرماتے ہیں اور یہ میں ہی نہیں کہتا۔ خود خداوند کریم کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ
الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ
وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ

عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ
وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (پ ۹ ع ۹)

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں
دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توراۃ
اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے
منع فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔ اور
ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے
اتارے گا۔"

دیکھئے! اس آیت میں صاف صاف ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ رسول کریم نبی عظیم صلے اللہ علیہ وسلم جس کا ذکر توریت اور انجیل میں بھی ہے۔ آمر بھی ہے۔ ناہی بھی ہے شارع بھی ہے اور تکلیفوں کے بوجھ بھی اتارتا ہے اور مصیبتوں کے پھندے بھی کاٹتا ہے — گویا دافع البلاء ہے۔ تو فرمائیے قرآن سے حضور کا دافع البلاء ہونا ثابت ہوا یا نہیں، پھر جو حضور کو دافع البلاء کہنا شرک کہتے ہیں۔ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ جھوٹ کہتے ہیں یا نہیں ہمارا تو قرآن کے ارشاد وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ کے مطابق ایمان ہے کہ

شافع امت نافع خلقت | انعم رب بڑھاتے یہ ہیں
دافع یعنی حافظ و حامی | دفع بلا فرماتے یہ ہیں
فیض جلیل خلیل سے پوچھو | آگ میں باغ کھلاتے یہ ہیں

آمر و ناہی اور شارع

میرے بزرگو! یہ جو آیت ابھی ابھی آپ نے سنی۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم آمر و ناہی — اور شارع بھی ہیں۔ یعنی آپ پاک چیزوں کو ہمارے لیئے حلال فرماتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام فرماتے ہیں۔ گویا آپ ہی کی زبان حق ترجمان ہمارے لئے شریعت ہے۔ آپ جو فرما دیں وہی ہو جاتا ہے امت کے لئے شریعت بن جاتا ہے۔

حج

چنانچہ سنیے اس حقیقت کو ایک حدیث میں بھی ملاحظہ فرمائیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا اور فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَیْکُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَکُلَّ عَامٍ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَسَکَتَ حَتّٰی قَالَھَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ (مشکوٰۃ شریف ص۲۲۱) اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا حج کیا کرو۔ ایک شخص نے پوچھا کیا ہر سال یا رسول اللہ! حضور خاموش رہے اس شخص نے تین بار یہی سوال کیا تو حضور نے فرمایا۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے؛

حضرات! اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے اگر ہاں نکل جاتی تو ہم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ گویا آپ کا ارشاد ہی امت کے لئے شریعت ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ جبکہ اس زبان سے نکلتی ہی وہ بات ہے جو اللہ کی مرضی کی ہو۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ (پ۲۷ ع ۵) اور وہ کوئی بات ہی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے

معلوم ہوا کہ حضور جس بات سے روک دیں۔ اس بات پر اللہ بھی راضی نہیں۔ اور جس کام کا حضور ارشاد فرمائیں خدا بھی اسی کام پر خوش ہے ؎

جناب مصطفےٰ ہوں جس سے ناخوش
نہیں ممکن کہ ہو اس سے خدا خوش
پسندِ حق تعالیٰ تیری ہر بات!
ترے انداز خوش، تیری ادا خوش

میرے بزرگو! اور دوستو!! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا آمر و ناہی اور شارع ہونا ایک واقعہ اور حقیقت ہے مگر اس دور الحاد میں ایک کافرانہ عقیدہ یہ بھی پھیلایا جارہا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) شارع نہیں ہیں۔ آپ کے ارشادے

کوئی مستحکم ثابت نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہے۔ قرآن میں ہے اور حدیث کوئی شے نہیں (معاذ اللہ) چنانچہ یہ عقیدہ آجکل کے ملحدین قرآن کا لبادہ اوڑھ کر انکارِ حدیث کے سلسلہ میں پھیلا رہے ہیں اور صاف لکھ رہے ہیں کہ حدیث ایک سحر ہے اور اس کو آگے ماننا ایک عیب ہے اور ہمارا جھگڑا ملا سے اسی بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے کیوں لاتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کا ایک منکرِ حدیث لکھتا ہے:۔

"آج ساری ملت اسلامیہ حدیث کی اس ساحری
میں گرفتار ہو چکی ہے" (طلوعی کتابچہ دو اسلام ص۲۶)
"ملا سے میرا نزاع اسی بات پر ہے کہ وہ حدیث کو
آگے لا کر بے شمار ظواہر کو جزوِ اسلام بنانا چاہتا ہے"
(ص۱۱۴)

دیکھا آپ نے! یہ یورپ زدہ طبقہ۔ حیوانوں کی طرح کھڑے ہو کر موتنے والا گروہ حدیثِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیسے ناپاک خیالات رکھتا ہے۔ ان لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ حدیثِ رسول کو بے حرف کرکے قرآن میں اپنی من مانی کارروائیاں کی جائیں اور حلال حرام کا تمیز اڑا کر گویا اس شعر کے مطابق عیش اڑائیں کہ ؎

کہاں کا حلال اور کہاں کا حرام
جو صاحب کھلائے وہ چٹ کیجئے

اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا گویا ترانہ یہ ہے کہ ؎

منظور ہے کہ سیم تنوں کا وصال ہو!
مذہب وہ چاہیئے کہ زنا بھی حلال ہو

چنانچہ دیکھ لیجئے کہ قرآن پاک میں حلال و حرام کی فہرست بہت مختصر ہے۔ اس کی تفصیل تو بارشاد قرآن یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔ حضور ہی کی زبان پاک سے معلوم ہوئی اور وہ ساری تفصیل احادیث شریفہ میں ہے اور ان لوگوں نے احادیث کا انکار کرکے گویا اپنے لئے کھانے پینے میں آزادی حاصل کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اسی لئے انہوں نے لکھ دیا ہے کہ قرآن میں مردار، خون، سور کا گوشت اور بوقتِ ذبح غیر خدا کے نام سے پکارا ہوا جانور صرف یہ چار چیزیں حرام بیان کی گئی ہیں۔ الخ

"ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں۔ خدا کہتا ہے ہم نے صرف
چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ملا کی شریعت حرام و
حلال کی ایسی ایسی لمبی لمبی فہرستیں پیش کرتی ہے کہ
عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔"

(طلوع اسلام ماہ جون ۵۲ء)

کچھ سمجھے آپ "ملا کی شریعت" کی آڑ میں 'حدیث رسول' پر وار ہو رہا ہے ۔۔۔ کیونکہ ان چار چیزوں کے علاوہ دوسری ناپاک چیزیں اللہ کے رسول نے حدیث میں حرام قرار دی ہیں۔ اور ملا انہیں کو پیش کرتا ہے۔ مگر چونکہ حدیث رسول پر ایمان نہیں رہا۔ اس لئے ان چار چیزوں کے سوا ان کے لئے سب کچھ حلال ہے۔ گویا کتا۔ بلی۔ بندر۔ گدھا۔ سانپ بچھو۔ گوہ موت۔ پیپ وغیرہ اور جملہ خبیث درندے۔ پرندے اور گندی چیزیں سب کچھ ان کے لئے حلال، طیب طاہر اور شیر مادر ہیں۔ پھر آگے لکھتے ہیں :-

اللہ نے جو چیزیں حرام قرار نہیں دی ہیں۔ ان میں سے
طبیعت کی رغبت اور پسند کے مطابق کھانی چاہئیں۔"

(رسالہ مذکور)

گویا کسی منکر حدیث رسول کی طبیعت کتا کھانے پر چاہے تو بے شک کھائے۔ اور دوسرے کی رغبت اگر گوہ تناول فرمانے پر ہو تو بے شک تناول فرمائے اس صورت میں منکرین حدیث کا قومی ترانہ یہ موزوں رہے گا کہ ؎

اے پیٹ تیرے واسطے ہم کیا سے کیا بنے
منکر حدیث کے ہوئے اور بے وفا بنے
ملا کی بات چھوڑ طبیعت کا دیکھ رخ
گوہ موت اور کتا و بندر غذا بنے

قدرت کا انتقام میرے بھائیو! اگر غور کیا جائے تو حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے منہ کو اس دنیا میں بھی یہ سزا ملی ہے۔ کہ

اے گستاخ منہ اچھے سے جب یہ ناپاک کلمے نکلے ہیں تو لے یہ ناپاک چیزیں کھا!

تقویۃ الایمان حضرات! یہ تو ذکر تھا منکرین حدیث چکڑالویوں کا مگر آپ یہ

بالکل سفید آنکھوں میں نور پیدا کر دیا

حضرت حبیب بن فدیک رضی اللہ عنہ کے والد اسّی سال کے تھے اور بالکل نابینا ہو گئے تھے حدیث میں آتا ہے:-

اِنَّ اَبَاہُ خَرَجَ بِہٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ایک دن حبیب بن فدیک کے والد اپنے بیٹے کے ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی نابینا آنکھیں پیش کیں۔ حضور نے دریافت فرمایا: کہ انہیں کیا ہوا۔ انہوں نے عرض کیا حضور! آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں۔ مگر ایک دن ایک سانپ کے انڈے پر میرا پاؤں جا پڑا۔ تو اسی وقت دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں۔

نَفَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عَیْنَیْہِ فَاَبْصَرَ وَھُوَ یُدْخِلُ الْخَیْطَ فِی الْاِبْرَۃِ (حجۃ اللہ علی العالمین ص۲۴۰) حضور نے ان کی آنکھوں میں اپنا تھوک مبارک ڈالا۔ تو وہ فوراً دیکھنے لگے اور نظر اس قدر تیز ہو گئی کہ سوئی میں دھاگا ڈال لیتے تھے"۔

دیکھا مسلمانو۔ صحابہ کرام مصیبت کے وقت حضور کے پاس ہی پہنچتے تھے اور وہیں سے رحمت پاتے تھے اور پھر یہ بھی دیکھو کہ حضور بھی یہ نہیں فرماتے کہ میرے پاس کیا لینے آتے ہو جو کچھ لینا ہے خدا سے لو۔ نہیں نہیں۔ صحابہ کا تو ایمان ہی یہ تھا اور حضور کی بھی تعلیم یہی تھی کہ

بخدا خدا کا یہی ہے گھر نہیں اور کوئی مفر مقر!
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

زخموں کو اچھا کر دیا

اور سنیئے! حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ کو ایک جنگ میں سر اور ٹانگوں میں تلوار کے بڑے بڑے زخم آ گئے۔ حدیث کے لفظ ہیں۔

فَاحْتَمَلُوْہُ فَجَاؤُا بِہٖ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ صحابہ کرام اسے اٹھا کر حضور کے پاس لے آئے"۔

دیکھیے! اس مصیبت میں صحابہ کرام کہاں پہنچے۔ حدیث میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ پھر کیا ہوا۔ سنیئے!

نَتَفَلَ فِیْ جُرْحِہٖ فَکَمَا بَرَأَ۔ حضور نے اُس کے زخموں پر تھوک مبارک لگا۔ تو وہ اچھے ہو گئے

(کتاب مذکور ص۲۲۳)

ٹوٹی ہوئی ٹانگ درست کردی

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے کوٹھے پر سے گرجانے کے سبب ٹانگ ٹوٹ گئی۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

فَحَدَّثْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ تو میں نے اپنی یہ تکلیف حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کی۔"

دیکھ لیجئے تکلیف کا بیان ازالہ تکلیف کے لئے کس کے سامنے کیا؟ حضور کے سامنے پھر کیا ہوا؟

فَقَالَ اُبْسُطْ رِجْلَکَ فَبَسَطْتُھَا فَمَسَحَھَا فَکَاَنَّمَا لَمْ اَشْتَکِھَا قَطُّ۔ (کتاب مذکور ص۲۵۹) حضور نے فرمایا ٹانگ پھیلاؤ۔ میں نے پھیلائی۔ تو حضور نے اپنا دستِ رحمت اس پر پھیرا، تو میری ٹانگ اس طرح ٹھیک ہو گئی جیسے کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔"

مسلمانو! اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام مصیبت کے وقت حضور کے پاس پہنچتے تھے۔ آخر کیوں؟ صرف اس لئے کہ یہی بارگاہِ رحمت ہے۔ زخموں کا ازالہ اسی در رحمت سے ہو سکتا ہے۔ اسی لئے صاحب قصیدہ بردہ شریف نے بھی لکھا ہے کہ ؎

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِہٖ
سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

یعنے اے بہترین خلائق صلے اللہ علیہ وسلم میں مصیبتوں کے وقت آپ کے سوا اور کس کی پناہ میں جاؤں یعنے حال صاحب کی تو بات یہ نہ دینا لگ آپ ہی کی ذات ہے۔

کی دعا سے بارگاہِ شریف سے اذن تشریف کے بعد۔

امام موصوف فرماتے ہیں :-

ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ فَلَمْ أَجِدْ وَاللهِ شَيْئًا مِمَّا كُنْتُ أَجِدُهُ وَحَصَلَ الشِّفَاءُ بِبَرَكَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

پھر میں جاگا۔ تو اللہ کی قسم مجھے جو بیماری تھی وہ بالکل نہ رہی اور حضور کی برکت سے مجھے شفا ہو گئی۔

(مواہب لدنیہ ص۳۹۲ ج۲)

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کو مرض فالج سے شفا دی

میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو! یہ ۱۹۲۱ء کی بات ہے اور ایک دنیا جانتی ہے کہ والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر مرض فالج کا حملہ ہوا اور آپ سخت بیمار ہو گئے۔ ان دنوں سیالکوٹ چھاؤنی میں ایک بنگالی ڈاکٹر تھا۔ جو بڑا قابل تھا۔ اسے لایا گیا۔ اس نے حالت دیکھ کر مایوسی کا اظہار کیا اور بتایا کہ فالج بہت خطرناک ہوتا ہے۔ تاہم علاج کرتا ہوں۔ اس نے علاج شروع کیا بڑی دلچسپی کے ساتھ۔ حضرت والد ماجد کی حالت یہ تھی کہ دونوں ٹانگیں بالکل بے حس ہو چکی تھیں۔ کھڑے ہونا تو درکنار، بیٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ ہم سب بہت پریشان تھے۔ کہ والد ماجد علیہ الرحمۃ کا عشقِ رسول رنگ لایا اور ایک عجیب کرشمہ کا ظہور ہوا۔ جسے اس بنگالی ڈاکٹر نے، کوٹلی والوں نے، ہندو اور مسلمانوں نے سیالکوٹ کے کئی باشندوں نے اپنے اور بیگانوں نے الغرض سب نے دیکھا اور میں نے اخبار الفقیہ امرتسر مورخہ ۱۹۲۱ء میں یہ سارا واقعہ شائع کر دیا۔

حضرات! بات یہ ہوئی کہ ایک رات جبکہ والد ماجد سو رہے تھے اور میں پاس بیٹھا پنکھا ہلا رہا تھا۔ اچانک سوتے میں حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے میں حیران رہ گیا کہ یہ کیا بات ہے۔ اسی وقت والد ماجد بیدار ہوئے اور مجھ سے پوچھا کہ تم نے کچھ دیکھا؟ میں نے عرض کی کہ آپ سوتے ہوئے رو رہے تھے۔ پھر رو کر فرمایا کہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے اور اپنے دستِ رحمت سے میری بند آنکھوں کو کھول کر فرمایا کہ آنکھیں کھولو۔ اب ہم ایک دوسرے مریض کی جانب جا رہے ہیں۔

والد ماجد نے پھر فرمایا کہ حضور میری آنکھیں کھول کر مجھے اچھا فرما گئے ہیں ۔ مجھے اٹھاؤ میں اب اچھا ہوں ۔ چنانچہ اسی وقت ہم نے انہیں کھڑا کیا ۔ تو یہ دیکھ کر فرط مسرت سے آنکھیں پرنم ہو گئیں کہ ٹانگوں میں طاقت آ گئی ہے اور بوجھ سہارنے لگی ہیں ۔ ہم نے پھر لٹا دیا اور صبح ہی والد ماجد نے چینائی شروع کر دیا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعجاز رحمت کا قصبہ بھر میں چرچا ہو گیا اور لوگ بڑی خوشیوں کے ساتھ زیارت کو آنے لگے ۔ بنگالی ڈاکٹر بھی یہ واقعہ سنکر حیران رہ گیا ۔ دو ہی دن میں حضرت والد ماجد کو صحت ہو گئی ۔ پھر اس خاص کرم رحمت کی خوشی میں ایک محفل میلاد کا انعقاد کیا گیا ۔ جس میں اکثر علماء کرام و نعت خوانان عظام شریک ہوئے ۔ سیالکوٹ اور مضافات کے اکثر احباب اس محفل میں شریک تھے ۔ کوٹلی کے ہر فرد ۔ زن و مرد نے اس میں شرکت کی ۔ حتیٰ کہ غیر مسلم بھی آئے ۔ علماء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دافع البلاء ہونے پر تقریریں کیں ۔ نعت خوانوں نے اسی موضوع پر نعتیں سنائیں اور سب سے بعد حضرت والد ماجد نے خود روتے ہوئے اس خواب کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم دافع البلاء نہیں ہیں میری حرکت دیکھ کر حضور کے دافع البلاء ہونے پر ایمان لاؤ ۔ یہ واقعہ کوٹلی کا بچہ بچہ جانتا ہے ۔

سچ فرمایا اعلیٰ حضرت نے ؎

ڈوبی ناویں تراتے یہ ہیں	ملتی نہریں جماتے یہ ہیں
ٹوٹی آسیں بندھاتے یہ ہیں	چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں
جلتی جانیں بجھاتے یہ ہیں	روتی آنکھ ہنساتے یہ ہیں
ماتم گھر میں ایک نظر میں	شادی شادی رچاتے یہ ہیں
دکھوں بلائیں کردوں دشمن	کون بچائے بچاتے یہ ہیں

ایک پیاسے قافلے کو سیراب فرما دیا

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمتہ نے مثنوی شریف میں دشت عرب کے ایک پیاسے قافلے کا ذکر فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ ان بے کس لوگوں کی کس طرح حضور رحمت عالم نے بروقت امداد فرمائی ۔ فرماتے ہیں ۔ عرب کے ایک بیابان میں ایک بہت بڑا قافلہ جس میں چھوٹے بڑے سبھی تھے ۔ اور ان کے جانور بھی تھے ۔ پانی نہ ملنے کی وجہ سے زندگی سے مایوس ہو گیا ۔ بھائیو! عرب کا بیابان اور پانی ؟ خطہ عرب میں پانی کی بڑی قلت ہے ۔ قافلے والوں کے پاس پانی

ختم ہو گیا۔ اور وہ زندگی و موت کی کشمکش میں پھنس گئے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

درمیان آں بیاباں ماندہ !
کاروانے مرگ بر خود خواندہ

یعنی وہ قافلہ پیاس کے مارے موت کو دعوت دے رہا تھا۔

اشترانِ شاں را زباں آویختہ!
خلق اندر ریگ ہر سو ریختہ

اور ان کے اونٹوں کی پیاس کے مارے زبانیں لٹک رہی تھیں۔ ہر طرف مخلوق ریت پر پڑی تڑپ رہی تھی۔

ناگہانے آں مغیث ہر دو کون
مصطفےٰ پیدا شدہ از بہر عون

اچانک ان لوگوں کی مدد کے واسطے دونوں جہانوں کے فریادرس اور آقا و مولیٰ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔

مسلمانو! دیکھ لو مولانا رومی علیہ الرحمۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں جہانوں کا فریادرس لکھ رہے ہیں۔ اب اگر کسی کو توحید کا مروڑ اٹھے۔ تو وہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ کو مشرک کہے جائے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی دونوں جہان کے فریادرس ہیں۔ اللہ کی رحمت اگر کام نہ آئے مصائب و آلام کو دور نہ فرمائے۔ تو وہ رحمت ہی کب ہوئی؟ مسلمانو! ہمارے حضور اللہ کی رحمت ہیں۔ اور وہ دو عالم کے لئے فریادرس ہیں۔ یہی حقیقت ہے اسی پر اپنا ایمان رکھو۔

ہاں تو وہ قافلہ جو پیاس کے مارے مر رہا تھا۔ اپنی قسمت پر ناز کرنے لگا۔ جب اس نے دیکھا۔ کہ ہماری مدد کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے ہیں تو اس کی جان میں جان آئی

مصطفےٰ آمد آنجا پس زود تر دوید!
چند یارے سوئے آں کیشاں روید

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ حالت دیکھ کر رحم آگیا اور فرمایا۔ چند آدمی اس ٹیلے کی طرف جائیں۔

کہ سیاہے بر شتر مشک آورد

سوئے میر خود بزودی میروود!

"ٹیلے کے اُس پار ایک سیاہ رنگ کا حبشی غلام اونٹ پر رکھ کر پانی کی ایک مشک لا رہا ہے۔ اور سیدنا آقا کی طرف جا رہا ہے" ؎

آں شتربان سیہ را با شتر
سوئے من آرید با فرمان مر

"فرمایا اس حبشی کو اونٹ سمیت میرے پاس لے آؤ۔ اگر خوشی سے آئے تو بہتر۔ ورنہ پکڑ کر لے آؤ" ؎

چنانچہ چند آدمی ٹیلے کے اس پار گئے تو دیکھا۔ واقعی ایک حبشی غلام پانی کی مشک لئے اونٹ پر سوار جا رہا ہے۔

پس بدو گفتند مے خواند ترا
ایں طرف فخر البشر خیر الوری

انہوں نے اس حبشی سے کہا کہ تجھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں ؎

گفت من نشناسم او را کیست او
گفت او آں ماہ روئے قند خو

حبشی بولا میں نہیں جانتا وہ کون ہیں۔ وہ بولے کہ وہ حضور چاند کے چہرے والے اور میٹھی عادت والے ہیں :- ؎

نوعہا تعریف کردندش کہ ہست
گفت مانا او مگر او ساحر است

الغرض صحابہ نے اُس سے حضور کی طرح طرح کی تعریفیں کیں۔ مگر وہ بولا۔ شاید وہی جادوگر ہے۔ جس کے چرچے ہو رہے ہیں۔ میں تو اس کے پاس نہیں جاؤں گا۔ صحابہ اسے پکڑ کر زبردستی حضور کی خدمت میں لے آئے۔ حضور علیہ السلام نے اُس حبشی کو تسلی دی کہ گھبراؤ مت۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ اور تمہارا پانی بھی بالکل چھینا نہ جائے گا۔ تم ذرا یہ مشک میرے حوالے کرو۔ حبشی سے وہ مشک لے کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست رحمت اُس مشک پر پھیرا اور پھر قافلے والوں سے فرمایا کہ لو سب آ کر پانی پی لو۔ اور اپنی پیاس بجھاؤ۔ خود بھی پیو۔ جانوروں کو بھی پلاؤ اور اپنے سارے برتن بھی بھر لو۔ تاکہ راستے میں کام آئے ؎

حضور کو پکار رہا ہے اور کہہ رہا ہے ۔ یا رسول اللہ!

حضور نے توجہ فرمائی تو ہرنی جال میں پھنسی ہوئی نظر آئی اور وہی پکار رہی تھی حضور نے دریافت فرمایا ۔ تو نے مجھے کیوں پکارا ۔ تو ہرنی بولی ۔

اُدْنُ مِنِّیْ یَا رَسُوْلَ اللہِ ! حضور ذرا میرے پاس تشریف لائیے!

حضور آگے بڑھے اور فرمایا :-

مَا حَاجَتُكِ ۔ تمہاری کیا حاجت ہے ؟

گویا حضور حاجت روا ہیں اور نہ صرف انسانوں ہی کے بلکہ جانوروں کے بھی ۔ ہرنی نے عرض کیا ۔ حضور میرے دو بچے ہیں ۔ میں انہیں دودھ پلانے جا رہی تھی کہ اس جال میں پھنس گئی ۔ حضور! میرے بچے میری راہ دیکھ رہے ہوں گے ۔ آپ رحمت عالم ہیں اور میں بھی مستحق ہوں ۔ مجھ پہ رحم فرمائیے اور تھوڑی دیر کے لئے اپنی ضمانت پر مجھے اس جال سے رہا کرا دیجئے تاکہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلا آؤں ۔ حضور میں دودھ پلا کر پھر واپس آ جاؤں گی ۔ حضور نے فرمایا اچھا جا! اور بچوں کو دودھ پلا اور دیکھ دودھ پلا کر پھر جلدی واپس آ جانا ۔ ہرنی نے عرض کیا ۔ بہت اچھا حضور! اور چلی گئی ۔ حدیث کے لفظ ہیں :-

فَذَهَبَتْ فَاَرْضَعَتْ خِشْفَيْهَا ثُمَّ رَجَعَتْ

ہرنی گئی اور بچوں کو دودھ پلا کر پھر واپس آ گئی ۔

دوستو! جانور جال سے چھوٹ کر پھر اس راہ سے بھی گزرا کرتے ہیں مگر اللہ رے سلطنت مصطفےٰ کہ ہرنی کی یہ تاب نہیں کہ وہ حکم سرکار پا کر واپس نہ آئے وہ ہرنی گئی ۔ اور پھر واپس آ گئی ۔ شکاری نے یہ معجزہ دیکھا تو حیران رہ گیا ۔ حضور نے پھر اس شکاری سے فرمایا اب تم اس ہرنی کو چھوڑ دو ۔ شکاری نے کہا ۔ بہت اچھا اور ہرنی کو چھوڑ دیا ۔

فَخَرَجَتْ تَعْدُوْ وَهِیَ تَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللہِ ۔ ہرنی دوڑتی ہوئی نکل گئی اور یہ کہتی گئی کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ یا رسول اللہ! اللہ کے رسول ہیں ۔

(رحمۃ للعالمین ص۲۶۱)

حاجتیں پیش کرتے اور مرادیں پاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پہ شتران ناشاد گلۂ رنج و عنا کرتے ہیں
آستین رحمت عالم الٹے کمر پاک پہ دامن باندھے
گرنے والوں کو چہ دوزخ سے صاف الگ کھینچ لیا کرتے ہیں

مدرسۂ دیوبند

میرے بزرگو! اس موقعہ پر یہ بات بھی سن لیجئے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ ہرنی، اونٹ اور چڑیاں سب حضور کی بارگاہ رحمت میں حاضر ہوتے اور اپنی اپنی عرضیں پیش کرتے تھے اور حضور ان کی فریاد رسی فرماتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان جانوروں کی زبان بھی جانتے تھے۔ تبھی تو یوں فرمایا۔ کہ اونٹ مجھ سے یہ کہہ رہا ہے اور ہرنی یہ کہہ رہی ہے۔ تو مسلمانو! اب ذرا انصاف سے کہنا۔ کہ جو لوگ اپنے مدرسہ دیوبند اور دیوبندی مولویوں کی عظمت بیان کرنے کے لئے یہ کہنے لگیں کہ حضور کو زبان اردو ہمارے مدرسہ دیوبند اور ہمارے مولویوں کی وجہ سے آگئی۔ وہ پرلے درجے کے گستاخ اور بے وقوف ہیں یا نہیں؟

میرے سنی بھائیو! دیکھ لو عبارت یہ ہے۔

ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا یہ کلام کہاں سے آگئی؟ آپ تو عربی ہیں۔ فرمایا جب سے علمائے مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا۔ ہم کو یہ زبان آگئی۔ (براہین قاطعہ ص۲۶)

دیکھ آپ نے؟ ان دیوبندیوں نے حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو تمام ماکان و ما یکون ہیں۔ اور اولین و آخرین کے علوم کے منبع و مخزن ہیں اور جو حیوانات تک کی زبان کے جاننے والے ہیں۔ انہیں زبان اردو سے ناواقف بتا کر جو اپنے مدرسہ دیوبند اور اپنے دیوبندی مولویوں کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے یہ خواب گھڑ لیا کہ حضور نے (معاذ اللہ) فرمایا کہ مجھے یہ زبان ان دیوبندی مولویوں اور مدرسہ دیوبند کی وجہ سے آگئی ہے

توبہ! توبہ!! سے

قادیانی کی طرح خواب سناتے نجدی
ذات بے عیب کو یہ عیب لگاتے نجدی
جنکو اللہ نے ہر شے کا بنایا عالم!
اپنے مُلّوں سے انہیں اردو پڑھائے نجدی

تعلیم رحمت میرے حبیبو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمت عالم بنکر تشریف لائے ہیں۔ آپ کی تعلیم بھی تعلیم رحمت ہے۔ آپ نے اللہ کی مخلوق پر رحم فرمانے کی تاکید فرمائی۔ اور فرمایا۔ لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَا یَرْحَمُ النَّاسَ۔ جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ اس پر رحم نہ کرے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اسی حدیث کا ترجمہ یہ شعر ہے سے

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر!
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

مسلمانو! حضور علیہ السلام کی اس تعلیم رحمت میں ہزارہا خوبیاں ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر بزرگان دین جو حضور کے صحیح معنوں میں متبع تھے یہ رحمت و شفقت علی الخلق کامل طور پر نظر آتی ہے۔ ان نفوس قدسیہ نے حتی الامکان اللہ کی مخلوق پر رحم ہی فرمایا۔ اور خود تکلیف اٹھا کر بھی رحم علی الخلق کا دامن نہیں چھوڑا۔ حضور کی اس تعلیم رحمت نے بڑے بڑے جلالی مزاج والوں میں رحم و عفو کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جن کی جلالت و سطوت اور جن کا رعب و دبدبہ شہرۂ آفاق ہے۔ آپ ایک مرتبہ

فاروق اعظم کی ایک حکایت نماز تہجد ادا کرنے کو مسجد میں آرہے تھے کہ اندھیرے کے باعث ایک شخص کے پاؤں پر حضرت کا پاؤں آگیا۔ شاعر لکھتا ہے

روایت ہے اک شخص کے پاؤں پر ۔۔۔ پڑا سہو سے پائے حضرت عمر
کہا اس نے اندھے ہے اے بے خبر ۔۔۔ لگے معذرت کرنے حضرت عمر
کہ اندھا نہیں ہوں خطا وار ہوں ۔۔۔ خطا بخشنے کا طلب گار ہوں

بزرگوں کے الطاف کو دیکھئے!
کہ کیا کیا کرم عاجزوں پر کئے

دیکھا آپ نے؟ آج ایک معمولی سپاہی کو بھی اس کی غلطی پر بھی ٹوکا جائے تو لینے کے

دینے پڑ جاتے ہیں۔ مگر فاروق اعظم! وہ فاروق اعظم جن کے نام سے قیصر و کسریٰ بھی کانپ اٹھتے ہیں اور جن کی سطوت و جلالت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ اپنی ایک لغزش پر ایک عامی سے معافی کے طلب گار ہو جاتے ہیں اور اس کے اندھا کہہ دینے پر کوئی غصہ نہیں فرماتے۔

شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ اور ایک کتے کی حکایت

مسلمانو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم رحمت سے بزرگان دین نے نہ صرف انسانوں ہی پر بلکہ جانوروں پر بھی رحم و شفقت فرما کر دکھایا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ نے ایک بار ایک کتے کا بچہ کیچڑ میں پڑا دیکھا۔ سردی سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ ایک حمام قریب تھا۔ وہاں لے جا کر اسکو غسل کرایا اور پھر اسے گرم جگہ رکھا۔

اور ایک مرتبہ یہی شاہ صاحب کہیں جا رہے تھے کہ ایک چھوٹا راستہ جسے پگڈنڈی کہتے ہیں اور جس پر بمشکل ایک آدمی ہی چل سکتا ہے۔ اس پر آپ چل رہے تھے کہ اتفاقاً سامنے سے ایک کتا آ گیا۔ پگڈنڈی کی دونوں جانب کیچڑ اور نجاست تھی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اے کتے تو نیچے اتر تاکہ میں نکل جاؤں۔ کتے نے جواب دیا۔ تعجب ہے کہ آجکل کے درویشوں میں تکبر پایا جانے لگا ہے۔ آپ نے اس وقت اپنے آپ کو اچھا سمجھا ہے اور مجھے حقیر۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ یہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں مکلف ہوں تو مکلف نہیں۔ اگر میں نجاست میں آلودہ ہو گیا تو بے دھوئے نماز نہ پڑھ سکوں گا اور دھونے سے مشقت میں پڑوں گا۔ اور اگر تو نجاست میں آلودہ ہو گیا تو تیرا کوئی حرج نہیں۔ سوکھ کر پھر ویسا ہی ہو جائے گا۔ کتے نے جواب دیا۔ حضرت! یہ سچ ہے۔ مگر یہ یاد رکھئے۔ اگر آپ اتر گئے اور نجاست میں آلودہ ہو گئے۔ تو یہ نجاست ایک لوٹے سے دھل جائے گی اور اگر میں نیچے اتر گیا اور آپ پاک صاف نکل گئے۔ تو یاد رکھنا کہ آپ کے دل میں تکبر و غرور پیدا ہو گا اور وہ سات سمندر سے بھی نہ دھل سکے گا۔ اب آپ کو اختیار ہے۔ اس بات سے حضرت شاہ صاحب پر، ایک کیفیت طاری ہوئی اور نیچے اتر گئے اور کتا نکل گیا۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے ان بزرگوں نے کتوں تک پر رحم و شفقت فرمائی اور اس بات پر کوئی یورپ زدہ شخص اعتراض نہ کرے کہ کتے نے کلام کیسے کر لیا۔ بھائیو! آج اگر تمہارے گراموفون ریکارڈ تمہارے سامنے بول سکتے ہیں۔ تو اللہ والوں سے جانور کیوں بات نہیں کر سکتے

یہ اللہ والوں کی باتیں ہیں اور ان کی کرامات حق ہیں۔

دوستو! یہ ہیں ہمارے اسلاف جن کے حالات آپ نے سنے اور ایک ہم بھی ہیں جن کے حالات یہ ہیں ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا ... دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام ... کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

آجکل کی قومی ہمدردی

بھائیو! آجکل اس ترقی یافتہ زمانہ میں بہت بڑے لوگ قومی ہمدردی کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور ہمدردِ قوم ہونے کے مدعی بنتے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ قوم سے ان کو نہ مناسبت ہے نہ محبت۔ بنگلوں میں آبادی سے باہر رہتے ہیں اور دنیا بھر کی غذائیں چرتے ہیں۔ بسکٹ۔ ڈبل روٹیاں۔ پیسٹریاں۔ کیک انڈے۔ غرض فروٹ وغیرہ سب کچھ اُڑ جاتے ہیں۔ اور ان کے غریب بھائی شہر میں ننگے بھوکے پھرتے ہیں اور ان کو خبر تک بھی نہیں۔ اگر کسی کے لئے کچھ خیر خواہی وغیرہ بھی کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے ہی جیسے امیروں کے لئے۔ تو اس کا نام قومی ہمدردی نہیں ہے۔ اس لئے کہ قوم نام ہے مجموعہ افراد کا اور مجموعہ میں اعتبار اکثریت کا ہوتا ہے اور اکثر افرادِ قوم میں یہی غریب لوگ ہیں۔ امیر تو بہت تھوڑے ہیں تو اس اعتبار سے قوم گویا غریبوں کا نام ہوا۔ تو قومی ہمدردی کے معنے یہ ہوں گے غریبوں کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔ مگر وہ لوگ غریبوں سے ہمدردی کب کریں گے۔ جن کے خیال میں غریبی خود جرائم کی فہرست میں درج ہو۔ ہاں قومی ہمدردی رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی ہے۔ چنانچہ فرمایا

اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ
اشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ۔

(مشکوٰۃ شریف) ملک کے سارے مسلمان ایک آدمی کی طرح ہیں۔ جس کی آنکھ دکھے تو سارا جسم ہی اس کا دکھنے لگتا ہے اور اگر سر دکھے۔ تو سارا جسم اس کا دکھنے لگتا ہے"

اس حدیث کا ترجمہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے یہ اشعار ہیں:۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند ... کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار ... دگر عضوہا را نماند قرار

تو اے میرے بھائیو! قومی ہمدردی یہ ہے کہ قوم کا ایک فرد بھی پریشان ہو تو ساری قوم پریشان نظر آنے لگے۔ مگر یہاں اس قسم کی ہمدردی؟ یہاں تو نفسی نفسی کا عالم ہے۔ خوب یاد رکھیے۔ آج جس قدر بھی مشکلات ہیں۔ ان سب کی وجہ یہی ہے کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دامانِ رحمت کو چھوڑ کر بیٹھے ہیں۔ آؤ اور پھر مضبوطی سے اسی دامنِ رحمت کو پکڑ لو۔ اور اس مادر پدر آزادی کو چھوڑ کر زلفِ نبی کے گرفتار بن جاؤ۔ پھر دیکھو کہ ؎

ہو سلسلہ الفت کا جسے زلفِ نبی سے
الجھے نہ کوئی کام نہ پابند بلا ہو!

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

پانچواں وعظ

"اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ"

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ؕ

اَمَّا بَعۡدُ

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ. اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ (پ ۳۰ ع ۳۴)

اے محبوب بیشک ہم نے تمہیں بیشمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو۔ اور قربانی کرو۔ بیشک جو تمہارا دشمن ہے۔ وہی ہر خیر سے محروم ہے۔"

حضرات! آج میں نے آپ کے سامنے قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی سورت پڑھی ہے

یہ سورت اگرچہ بظاہر چھوٹی سی ہے۔ مگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا ایک سمندر اس میں موجزن ہے۔ قرآن پاک ایک ایسی جامع کتاب ہے کہ اس کی چھوٹی سی عبارت میں بھی دین و دنیا کے مسائل سمو دیئے گئے ہیں اور یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے۔

بسم اللہ کی ب کا نقطہ

علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمتہ روح البیان میں لکھتے ہیں کہ سارے علوم قرآن پاک میں ہیں اور قرآن پاک کے سارے علوم سورۂ فاتحہ میں ہیں — اور سورۂ فاتحہ کے سارے علوم "بسم اللہ" میں ہیں اور "بسم اللہ" کے سارے علوم بسم اللہ کی "ب" میں ہیں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ جو باب مدینۃ العلم ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ اَنَا النُّقْطَةُ تَحْتَ الْبَاءِ۔ "ب" کے نیچے کا نقطہ میں ہوں۔" (روح البیان ج ۱)

گویا بسم اللہ کی ب کا نقطہ بھی اسرار و علوم کا ایک منبع و مخزن ہے۔ اور اس ایک نقطہ میں بھی کئی عالم مضمر ہیں۔

ریلوے ٹائم ٹیبل کا نقطہ

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ راولپنڈی کے ایک جلسہ میں میں نے یہی روایت بیان کی۔ تو ایک جنٹلمین نے تقریر کے بعد مجھ سے سوال کیا کہ مولانا یہ روایت کچھ عجیب سی ہے کہ ایک نقطہ میں سب کچھ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میرے پاس ریلوے ٹائم ٹیبل تھا۔ میں نے اس میں سے ریلوے لائن کے نقشے کا صفحہ اس کے سامنے رکھ کر پوچھا۔ فرمایئے۔ اس میں لاہور کہاں ہے۔ اس نے ایک جگہ انگلی رکھ کر بتایا کہ لاہور یہ ہے۔ میں نے کہا یہ کہاں؟ تو بولا۔ یہ میری انگلی کے نیچے۔ میں نے کہا ہوش سے بات کیجئے۔ اتنا بڑا لاہور آپ کی انگلی کے نیچے کیسے آگیا تو بولا یہ جو نقطہ سامنے ہے یہی لاہور ہے۔ میں نے کہا۔ تو آپ کے سوال کا جواب ہو گیا۔ یہ جو ٹائم ٹیبل کا نقطہ ہے جس کی حیثیت یہ ہے کہ آپ اسے لاہور کہہ رہے ہیں۔ گویا انارکلی بازار اسی نقطہ میں ہے۔ کشمیری بازار اسی ایک نقطہ کے اندر موجود ہے تو اگر آپ کے خود ساختہ ٹائم ٹیبل کے ایک نقطے میں اسقدر جامعیت ہے۔ تو رب کائنات کی جامع کتاب۔ قرآن پاک کے نقطے کی جامعیت کا انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ اس میرے ارشاد کے جواب پر وہ خاموش ہو گیا۔ بہر حال یہ سورت اس کتاب پاک کی ہے۔ جس میں سب کچھ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری ناقص عقلیں قرآن پاک کے جملہ علوم تک نہ پہنچ سکیں۔ مگر قرآن پاک میں دین و دنیا کی جملہ مشکلات کا حل موجود ہے۔

سے اس لئے احتیاط کی جاتی ہے کہ جہیز میں زیادہ تر نمائش ہی مقصود ہوتی ہے۔ دیکھئے! بازار سے جب جہیز کا سامان خریدنے کے لئے جاتے ہیں۔ تو دکاندار یہ پوچھتے ہیں کہ یہ سامان استعمال کے لئے چاہیئے یا جہیز میں دینے کے لئے؟ گویا جہیز کا سامان استعمال کے قابل نہیں ہوتا۔ ہاں نمائشی ضرور ہوتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جہیز کا سامان ٹوٹ پھوٹ کر خراب ہی ہو جاتا ہے۔ استعمال کے وہ لائق ہی نہیں ہوتا۔ نمائش جو اس سے مقصود تھی — وہ حاصل ہو گئی۔ اب بجز اس کے کہ پڑا پڑا خراب ہوتا ہے اور کس کام کا؟ ہاں تو آج کل جو نمائشی جہیز دیا جاتا ہے۔ اس کا کیا فائدہ؟ جبکہ اسلامی جذبات کا کوئی زیور اس جہیز میں نہ ہو

خاتونِ جنت کا جہیز

حضور سلطانِ دارین صلے اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا جہیز دیکھئے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

متاعِ دنیوی جو حصہ زہرا میں آئی تھی
کھجوری کھری سے بنی اک چارپائی تھی
مشقت عمر بھر کرنا لکھی تھا جو مقدر میں
یہی تحفہ تھیں چکیاں دو تاکہ پیسیں گھر میں

باپ کے گھر سے آج کل کی لڑکیاں رنگ رنگ کا لباس پہن کر نکلتی ہیں۔ مگر شہنشاہِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا عجیب زرّیں لباس ملاحظہ فرمائیے ؎

چلی تھی باپ کے گھر سے نبی کی لاڈلی پہنے
حیا کی چادریں عفت کا جامہ صبر کے گہنے

میں نے اپنی ایک نظم میں لکھا ہے ؎

دیکھئے اس قسم کے زیور سے انکو پیار تھا
صبر کے کانٹے تھے اور تقویٰ گلے کا ہار تھا
تھیں ادھر پہنی ہوئیں صبر و رضا کی چوڑیاں
اور ادھر پہنی ہوئیں شرم و حیا کی جوتیاں

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی اولادِ کرام

حضرات! اس صورت کا نشان ذراس لینے سے قبل یہ بات معلوم کر لیجئے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دو صاحبزادے تھے اور چار صاحبزادیاں۔ صاحبزادیوں کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں صاحبزادوں کی تعداد

کے بعد کبھی کوئی نبی ہوسکتا ہے تو حضور کے صاحبزادے
زندہ رہتے لیکن حضور کے بعد تو کوئی نبی نہیں "

میرے بھائیو! سو آپ نے یہ ہے اصل حقیقت۔ مگر کسی حدیث کو مرزائی نہ پڑھتے ہیں نہ سناتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری شریف میں بھی ہے۔ آپ بخاری شریف صفحہ ۹۱۴ پارہ ۲۵ باب من سمی باسماء الانبیاء دیکھیں اس حدیث کے حاشیے پر لکھا ہے کہ :-

اَلَّذِیْ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِیُّ فِیْ بَابِ مَنْ تَسَمّٰی بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِیَاءِ صَحِیْحٌ لَا شَکَّ فِیْ صِحَّتِهٖ (بخاری صفحہ)

یعنی جس حدیث کو بخاری نے اخراج کیا ہے وہ بلاشک صحیح ہے "

اور جو حدیث مرزائی پیش کرتے ہیں یعنی لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا اس کے متعلق جملہ محدثین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔　　وَفِیْ سَنَدِهٖ اَبُوْ شَیْبَةَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ عُثْمَانَ وَهُوَ ضَعِیْفٌ (مرقاۃ صفحہ ۲۹۵) وکذا فی مواہب لدنیہ)

یعنی اس کی سند میں ابوشیبہ راوی بہت ضعیف ہے "

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :-

"لیکن صحت نرسیدہ واعتبارے ندارد" (مدارج النبوۃ صفحہ ۲۷۶ ج ۲)

تو میرے بھائیو! مرزائیوں کا یہ ایک فریب ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی نبی ہونا ممکن ہوتا تو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے اور نبی ہوتے تو اس سورۃ کوثر کا شان نزول یہ ہے۔

شان نزول : کہ حضور کے صاحبزادوں کا انتقال ہوگیا تو کافروں نے کہنا شروع کردیا کہ بس اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل باقی نہ رہے گی اور آپ ابتر ہوگئے ہیں (معاذ اللہ) ابتر اسے کہتے ہیں جس کی نسل باقی نہ رہے۔ کافروں نے یہ سمجھا کہ نسل بیٹوں سے چلتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل باقی نہ رہے گی اور نہ ہی آپ کا نام باقی

والا اللہ۔ وہ بھی اللہ سے لیتا ہے اور یہ بھی اللہ ہی سے لیتا ہے پھر ذرا سوچئے۔ کہ تاجر کی روٹی حلال کیوں؟ اور چور کی۔ روٹی حرام کیوں؟ جب دونوں ہی اللہ سے لیتے ہیں تو پھر ایک روٹی حلال کیوں ہو گئی؟ اور ایک کی حرام کیوں ہو گئی؟ تو سنیئے جناب! اس کا جواب یہ ہے کہ تاجر بھی روٹی اللہ سے ہی لیتا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے یعنی جب تجارت سے اور تجارت کرنا سنت ہے۔ گویا وسیلہ مصطفٰے سے۔ وہ در مصطفٰے پر پہنچ کر اللہ سے لیتا ہے اور چور در مصطفٰے کو چھوڑ کر اور وسیلہ مصطفٰے سے منہ موڑ کر براہ راست اللہ سے لیتا ہے۔ تو جس نے حضور کے وسیلے سے اللہ کی روٹی لی اس کی روٹی حلال اور جس نے یہ وسیلہ چھوڑ کر براہ راست اللہ سے روٹی لی اس کی روٹی حرام!

منکوحہ عورت اور فاحشہ

ایک مثال اور سن لیجئے۔ ایک منکوحہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے اور ایک بچہ کسی فاحشہ رنڈی کے ہاں بھی پیدا ہوتا ہے۔ فرمائیے منکوحہ عورت کو وہ بچہ کس نے دیا؟ خدا نے ہی تو دیا اور اسی طرح اس رنڈی کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا وہ کس نے دیا؟ وہ بھی اللہ ہی نے دیا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ رنڈی کا بچہ حرامی اور منکوحہ کا بچہ حلالی۔ حالانکہ دونوں بچے اللہ ہی نے دیئے ہیں اور ان کی ماؤں نے اللہ ہی سے لئے ہیں اگر حلالی بچہ روتا ہوا آیا ہے تو حرامی بھی اسی طرح روتا ہوا آیا ہے حلالی کی بھی دو ٹانگیں دو ہاتھ۔ دو آنکھیں اور دو کان ہیں اور حرامی کی بھی دو ٹانگیں دو ہاتھ۔ دو آنکھیں اور دو کان ہیں۔

ہمسری کے مدعی

میرے بزرگو! یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ اگر وہ حرامی بچہ اس ظاہری حالت کی بنا پر اس حلالی بچے سے ہمسری کا مدعی بننے لگے۔ اور یوں کہنا شروع کر دے کہ وہ بھی میری طرح بشر ہے تو اس حرامزادے کی یہ حرامزدگی ہے یا نہیں؟ وہ حرامزادہ اس حلال زادے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ یہی حالت کافروں کی ہے۔ جنہوں نے انبیاء کرام کو اپنے جیسا سمجھا اور ان سے یوں کہا۔ مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا اسی سے مولانا رومی نے فرمایا ہے ؎ کافراں را دیدۂ بینا نہ بود!

نیک و بد در دیدشاں یکساں نمود

ہمسری با انبیاء برداشتند!

اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

جیسے کافروں کے پاس دیکھنے والی آنکھ نہ تھی۔ اسی سے ان کی نظر میں [illegible]
تھے۔ اور انہوں نے انبیاء سے ہمسری کے دعوے کئے۔ اور اولیاء کو اپنے جیسا بشر کہتے
تھے۔

آئینۂ حق نما

بھائیو! آج بھی کئی گستاخ ایسے ہیں جو حضور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ حالانکہ کہاں وہ ذاتِ نورٌ علیٰ نور اور کہاں ہم لوگ سراپا قصور۔ ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!

بات اصل میں یہ ہے جو حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے کہی ہے ۔

دید احمد را ابوجہل و بگفت
زشت نقشے کز بنی ہاشم شگفت

ایک مرتبہ ابوجہل نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ بنی ہاشم میں تم ایک بدصورت پیدا ہوئے ہو۔ (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ)

دید صدیقش بگفت اے آفتاب
نے ز شرقی نے ز غربی خوش بتاب

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا۔ اے آفتابِ حسن! مشرق و مغرب میں تجھ جیسا کوئی خوبصورت نہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے فرمایا کہ تم دونوں ہی سچ کہہ رہے ہو ۔

حاضراں گفتند اے صدر الوریٰ
راست گو گفتی دو ضد گو را چرا؟

حاضرین نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ یہ کیا بات ہے؟ کہ صدیق اکبر نے آپ کو خوبصورت کہا، تو آپ نے انہیں فرمایا کہ تم سچ کہہ رہے ہو اور اس بے ایمان ابوجہل نے بدصورت کہا تو آپ نے اسے بھی فرما دیا کہ تم بھی سچ کہہ رہے ہو۔

گفت من آئینہ ام مصقول دست
ترک و ہندو در من آں بیند کہ ہست

حضور نے فرمایا میں دستِ قدرت کا صیقل کردہ ایک آئینۂ حق نما ہوں۔ جو شخص جیسا میرے سامنے ہوگا۔ دیکھنے والوں نے اپنا اپنا ہی خوب و زشت دیکھا ہے۔ [illegible]

ہی نظر آئے گا۔ گویا صدیق اکبر کا خود اپنا دل نورِ ایمان سے منور تھا۔ اُس نے مجھے دیکھا تو مجھ میں اُسے حسن و نور نظر آیا۔ اور ابو جہل کم بخت خود ہی سیہ دل و سیہ رو تھا اس نے مجھے دیکھا۔ تو اُسے میں اچھا نظر نہ آیا۔ درصل دونوں نے اپنا اپنا ترجمہ کی ہے اس لئے میں نے دونوں کو ہی سچا کہا ہے۔

تو میرے بھائیو! اس مثال کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ آج بھی جو لوگ سیاہ باطن ہیں۔ ابوجہل کے تابع بنکر وہ حضور کو اپنے ہی جیسا بشر کہتے ہیں اور جن کے دل نورِ ایمان سے منور ہیں وہ حضور کو اللہ کا نور سمجھتے ہیں اور صدیق اکبر کی اتباع میں اعلیحضرت کی طرح یہی نغمہ گاتے ہیں کہ ؎

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا!
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

لطیفہ کہتے ہیں ایک شہر ایسا شہر تھا جس کے باشندوں نے کبھی آئینہ نہیں دیکھا تھا اس شہر کا ایک باشندہ کہیں جا رہا تھا۔ اتفاقاً راستے میں اُسے ایک آئینہ مل گیا۔ اُس نے اُسے جو اٹھایا تو اس میں اپنی شکل دیکھ کر سمجھا کہ یہ میرے ابا جان کا فوٹو ہے چنانچہ بڑی حفاظت سے اسے گھر لے آیا اور بڑے اہتمام سے ایک الماری میں رکھ دیا اب ہر روز دفتر میں جاتے ہوئے اور وہاں سے آتے ہوئے الماری کھولتا اور بزعم خویش اپنے ابا کی زیارت کرتا۔ چند دنوں کے بعد اس کی بیوی کو جو بڑی بدشکل چپٹی ناک زرد چہرے والی اور کالی بھی تھی۔ شک گزرا کہ یہ ملا روز کسے دیکھتے ہیں؟ چنانچہ ایک بار خاوند کے دفتر چلے جانے کے بعد اس نے وہ الماری کو کھول کر دیکھا تو آئینہ میں سے اپنی شکل نظر آئی۔ اب آئینہ اس نے بھی کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے جو اپنی شکل دیکھی تو غصے میں آ کر بولی میں تو پہلے ہی جانتی تھی کہ یہ کسی عورت پر فدا ہو گئے ہیں۔ ذرا دیکھو تو ان کا دماغ چل گیا ہے کہ میرے جیسی کو چھوڑ کر اس چڑیل پر عاشق ہو گئے ہیں۔ اس حرامزادی کی ذرا شکل تو دیکھو۔ چپٹی ناک زرد منہ۔ آنکھ ہے کانی دیکھنے کو ملی نہیں تیرے مت۔

حضرات غور کریں کہ یہ عورت جتنے عیب۔ دل کا نقش بیان کر رہی تھی دراصل وہ اس

آئینہ میں دیکھتے ہو وہ سب کے سب تو اس کی اپنی ہی ذات میں تھے؟ یقیناً وہ اپنے ہی عیوب کو آئینہ پر تھوپ رہی تھی - حالانکہ آئینہ اسے اپنی شکل دکھا رہا تھا - کہ دیکھ تو ایسی ہے. وہ عورت اپنے خاوند سے بدگمان ہو کر رونے لگی - اتنے میں شوہر آگیا. اس نے روتی دیکھی - تو بولی، دلی مجھ سے مانگتے ہو اس نگوڑی والی کالی سے مانگو - شوہر نے کہا. مگر وہ تو میرے ابا ہیں - وہ بولی مجھے بہکاتے کیوں ہو - وہ تو کوئی بدمعاش بھوتنی ہے اب دونوں میاں بیوی آپس میں جھگڑنے لگے. میاں کہتا تھا وہ میرے قابل تعظیم اباجان ہیں اور عورت کہتی تھی - نہیں بلکہ وہ ایک بدشکل عورت ہے. میرے دوستو! ان کا جھگڑا بالکل ایسا ہی جھگڑا تھا جیسے دو آدمی بحث کرنے لگیں ایک کہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں اور دوسرا کہے نہیں بلکہ وہ تو ہمارے جیسے ایک بشر تھے. اب ان میاں بیوی کا جھگڑا بڑھا تو ایک پادری صاحب وہاں سے گزرے اور سارا قصہ سن کر بولے مجھے وہ فوٹو دکھاؤ - چنانچہ پادری صاحب کو الماری کھول کر آئینہ دکھایا گیا تو وہ بھی چونکہ اسی شہر کے تھے دیکھ کر بولے یہ تو کسی پیر پادری کا فوٹو ہے یہ کہہ کر آئینہ اٹھا لیا اور گرجے میں لے گئے۔

تو میرے بزرگو! ہمارے حضور ایک آئینہ حق نما ہیں. جس نے دیکھا اسے اپنے ہی جذبات کا عکس نظر آیا - دعا کرو اللہ تعالیٰ اس کالی عورت کی طرح نہ بنائے۔

ہاں تو میں بیان یہ کر رہا تھا کہ منکوحہ عورت کو جو بچہ دیا وہ بھی اللہ نے دیا اور رنڈی کو جو بچہ دیا وہ بھی اللہ ہی نے دیا - پھر یہ کیا کہ منکوحہ کا بچہ حلالی اور رنڈی کا حرامی - تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ منکوحہ عورت نے در مصطفےٰ پر پہنچ کر سنت رسول پر عمل کرکے یعنی نکاح کرکے حضور کے وسیلے سے اللہ سے بچہ لیا - لہٰذا یہ بچہ حلالی اور رنڈی نے در مصطفےٰ کو چھوڑ کر وسیلۂ رسول سے منہ موڑ کر براہ راست اللہ سے بچہ لیا - لہٰذا اس کا بچہ حرامی!

تو اے میرے بزرگو! معلوم ہوا کہ اللہ کی ہر نعمت حضور ہی کے وسیلہ سے ملتی ہے اور حضور کے وسیلہ کو چھوڑ دیا جائے تو پھر اس کی ہر نعمت نعمت نہیں رہتی بلکہ لعنت بن جاتی ہے لہٰذا مسلمان کا یہی ایمان ہے جو اعلیٰ حضرت نے بیان فرمایا ہے۔

لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی !

کوثر

حضرات! آپ سن چکے کہ اللہ نے اپنے محبوب کو کوثر عطا فرمایا ہے اور کوثر کا معنے ہے۔ "بے شمار خوبیاں اور بہت کچھ" تو جسے خود معطی حقیقی بہت کچھ دینے کا اعلان فرمائے۔ اس کے پاس کیا کچھ نہ ہوگا؟ میرے بھائیو! یہ ساری دنیا جس میں امریکہ و افریقہ۔ یورپ و ایشیا۔ زمین و آسمان ۔چاند سورج اور دیگر بے شمار مخلوق سب کچھ ہے۔ یہ زمین کی وسعت اور اس کے وسیع و طویل جنگلات ۔ بے پایاں سمندر اور دریا یہ پہاڑوں کا طویل و عریض سلسلہ اور ان کی سر بفلک بلندیاں اور یہ چاند و سورج کی وسعتیں ۔ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کی عظمتیں وغیرہا من المخلوقات یہ ساری کی ساری چیزیں "متاع الدنیا" ہیں اور ان سب کو خدا نے متاع الدنیا قلیل فرمایا ہے۔ یعنے ان سب کی سب اشیاء کو جن کا شمار اور جن کی عظمتیں احاطہ علم انسانی سے باہر ہیں ۔خدا فرماتا ہے "قلیل" یعنے تھوڑی ہیں تو میرے بزرگو! اللہ کا "تھوڑا" آپ نے دیکھ لیا کہ کس قدر بڑا اور احاطہ علم انسانی سے بھی باہر ہے ۔مگر اللہ رے عظمت شانِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کہ وہی خدا جس نے ساری دنیا کے سارے سامانوں کو "تھوڑا" فرمایا ہے۔ اپنے محبوب کے لئے فرماتا ہے ۔ اے محبوب! ہم نے آپ کو کوثر یعنے "بہت زیادہ" عطا فرمایا۔ تو میرے عزیز و! جب خدا کے قلیل ہی کا اندازہ لگانا مشکل ہے ۔تو اس کے کوثر کا اندازہ کون کرسکتا ہے ؎

ہے انتہائے عُلا ابتدائے اوج یہاں
ورا خیال سے ہے شان بارگاہ رفیع

خداوند کریم کا ایک چُلّو

میرے بزرگو! بڑوں کی ہربات بڑی ۔خدا سب سے بڑا ہے تو اس کے "کوثر" کی عظمت کو کون بیان کر سکے! یہاں مجھے ایک حدیث یاد آگئی ۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمیوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔ حدیث کے لفظ ہیں کہ یہ سنکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

زِدْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ۔ یارسول اللہ اس سے
زیادہ کیجیے "

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر فرمایا۔ اچھا تو اللہ اس طرح اپنے دونوں چلو بھر کے میری امت کو جنت میں داخل کر دے گا۔ صدیق اکبر نے پھر عرض کیا۔

زِدْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ یا رسول اللہ اور زیادہ کیجئے"

اتنے میں حضرت عمر بولے۔ اے ابوبکر! چھوڑ بھی یعنے اب بس بھی کر۔ اس طرح تو لوگ عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ صدیق اکبر نے فرمایا۔

وَمَا عَلَیْکَ اَنْ یُّدْخِلَنَا اللّٰہُ کُلَّنَا الْجَنَّۃَ یعنے (اے عمر!) اگر اللہ ہم سب کو یونہی جنت میں داخل کر دے تو تیرا کیا بگڑتا ہے "

حضرت عمر نے جواب دیا:۔

اِنَّ اللّٰہَ اِنْ شَاءَ اَنْ یُّدْخِلَ خَلْقَہٗ الْجَنَّۃَ بِکَفٍّ وَاحِدٍ فَعَلَ۔ اللہ اگر چاہے تو اپنی ساری مخلوق کو اپنے ایک ہی چلو سے جنت میں داخل کر دے؟

یعنے اے ابوبکر! اللہ کی عظمت و بڑائی کے پیش نظر اس کے چلوؤں کو بھی تو دیکھو۔ اس کے ایک چلو کی بھی وسعت اس قدر ہے کہ ساری مخلوق اس کے ایک ہی چلو میں آسکتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی یہ بات سنی۔

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَقَ عُمَرُ۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمر نے سچ کہا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۸۹)

اختیار مصطفےٰ

میرے دوستو! اس حدیث سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اختیار بھی ثابت ہوا۔ ذرا حدیث کی طرف پھر غور کیجئے اور دیکھئے۔ حضور فرماتے ہیں میرے اللہ کا مجھ سے وعدہ ہے کہ وہ چار لاکھ میرے امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔ اس پر صدیق اکبر کا عرض کرنا " زِدْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ " یا رسول اللہ اور

زیادہ کیجئے۔ کیا ہی ایمان افروز اور نجدیت سوز جملہ ہے۔ گویا صدیق کا یہ ایمان ہے کہ اس مقدار میں اضافہ کر دینا یہ حضور کے اختیار میں ہے۔ حضور جو کچھ یہاں فرما دیں گے۔ وہی کچھ وہاں بھی ہو جائے گا۔ چار لاکھ کا وعدہ اللہ کا ہے۔ مگر اس میں اضافہ کے لئے صدیق اکبر حضور سے فرما رہے ہیں۔ گویا ہم غلاموں کے لئے وعدۂ مصطفٰے وعدۂ خدا ہی ہے۔ یعنی اس لب اقدس سے جو ارشاد ہو گا۔ وہی مرضیٔ حق ہو گی اور مَا اَدْرِیْ رَبَّکَ اِلَّا یُسَارِعُ فِیْ ھَوَاکَ کے مطابق حضور کے وعدے کو اللہ پورا فرما دے گا۔ اسی لئے مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ ؎

دکھائی جائے گی محشر میں شان محبوبی!
کہ آپ ہی کی خوشی آپ کا کہا ہو گا،
خدائے پاک کی چاہیں گے اگلے پچھلے خوشی
خدائے پاک خوشی ان کی چاہتا ہو گا

میرے بزرگو! اس حدیث پاک سے میں بتانا آپ کو یہ چاہتا تھا کہ اللہ کا ایک حوض اس قدر بڑا ہے کہ یہ ساری مخلوق اس میں آسکتی ہے تو ذرا غور کیجئے۔ اللہ کے کوثر کی نعمت و وسعت کس قدر ہو گی؟ تو اللہ نے جس محبوب کو "کوثر" عطا فرمایا ہو۔ فرمائیے کہ کے پاس کیا نہ ہو گا؟ اور یہ زمین و آسمان اور ما فیہا کیوں نہ اس کی ملک و اختیار میں ہو گا ؎

وہی نورِ حق وہی ظلِّ رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

حضور مالک ہیں

میرے دوستو! اللہ نے جب فرما دیا کہ اے محبوب! ہم نے آپ کو "بہت کچھ دیا" اور اللہ کے اس "بہت کچھ" میں "سب کچھ" ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور کی ملک میں "سب کچھ" ہے اور آپ زمین و آسمان کے ہر شے کے حق مالک ہیں۔ اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ "نجدی" کو مخاطب فرما کر فرماتے ہیں ؎

ان کو تملیک ملیک الملک سے
مالک عالم کہا، پھر تجھ کو کیا!
ان کے نام پاک پر دل جان مال
نجدیا سب تج دیا پھر تجھ کو کیا

سب جانتے ہیں کہ ایک آدمی اگر اپنے سوٹ کیس پر اپنا نام لکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس سوٹ کیس کا مالک وہ ہے۔ جس کا نام اس پر لکھا ہے اس قاعدہ کے مطابق آیئے ذرا احادیث کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اللہ نے زمین و آسمان کی ہر ہر چیز پر اپنے محبوب کا نام لکھ دیا ہے تاکہ اس حقیقت کا اعلان ہوجائے کہ خالق کائنات نے اپنے محبوب کو مالک کائنات بنادیا ہے۔

جنت کی ہر چیز پر حضور کا نام

چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادہ حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا:-

اِنَّ رَبِّیْ اَسْکَنَنِیْ الْجَنَّۃَ فَلَمْ اَرَ فِی الْجَنَّۃِ قَصْرًا وَلَا غُرْفَۃً اِلَّا اِسْمُ مُحَمَّدٍ مَکْتُوْبًا عَلَیْہِ وَلَقَدْ رَاَیْتُ اِسْمَ مُحَمَّدٍ مَکْتُوْبًا عَلٰی نُحُوْرِ الْحُوْرِ الْعِیْنِ عَلٰی وَرَقِ قَصَبِ اٰجَامِ الْجَنَّۃِ وَعَلٰی وَرَقِ شَجَرَۃِ طُوْبٰی وَعَلٰی وَرَقِ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی وَعَلٰی اَطْرَافِ الْحُجُبِ وَبَیْنَ اَعْیُنِ الْمَلٰئِکَۃِ۔ (خصائص کبریٰ ج۱)

اللہ نے جب مجھے جنت میں ٹھہرایا تو میں نے ہر جگہ نام محمد لکھا دیکھا ہر محل و ہر بالا خانہ پر یہ نام نظر آیا حضور کا نام نامی میں نے حورعین کے سینوں، جنت کے پتوں شجر طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، اور پردوں کے کناروں پر اور فرشتوں کی آنکھوں میں بھی لکھا پایا۔

آسمانوں پر حضور کا نام

ایسے ہی حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ شب معراج:

مَا مَرَرْتُ بِسَمَاءٍ اِلَّا وَجَدْتُ اِسْمِیْ فِیْہَا مَکْتُوْبًا۔ میں جس آسمان سے گزرا سب پر اپنا نام لکھا پایا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص۲۱)

ہر شے پر

میرے بزرگو! اہل زمین اور سبع ارواح کے مئے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی کئی اشیاء پر لکھا ہوا ظاہر بھی فرمایا ہے تاکہ لوگ

سمجھیں کہ اللہ کی ہر چیز کے یہ مالک ہیں۔ خالق نے انہیں مالک بنادیا ہے اور ہر چیز کو مخلوق فرما کر اسے ان کا مملوک کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ کہ ایک پرندہ دیکھا۔ جس کے منہ میں سبز رنگ کا ایک موتی تھا۔ وہ موتی اس پرندے نے حضور کے آگے پھینک دیا۔ حضور نے اس موتی کو دیکھا تو اس سبز رنگ کے موتی میں ایک سبز رنگ کا کیڑا تھا۔ اس کیڑے پر زرد رنگ سے لکھا ہوا تھا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (حجۃ اللہ علے العٰلمین ص۲۱۲)

میرے بزرگو! اور بھائیو!! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام اس موتی کے کیڑے پر لکھا ہو احدیث سے ثابت اور اس کے علاوہ اور بھی کئی واقعات اس نام پاک کے ظہور کے ہیں۔ چنانچہ علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ نے اپنی جامع کتاب حجۃ اللہ علے العالمین میں انہیں درج فرمایا ہے۔ ایک روایت ان سے یہ ہے کہ ایک جزیرہ میں ایسا درخت پایا گیا۔ جس کے پتوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ ایک دوسری روایت سنیئے۔ فرماتے ہیں کہ بلاد ہند میں ایک ایسا درخت دیکھا گیا۔ جس کا پھل اخروٹ کی مانند ہوتا ہے اُسے توڑا جائے تو اس میں سے ایک سبز رنگ کا کاغذ سا نکلتا ہے۔ جس پر سرخی سے لکھا ہوتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ روایت کتاب مذکور کے ص۲۱۲ پر موجود ہے جس کا دل چاہے دیکھ لے اور پھر راوی نے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

وَهُمْ يَتَبَرَّكُوْنَ بِتِلْكَ الشَّجَرَةِ وَيَسْتَسْقُوْنَ بِهَا اِذَا مُنِعُوا الْغَيْثَ۔ اور وہ لوگ اس درخت سے برکت حاصل کرتے ہیں اور بارش بند ہو جاتے تو اس درخت کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں تو بارش ہونے لگتی ہے۔

دیکھا آپ نے میرے بھائیو! یہ فیض و برکت اس درخت میں کیسے آگیا، صرف اس نام پاک کی برکت سے۔

اور سنیئے! نبہانی علیہ الرحمۃ اس اپنی کتاب میں درج فرماتے ہیں کہ ایک مچھلی

ایسی شکار کی گئی۔ جس کے ایک پہلو پر لاالٰہ الا اللہ اور دوسرے پہلو میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ ایک اور راوی فرماتے ہیں کہ ۱۹۷۴ء میں میرے پاس ایک بکری تھی جس نے ایک بچہ جنا۔ جس کا رنگ سیاہ تھا اور اس پر کچھ سفید گول دائرہ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ لکھا ہوا تھا "محمد" (صلے اللہ علیہ وسلم)

اور سنیئے! فرماتے ہیں افریقہ میں میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک شخص کی داہنی آنکھ کی سفیدی میں باریک سرخ خط میں لکھا تھا۔ "محمد رسول اللہ" (صلے اللہ علیہ وسلم) علامہ نبہانی پھر فرماتے ہیں کہ قطب کبیر۔ عالم شہیر اور صادق خبیر سیدنا ومولانا شیخ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب لواقح الانوار القدسیہ میں فرمایا کہ ایک شخص میرے پاس بکری کا بھنا ہوا سر لایا اور مجھے دکھایا کہ اس کی جبین پر لکھا ہوا تھا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی
وَدِیْنِ الْحَقِّ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط

دوستو! یہ ایک بہت بڑے قطب وقت کا مشاہدہ ہے۔ اس میں شک کرنے والا دل کا اندھا ہی ہو سکتا ہے اور ہمارا تو ایمان ہے کہ بے شک بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کا نام ان اشیاء پر لکھ کر اپنے محبوب کی عظمت اور آپ کی ملک وحکومت کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت ابوعبداللہ محمد بن الفضل المالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تحفۃ الاخیار میں فرماتے ہیں۔ میں نے ایک سفر میں یک محلہ میں ایک ہرنی دیکھی۔ جس کے دونوں کانوں پر "محمد" لکھا ہوا تھا۔ حضرت مقری فرماتے ہیں۔ میں نے ۱۰۲۶ھ میں شہر فاس میں ایک سیاہ رنگ کا ہتھیلی بھر پتھر دیکھا۔ جس پر نقش قدرت سے ایک طرف لاالٰہ الا اللہ اور دوسری طرف محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس پتھر کی مالک ایک عورت تھی۔ میں نے اس پتھر سے دوگنا سونا دے کر اُسے خریدنا چاہا۔ مگر وہ راضی نہ ہوئی۔ مجھے معلوم ہوا کہ عورتیں اس پتھر سے بڑا فائدہ حاصل کرتی ہیں۔ عسر ولادت کے وقت جو عورت اس مبارک پتھر کو ہاتھ میں پکڑ لے بچہ بڑی آسانی سے پیدا ہو جاتا ہے ؎

اسے صلِ علیٰ نام ہے کیا نام محمد!
ہر درد سے لیتا ہے بچا نام محمد

میرے دوستو! درود شریف پڑھو:-

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہ!

اور غور کرو کہ جس کے نام پاک میں یہ فیض و برکت ہے کہ ایک پتھر پر نقش ہو کر اس پتھر کو لاعلاج امراض کی دوا بنا دیتا ہے۔ بھلا خود اس نام والے وجود باوجود میں کس قدر برکتیں ہوں گی اور پھر وہ اللہ والے جن کے دلوں میں یہ نام پاک نقش ہے۔ اگر اللہ والوں کے فیوض و برکات سے انکار کرنا کیوں جہالت نہ ہوگی؟

میرے بزرگو! یہ جس قدر واقعات میں نے سنائے ہیں یہ اور ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک واقعات علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ کی کتاب حجۃ اللہ علے العالمین میں ص۲۱۰ سے لیکر ص۲۱۶ تک موجود ہیں۔ جس کی طبیعت چاہے دیکھ لے!

اور سنیئے! علم الحیوانات کے ماہر عالم اور اسلامی دنیا کے مایۂ ناز محقق حضرت علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتاب حیوٰۃ الحیوان کے دلچسپ اقتباسات آپ ہر مہینہ ماہِ طیبہ میں پڑھتے ہیں وہ اپنی کتاب حیوٰۃ الحیوان میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ہارون فرماتے ہیں کہ میں بحر مغرب میں سفر کر رہا تھا کہ ایک ایسے شہر میں پہنچا۔ جس کا نام برطون تھا۔ میرے ساتھ ایک غلام تھا۔ جس کے پاس مچھلی پکڑنے کا جال تھا۔ اس نے جال دریا میں ڈالا۔ تو ایک ایسی مچھلی جال میں آ گئی جو بالشت بھر تھی۔ ہم نے اُسے دیکھا تو اس کے داہنے کان کے نیچے لاالٰہ الا اللہ لکھا تھا اور اوپر سر پر "محمد" اور پھر بائیں طرف نیچے "رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ (حیوٰۃ الحیوان ص۲۴ ج۲)

میرے بزرگو! ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ دہلی کے رائے سینا کی تعمیر کے وقت ایک سنگ مرمر ایسا دستیاب ہوا۔ جس میں اسم محمد لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ قلم قدرت سے لکھے ہوئے اس نام کا فوٹو بھی لیا گیا اور اس مبارک نام کے عکسی قطعے عام ملتے رہے ہیں۔ میں نے خود اس عکسی قطعے کی زیارت کی ہے۔ آپ میں سے بھی کئی حضرات نے یہ مبارک نام دیکھا ہوگا۔

اور کچھ عرصہ ہوا جبل پور کے لوگوں نے اس نام پاک کا اعجاز اس طرح دیکھا تھا کہ ایک رات کو اچانک تیز روشنی ہوئی۔ لوگوں نے اوپر دیکھا تو آسمان پر نوری خط سے لکھا

تھی۔ "محمد" اور ان حرفوں سے نور نکل رہا تھا۔ اس واقعہ کا تذکرہ حسن نظامی نے بھی اپنے اخبار "منادی" میں کیا تھا اور ہمارے قصبہ کوٹلی کا یہ واقعہ تو کوٹلی کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ کہ ایک عورت روٹی پکا رہی تھی۔ کہ اچانک توے پر پکتے پکتے اس روٹی پر نام محمد لکھا گیا۔ عورت نے اپنے والد کو وہ روٹی دکھائی وہ شخص وہ روٹی حضرت والد ماجد الخطیب معظم علیہ الرحمۃ کے پاس لایا۔ حضرت نے اسے چوما اور پھر کوٹلی کے ہر مسلمان، اور ہندو سکھ افراد نے بھی اس کی زیارت کی۔ اسی واقعہ کو جلال الدین شاعر نے پنجابی نظم میں لکھا ہے۔ جس کا نام نظم قدرت ہے اور جس کا اشتہار آپ ماہ طیبہ میں پڑھتے ہیں۔ یہ کتاب ۲ روپے کتب خانہ ماہ طیبہ سے مل سکتی ہے منگوائیے اور پڑھیے۔

حضرات! اب آپ خود ہی سوچ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو حضور کا نام ہر شے پر لکھ دیا۔ آخر کیوں؟ یاد رکھیے صرف اس لئے کہ اللہ کے بندے جان جائیں کہ اللہ تعالیٰ جو خالق کل ہے۔ اس نے اپنے محبوب کو ہر شے کا مالک بنا دیا ہے ؎

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

باوجود ان حقائق کے جو شخص یہ کہے کہ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ تو فرمائیے اسے کیا کہا جائے۔ بجز اس کے کہ ظالم تو اس نام سے واقف ہی نہیں و نیز بد قسمت میں اس نام پاک کا عرفان ہے ہی نہیں۔

مالکِ جنت

حضرات! یہ بھی حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام جنت کی ہر چیز پر بھی لکھا ہے۔ چنانچہ امام قسطلانی شارح بخاری مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

وَكُنْيَتُهُ اَبُو الْقَاسِمِ لِاَنَّهُ يُقَسِّمُ الْجَنَّةَ بَيْنَ اَهْلِهَا (مواہب لدنیہ ص۱۹۵ ج ۱) یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ہے اس لئے کہ آپ مستحقین میں جنت بانٹتے ہیں۔"

کیوں بھائیو! اگر حضور جنت کے مالک نہ ہوں۔ تو اسے تقسیم کیسے فرمائیں؟ بہر حال یہ جنت حضور کی ہے اور الحمد للہ ثم الحمد للہ! کہ جنت بھی حضور کی ہے اور ہم گنہگار امت

بھی حضور کی ہیں۔ اور حضور کے فضل و کرم سے امید ہے کہ ہم جنت میں ضرور جائیں گے۔
اس لئے کہ ؎ گنہگاروں کو جنت سے کوئی روکے تو کیوں روکے

جو یہ جنت محمد کی، تو یہ اُمت محمد کی

ہاں جو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ملک و تصرف کے قائل نہیں۔ وہ بیشک ہمارے حضور کی جنت سے محروم رہیں گے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے۔

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو!

ہم رسول اللہ کے، جنت رسول اللہ کی

ایک اور حدیث

لیجئے ایک اور حدیث سنیئے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جنت کے بھی مالک ہیں اور متصرف و مختار ہیں۔ جسے چاہیں دیں جسے چاہیں نہ دیں۔ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں خدمت کے لئے رات کو حضور کے پاس سوتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے حضور کو وضو کرایا۔ تو حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا "سَلْ" یعنی کچھ مانگ! میں نے عرض کیا۔

اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ۔ حضور میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں"

یعنی یارسول اللہ! جنت بھی دیجئے اور جنت میں اپنی رفاقت بھی عطا فرمائیے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَوَ غَیْرَ ذٰلِکَ۔ کچھ اور بھی؟ عرض کیا۔ بس یارسول اللہ یہی جو عرض کرچکا۔ فرمایا۔ اچھا۔ نماز کثرت سے پڑھتے رہو۔

مسلمانو! یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کے صلا۸ پر موجود ہے۔ دیکھ لو اول تو خود حضور کا ارشاد کہ مجھ سے کچھ مانگ لو۔ اس امر پر شاہد ہے کہ حضور مالک و معطی ہیں آپ اپنے غلاموں کو دینے والے ہیں۔ بھلا وہ جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ کب یہ کہتا ہے کہ مجھ سے کچھ مانگ لو اور پھر صحابہ کرام کا عقیدہ بھی دیکھئے۔ کہ حضرت ربیعہ نے یہ نہیں عرض کیا کہ حضور! آپ سے مانگ کر کیوں ارتکاب شرک کروں۔ ہمیں تو مانگنا ہے تو اللہ سے مانگ لیں گے نہیں۔ بلکہ عرض کیا۔ حضور آپ سے جنت اور اس میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ گویا ان کا ایمان تھا کہ حضور جنت کے مالک ہیں۔ جبھی تو جنت مانگی اور پھر حضور نے بھی یہ نہیں فرمایا۔ کہ جنت پر میرا کیا اختیار۔ نہیں بلکہ فرمایا۔ اچھا نمازیں پڑھتے رہنا۔ گویا ہم نے تمہیں جنت

اور اس میں اپنی رفاقت دے دی۔ سبحان اللہ! یہ شان ہے ہمارے حضور کے ملکِ اختیار کی، سچ ہے ؎

کس چیز کی کمی ہے مولا تری گلی میں!
دنیا تری گلی میں عقبیٰ تری گلی میں

اب پوچھئے اس نام کی تقویۃ الایمان اور کوم کی تقویت الایمان سے کہ تیری یہ بات بند ہوگی کہ "جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔" تقویۃ الشیطان اور جہنم کا سامان ہے یا نہیں؟ مسلمانو! اپنے اس عقیدہ پر جمے رہو کہ ہمارے حضور خدا کی عطا سے مالک و مختار ہیں اور یہ شان اللہ نے انہیں عطا فرمائی ہے۔ وہ دینے والا ہے اور یہ جلنے والے ہیں اور تماشا یہ ہے کہ وہ دیتا ہے یہ جلتے ہیں اور دشمنانِ رسول جلتے ہیں اور کیوں نہ جلیں۔ جبکہ انہیں جلنا ہی ہے۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔ ایسے لوگ حاسد اور بخیل ہیں۔ اور ان کا عجب حال ہوتا ہے۔ دیتا کوئی ہے اور جلتے یہ ہیں۔

منظوم لطیفہ | چنانچہ ایک منظوم لطیفہ ہے:-

بیوی بولی شوہر کی کیوں ہے بدن علیل
کیا گرہ سے کھل پڑا یا کسی کو دیا

یعنی ایک بخیل کی بیوی نے اپنے بخیل خاوند کو دیکھا کہ وہ بڑا پریشان سا نظر آرہا ہے تو پوچھا کیا کچھ گر گیا ہے؟ یا کسی کو کچھ دے بیٹھے ہو؟ جو پریشان نظر آرہے ہو تو وہ بخیل بولا ؎

نہ گرہ سے کھل پڑا نہ کسی کو دیا
دیتے دیکھا اور کو تو ہے بدن علیل

یعنی نہ تو کچھ گرہ سے گرا ہے نہ کسی کو کچھ دیا ہے بلکہ کسی دوسرے آدمی کو سخاوت کرتے دیکھا ہے اس لئے پریشان ہوں۔"

مسلمانو! یہی حال ان دشمنوں کا ہے کہ حضور کو خدا حضور کو دیتا ہے اور یہ ان کی عطا کو دیکھ کر جلتے ہیں اور مرتے ہیں گویا ؎

دیتا وہ ہے یہ جلتے ہیں ان کا ہے چارہ کیا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

عمل ضروری ہے | میرے بزرگو! اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جنت ملنا...

میں جانے کے لئے عمل بھی کرنا ضروری ہے۔ دیکھئے حضور علیہ السلام نے حضرت ربیعہ سے فرمایا کہ نمازیں پڑھتے رہنا۔ گویا جنت میں مجھے لے تو جاؤں گا۔ مگر تم بھی عبادت میں کوشش کرنا۔ میرے عزیزو! آج کل ہم میں سے بھی ہر ایک جنت کا طالب نظر آتا ہے مگر افسوس کہ نماز روزہ کے معاملہ میں ہم بڑے سست واقع ہوئے ہیں۔ ہم نے مسلمان ہیں ایک بار کلمہ پڑھ لیا اور پھر چھٹی۔ نہ نماز نہ روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ اور نہ کوئی اور نیک عمل اور کہا یہ جاتا ہے کہ صاحب! جس نے کلمہ پڑھ لیا۔ بس وہ جنت کا مالک بن گیا۔ پھر اس نماز روزہ کی کیا حاجت! توبہ! توبہ!! میرے دوستو!

ریلوے ٹکٹ

ریلوے ٹکٹ کی مثال سامنے رکھو۔ دیکھئے آپ مثلاً لاہور سے کراچی تک جانے کے لئے ٹکٹ خریدیں تو اس ٹکٹ پر یہ لکھا ہوا موجود ہوگا "لاہور سے کراچی" مگر یہ ٹکٹ لے کر آپ پھر اپنے گھر جا لیٹیں اور آرام سے سو جائیں اور اگر کوئی پوچھے کہ آپ کراچی کیوں نہیں گئے۔ تو آپ اس کے سامنے ٹکٹ کر دیں کہ یہ دیکھئے میرے پاس کراچی کا ٹکٹ موجود ہے۔ میں کراچی پہنچ جاؤں گا۔ تو سب آپ کو بے وقوف کہیں گے۔ اور جواب یہی دیں گے کہ صاحب! اگرچہ آپ کے پاس یہ ٹکٹ موجود ہے جس پر "لاہور سے کراچی" لکھا ہوا ہے۔ مگر آپ جب تک پلیٹ فارم پر جا کر ٹرین پر سوار نہ ہوں گے اور ۲۴ گھنٹے کی زحمت سفر برداشت نہ فرمائیں گے۔ آپ اس ٹکٹ کے باوجود بھی ہرگز کراچی نہ پہنچ سکیں گے۔ تو اسی طرح میرے بھائیو۔ ہمارے پاس لا الٰہ الا اللہ کا ٹکٹ تو بے شک موجود ہے اور بے شک یہ ٹکٹ سیدھا جنت کا ہی ہے۔ مگر خوب یاد رکھئے کہ یہ ٹکٹ لے کر بھی ہم جب تک عملی پلیٹ فارم پر قدم نہ رکھیں گے اور نماز و روزہ اور دیگر ارکان اسلامیہ کی ٹرین پر سوار نہ ہوں گے۔ اس وقت تک ہم اس ٹکٹ کے باوجود بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مسلمان کو اگر جنت کی خواہش ہے تو احکام شریعت پر عمل بھی کرے اور اپنے آپ کو اس شعر کے مطابق بنائے کہ ؎

مصورؔ دیکھ تصویر تیری یوں بنائی ہو
اُدھر حسنِ الٰہی ہو، اِدھر گردن جھکائی ہو

حوض کوثر

حضرات! کوثر کا ترجمہ اور تفسیر آپ سن چکے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو "بہت کچھ" عطا فرمایا۔ مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے کوثر سے

مراد حوضِ کوثر ہی بیان کیا ہے۔ مگر جب کوثر کا ترجمہ "بے شمار خوبیاں" "خیر کثیر" اور بہت کچھ "کیا جائے گا۔ تو حوضِ کوثر بھی خود بخود اس میں آجائے گا۔ چنانچہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کوثر کی تفسیر "خیر کثیر" سے فرمائی۔ تو سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ لوگ تو کہتے ہیں۔ کوثر سے مراد حوضِ کوثر ہے تو ابن عباس نے فرمایا۔

هُوَ مِنَ الْخَيْرِ الْكَثِيْرِ۔ حوضِ کوثر بھی خیر کثیر ہی

سے ہی ہے۔ (روح البیان ص۵۰۹ ج۴)

تو میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو منجملہ خیر کثیر کے یہ حوضِ کوثر بھی دیا ہوا۔ اور حضور اس حوضِ کوثر کے بھی مالک ہیں یہ حوضِ کوثر کیا ہے؟ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ ایک جنت کی نہر ہے۔

مَاءُهٗ اَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيْحُهٗ اَطْيَبُ مِنَ
الْمِسْكِ وَكِيْزَانُهٗ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ يَشْرَبُ
مِنْهَا فَلَا يَظْمَاُ اَبَدًا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۸۹)

اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید۔ خوشبو اس کی
مشک سے زیادہ خوشبودار اور جام اس کے آسمان
کے تاروں کے برابر ہیں۔ جو شخص ایک بار اس کا پانی
پی لے گا۔ پھر کبھی وہ پیاسا نہ ہوگا۔"

میرے بزرگو! یہ ہے وہ حوضِ کوثر جو منجملہ دیگر خوبیوں کے حضور کو عطا ہوا۔ حضور اس کے مالک ہیں اور اللہ نے حضور کو اس کا مالک بنایا ہے۔

حشر میں حضور کی تلاش

ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کل قیامت کے دن اس حوض سے اپنے غلاموں کو پانی پلائیں گے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؂

چھٹتے ہم ہیں ، پلاتے یہ ہیں
ہاں چلو ، ہاں چلو ، ہاں

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ حضور سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کل میدان حشر میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں۔ آپ کہاں ملیں گے؟ حضور نے فرمایا۔ سب سے پہلے تو مجھے پل صراط پر دیکھنا۔ حضرت انس نے عرض کیا۔ اور حضور! اگر

آپ وہاں نہ ہوسے تو؟ تو فرمایا "پھر میزان کے پاس دیکھنا۔ وہاں ہوں گا۔ عرض کیا حضور اگر وہاں بھی نہ پاسکوں تو پھر؟ فرمایا

فَاطْلُبْنِیْ عِنْدَ الْحَوْضِ فَاِنِّیْ لَا اُخْطِئُ هٰذِهِ الثَّلٰثَ الْمَوَاطِنَ۔ پھر مجھے حوض کوثر پر تلاش کرنا میں ان تین جگہوں میں سے ایک نہ ایک جگہ ضرور ہوں گا۔ (مشکوٰۃ شریف ۴۸۵)

سبحان اللہ! لاکھوں درود اور کروروں سلام غمخوار امت نبی پر جو اپنے غلاموں کی خاطر یا پل صراط پر تشریف فرما ہوگا اور اپنے غلاموں کو اپنی رحمتوں سے پار گزار رہا ہوگا۔ یا میزان کے پاس تشریف فرما ہوگا اور اپنے گنہگار غلاموں کے نیکیوں کے ہلکے پلے اپنے گراں قدر انعامات والطاف سے بھاری فرما رہا ہوگا۔ یا حوض کوثر پر تشریف فرما ہوگا۔ اور اپنے پیاسے غلاموں کو جام پلا رہا ہوگا۔ شاعر نے اس حدیث کا ترجمہ کیا ہے اور حضور کا جواب اس طرح لکھا ہے کہ ؎

یا ہوں گا میں کوثر پہ پلاتا ہوا پانی!
یا ہوں گا ترازو کے میں نزدیک ضروری
یا پل پہ کھڑا ہوں گا حفاظت کو تمہاری
گر گرنے لگے کوئی تو میں اس کو بچا لوں

شاعر پھر لکھتا ہے ؎

گر حکم جہنم کا مجھے دے گا الٰہی!
اور بھیجے پکڑنے کے لئے اس نے سپاہی!
اس وقت میں چلاؤں گا اور دوں گا دہائی
ٹھہرو میں ذرا اپنے محمد کو بلا لوں!!

٭

آئیں گے شہ والا مدد کرنے اسی دم
فرمائیں گے اے امتی نہ کر تو کوئی غم
میں آیا ہوں بن کر ترا مونس و ہمدم
آمیرے گنہگار تجھے کملی میں چھپا لوں

اور بھائیو! پھر جسے اس مبارک کملی میں پناہ مل گئی اسے پھر کیا خطرہ ؎

ڈھونڈا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی
وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

بزرگو! خدا تعالیٰ نے اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فرما کر پھر فرمایا:۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ "تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو"

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ایک بڑی پرلطف بات لکھی ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو تفضلاً کوئی چیز دے ۔ یعنی ہبہ کر دے تو وہ اپنی دی ہوئی چیز واپس بھی لینا چاہے ۔ تو اگرچہ یہ بات مناسب نہیں ۔ مگر وہ واپس لے سکتا ہے اور اگر لینے والا بھی اس کے عوض کچھ دے دے چاہے ایک پائی ہی کی چیز کیوں نہ ہو تو پھر اس صورت میں دینے والا اپنا عطیہ واپس نہیں لے سکتا ۔ تو بنا بریں حق تعالیٰ نے حضور کو کوثر عطا فرمایا اور شبہ مذکور کو دور فرمانے کے لئے فرما دیا ۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (اس کے عوض میں) تم اپنے
رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کر دو ۔

تاکہ اس عطا کے بعد آپ کی طرف سے بھی عوض کا ظہور ہو جائے اور کوثر ہمیشہ کے لئے آپ ہی کا رہے ۔ (تفسیر کبیر ص ۴۹۶ ج ۸)

اخلاص عمل

حضرات ! فَصَلِّ لِرَبِّكَ میں حرف "ل" قابل غور ہے ۔ خدا فرماتا ہے "اپنے رب کے لئے نماز پڑھو" مفسرین کرام نے یہاں سے اخلاص عمل کا درس مستنبط فرمایا ہے کہ گویا خدا کا ارشاد ہے کہ نماز پڑھو تو خاص اپنے رب کے لئے پڑھو ریا کاری کے لئے نہ پڑھو ۔ بلکہ بڑے حسن خلوص کے ساتھ اور صرف اللہ کے لئے پڑھو مسلمانو ! اخلاص عمل جان عمل ہے اگر یہ اخلاص نہ رہا تو سمجھو کہ وہ عمل بے کار ہو گیا ۔ حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کے مطابق جیسی نیت ہوگی ۔ ویسا ہی اثر مرتب ہوگا ۔ چنانچہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے ۔

ایک عابد کی حکایت

کہ ایک عابد تھا جو عرصہ دراز سے عبادت الٰہی میں مصروف تھا ۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک قوم ہے جو ایک درخت کی پوجا کرتی ہے ۔ عابد کو یہ سنکر بڑا غصہ میں آیا وہ اسی وقت کلہاڑا لے کر اٹھا اور اس درخت کو کاٹنے کے لئے چل پڑا ۔ راستے میں اسے شیطان ایک شیخ کی صورت میں ملا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو ؟ عابد نے بتا دیا کہ ۔ درخت جسے لوگ پوجتے ہیں ۔ کاٹنے جا رہا ہوں ۔ شیطان نے کہا ۔ تو ایک درویش آدمی ہے ۔ تجھے اس جھگڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے : خواہ مخواہ اپنی عبادت کا وقت ضائع کرو گے ۔ جب وگھر جا کر اللہ اللہ کرو ۔ عابد نے کہا ۔ تو میری راہ چھوڑ ۔ میں

اس کام سے باز نہ رہوں گا۔ میرے لئے یہ کام بھی عبادت ہی ہے۔ شیطان نے کہا۔ مگر میں تجھے ہرگز جانے نہ دوں گا۔ عابد نے کہا۔ دیکھوں تو۔ تو میری راہ کیسے روکتا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ عابد و شیطان دونوں کی لڑائی شروع ہو گئی اور دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد عابد نے شیطان کو نیچے گرا لیا اور اس کی چھاتی پر سوار ہو گیا۔ شیطان نے کہا۔ مجھے چھوڑ دے۔ اگر چھوڑ دے گا۔ تو میں تجھے ایک ایسی بات بتاؤں گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔ چنانچہ عابد نے اُسے چھوڑ دیا اور شیطان نے اٹھ کر کہا۔ کہ تجھے اس درخت سے کیا مطلب۔ لوگ پوجتے ہیں تو پوجنے دو۔ اگر اللہ کو یہ درخت کٹوانا ہی منظور ہوا۔ تو کسی نبی کو بھیج کر کٹوا لے گا۔ تو واپس چلا جا۔ اور اللہ اللہ کر۔ میری بات مان کر اگر تو واپس چلا گیا تو میں ہر روز صبح تیرے تکیے کے نیچے دو دینار رکھ دیا کروں گا۔ تو فقیر آدمی ہے۔ اس طرح تو نان و نفقہ سے بے نیاز ہو جائے گا۔ درخت کے قصے کو چھوڑ اور واپس چلا جا!

عابد نے جب دو دینار ہر روز ملنے کا سنا تو سوچنے لگا کہ بات تو ٹھیک ہے میں کوئی نبی تو ہوں نہیں کہ درخت کا کاٹنا مجھ پر ضروری ہو۔ نہ خدا نے مجھے اس کے کاٹنے کا حکم ہی دیا ہے کہ میں نہ کاٹنے سے گنہگار ہو جاؤں گا۔ یہ شیخ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ یہی ٹھیک ہے یہ سوچا اور کہا اچھا میں واپس جاتا ہوں۔ اب تم بھی اپنا وعدہ پورا کرنا۔

چنانچہ رات کو سویا اور صبح اٹھا۔ تو واقعی اس کے تکیے کے نیچے دو دینار پڑے تھے۔ بڑا خوش ہوا۔ دوسرے دن بھی اٹھا۔ تو دو دینار مل گئے مگر جب تیسرے دن اٹھا تو دینار وینار کچھ بھی نظر نہ آئے۔ اب تو عابد صاحب بڑے غصے میں آئے اور پھر کلہاڑا لیا اور درخت کاٹنے چل پڑے۔ راستے میں پھر شیطان اسی شکل میں ملا اور پوچھا خیر تو ہے؟ آج پھر اسی طرف جا رہے ہو۔ عابد نے کہا۔ آج میں پھر اسی درخت کے کاٹنے کو جا رہا ہوں۔ شیطان نے کہا۔ میں آج بھی نہ جانے دوں گا۔ عابد نے کہا۔ آج تو میں ضرور ہی جاؤں گا۔ اس جھگڑے میں پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ اور تھوڑی دیر میں پہلے دن کے خلاف شیطان نے عابد کو گرا لیا۔ اور عابد کی چھاتی پر سوار ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ اگر درخت کاٹنے سے باز آ جائے تو بہتر۔ ورنہ ابھی ذبح کر دوں گا۔ عابد نے محسوس کیا کہ آج مجھ میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ کہنے لگا یہ نوبت دو کہ جس دن تو میں نے تجھے گرا لیا تھا۔ مگر آج یہ کیا بات ہوئی کہ

تو مجھ پر غالب آگیا ہے۔ شیطان کہنے لگا کہ اس دن تو تو خالص اللہ کے لئے درخت کاٹنے جا رہا تھا اور تیری نیت میں خلوص تھا اور آج تجھے دو دینار کے نہ ملنے کا غصہ ہے اور نیت میں وہ اس دن والا خلوص نہیں۔ (نزہۃ المجالس صـــ ج ۲)

دیکھا میرے دوستو! اہل خلوص حضرات پر شیطان کا قابو نہیں چلتا۔ وہ تو پہلے دن ہی خدا کے سامنے شیطان نے اقرار کر لیا تھا۔ کہ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ یعنی تیرے مخلص بندوں پر میرا قابو نہ چلے گا۔ اور سنئے اس نیت کا بدل جانا کیا کیا گل کھلاتا ہے۔ علامہ دمیری علیہ الرحمتہ حیواۃ الحیوان میں لکھتے ہیں۔

ایک بادشاہ اور دہقانی کی حکایت

کہ ایک بادشاہ کو اپنی مملکت کی سیر کرتے ہوئے کسی گاؤں میں ایک دہقانی کے ہاں رات بسر کرنے کا اتفاق ہوا۔ دہقانی کو علم نہ تھا کہ یہ بادشاہ ہے۔ اس نے عام مہمان سمجھ کر بڑی خدمت کی اور رات کو جب دہقانی اپنی گائے کا دودھ دوہنے لگا۔ تو بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ اس ایک گائے نے تیس گائے کے دودھ کے برابر دودھ دیا ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت دل میں ارادہ کر لیا کہ واپس جاتے ہی شاہی حکم سے اس گائے کو اپنے قبضے میں کر لوں گا۔ دوسرا دن بھی بادشاہ وہیں رہا اور دوسرے دن اس گائے کا دودھ دوہا گیا تو بادشاہ نے دیکھا کہ دودھ آدھا رہ گیا ہے۔ بادشاہ نے دہقانی سے پوچھا کہ آج گائے نے دودھ کم کیوں دیا؟ تو دہقانی کہنے لگا۔ میرے خیال میں آج ہمارے بادشاہ کی نیت میں کوئی فتور آگیا ہے اور اس نے اپنی رعایا کے کسی فرد پر ظلم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ بس یہ اس کی بدنیتی کی نحوست ہے۔ جو سارے ملک پر اثر انداز ہو گئی ہے۔ اور میری گائے کے دودھ سے بھی برکت اٹھ گئی ہے۔ بادشاہ یہ سنکر دل ہی دل میں بڑا شرمندہ ہوا۔ اور اسی وقت اپنا ارادہ بدل ڈالا اور سچے دل سے عہد کر لیا۔ کہ میں ہرگز ایسا ظلم نہ کروں گا۔ تیسرا دن بھی بادشاہ وہیں رہا۔ اور دیکھا کہ تیسرے دن گائے نے پھر پورا دودھ دیا ہے کم نہیں ہوا۔ دہقانی مسکراتا ہوا آیا اور کہنے لگا۔ الحمد للہ! ہمارے بادشاہ کی نیت درست ہو گئی ہے۔ (حیوٰۃ الحیوان ص۲۵ ج۱)

میرے بھائیو! اس حکایت سے اندازہ لگاؤ کہ آج دنیا بھر میں جو نحوست ہی نحوست نظر آرہی ہے اور کسی چیز میں برکت نہیں رہی۔ اس کی وجہ دراصل یہی ظلم و ستم کا عام ہونا ہے۔ آج اس ظلم و ستم نے ہر شخص کو بدحال و پریشان کر رکھا ہے۔ اور یہ جس قدر بھی مصیبتیں

اور تنگیاں ہمارے سامنے آرہی ہیں۔ یہ ہمارے اپنے ہی اعمال وافعال اور بری نیتوں کا پھل ہیں ؎

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ مرا احوال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک حکایت

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک کافر پر قابو پالیا اور اسے گرا کر اس پر تلوار چلانے لگے کہ اس کافر نے حضرت کے منہ پر تھوک دیا۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ حضرت علی نے فوراً تلوار میان میں کر لی اور پیچھے ہٹ گئے۔ کافر بڑا حیران ہوا۔ کہ علی نے مجھ پر پورا پورا قابو پالیا تھا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ کیوں دیا۔ چنانچہ حضرت علی سے اس نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ؎

گفت من تیغ از پئے حق مے زنم !
بندۂ حقم نہ مامور تنم !
شیر حقم نیستم شیر ہوا !
فعل من بر دین من باشد گواہ

یعنی میں حق کا شیر ہوں۔ خواہش کا غلام نہیں ہوں۔ تلوار میں نے محض رضائے حق کے لئے پکڑی ہے۔ میں حکم خدا کا بندہ ہوں۔ اپنے نفس کا بدلہ لینے کے لئے مامور نہیں ہوں۔ میں خدا کے لئے تجھ سے لڑ رہا تھا اور اسی کے لئے تجھے مارنے والا تھا کہ تو نے مجھ پر تھوک دیا تو مجھے اس پر غصہ آگیا اور میں نے دیکھا کہ اب اس خالص لوجہ اللہ جنگ میں اپنے نفس کا غصہ بھی شامل ہوگیا ہے اور خلوص جاتا رہا ہے تو میں اس ڈر سے پیچھے ہٹ گیا کہ میرا یہ کام اخلاص سے خالی شمار نہ ہو۔ کافر نے یہ ایمان افروز ارشاد سنا تو قدموں میں گر کر مسلمان ہو گیا۔

سبحان اللہ! کیا لوگ تھے کہ جن کا ہر عمل محض لوجہ اللہ ہوتا تھا اور ریاکاری یا خواہش نفس کا نام تک نہ ہوتا تھا۔

مسلمانو! ہمیں بھی لازم ہے کہ ہم بھی ہر عمل محض خدا کے لئے کریں اور ریاکاری کو کبھی نزدیک تک نہ آنے دیں!

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ حضرات! اس سورت کے آخر میں اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ آپ کو "ابتر" کہنے والے دشمن خود ہی "ابتر" ہیں۔ ان بے ایمانوں کا اپنا ہی نام ونشان مٹ جائے گا۔ اور آپ کا نام پاک ہمیشہ کیلئے قائم و دائم رہے گا۔ چنانچہ دشمنانِ رسول کا دیکھ لیجئے۔ نام ونشان مٹ چکا ہے اور سرکار کا ذکر و نام دن بدن ترقی و عروج پر ہے اور قیامت تک اسی طرح دن بدن بڑھتا ہی رہے گا۔

دشمنانِ رسول تھے اور مٹ گئے۔ ہیں اور مٹ رہے ہیں۔ ہوں گے اور مٹ جائیں گے ۔۔ اور ۔۔ ذکرِ رسول تھا اور رہا۔ ہے اور باقی ہے۔ ہوگا اور رہے گا ...... مٹانے والے خود مٹ گئے۔ مٹ رہے ہیں اور مٹ جائیں گے۔ مگر ذکرِ مصطفیٰ نہ مٹا ہے نہ مٹے گا اور نہ مٹ سکتا ہے ۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

چھٹا وعظ

نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔ (پ ۶ ع ۷)

"بے شک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا، اور روشن کتاب۔"

حضرات! آج میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور بتانا چاہتا ہوں کہ وہ اللہ جو خود نور ہے۔ اس نے اس ظلمت کدۂ عالم میں اپنے محبوب کو بھی نور ہی بن کر بھیجا ہے۔ چنانچہ یہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو "نور" فرمایا ہے اور جملہ مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے یہاں

"نور" سے مراد حضور ہی کی ذات لکھی ہے۔ چنانچہ علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ روح البیان میں لکھتے ہیں:-

وَقِیْلَ الْمُرَادُ بِالْاَوَّلِ هُوَ الرَّسُوْلُ صلی اللہ علیہ وسلم وَبِالثَّانِیْ الْقُرْاٰن (روح البیان صفحہ ۴۷ ج ۱)

یعنی کہا گیا ہے کہ اول یعنے نور سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن ہے"

علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ نے پھر آگے چل کر لکھا ہے کہ:-

سَمّٰی الرَّسُوْلَ نُوْرًا لِاَنَّ اَوَّلَ شَیْئٍ اَظْهَرَهُ الْحَقُّ بِنُوْرِ قُدْرَتِهٖ مِنْ ظُلْمَةِ الْعَدَمِ كَانَ نُوْرُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وسلم كما قال اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ۔ یعنے اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نور رکھا۔ اس لئے کہ اللہ نے اپنے نورِ قدرت سے جو چیز سب سے پہلے پیدا فرمائی - وہ حضور ہی کا نور ہے جیسے کہ حضور نے خود فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

(روح البیان صفحہ ۵۴۸ ج ۱)

معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے نور بنایا ہے اور نور فرمایا ہے اور ہمارے پاس جو نور آیا ہے وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تاریکی و ظلمت

میرے بھائیو! تاریکی و ظلمت ایک ایسی چیز ہے۔ جس سے انسان طبعاً خائف رہتا ہے۔ چنانچہ کسی شخص کو اگر کوئی رات تاریکی میں بسر کرنی پڑے تو جو حال اس کا ہوتا ہے سب جانتے ہیں۔ اسی واسطے انسان نے اس تاریکی و ظلمت کے ازالہ کے لئے مختلف قسم کی بتیاں تیار کر لی ہیں۔ یہ چراغ۔ لالٹین۔ بیٹریاں۔ گیس اور بجلی کے ہنڈے سب اسی تاریکی و ظلمت کے ازالہ کے لئے ہیں تو اسی طرح یاد رکھیئے۔ کہ ایک روحانی تاریکی و ظلمت بھی ہے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے قبل نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا میں اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے

اپنی مخلوق کی اس حالت پر رحم فرمایا اور اس تاریکی و ظلمت کے ازالہ کے لئے ذات بابرکات حضور منبع النور سید الانبیاء جناب احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔ حضور کی تشریف آوری سے اس جہانِ تیرہ و تاریک میں چاروں طرف نور ہی نور پھیل گیا۔ اور دنیا نے تاریکی و ظلمت سے نجات حاصل کر لی ؎

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

نور دافع البلا ہوتا ہے

میرے بزرگو! یہ تاریکی و ظلمت کئی ایک بلاؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوتے ہوتی ہے اور اندھیرے میں انسان کے لئے کئی قسم کے خطرات ہوتے ہیں۔ انسان اگر اندھیرے میں چل رہا ہو تو اسے کیا خبر کہ راستے میں کوئی سانپ بیٹھا ہے یا کوئی دوسرا موذی جانور راستے میں ہے اور اگر راستے میں کوئی گڑھا ہو۔ اس سے بچنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ الغرض ہزارہا قسم کی مشکلات اور کئی قسم کی بلائیں اس اندھیرے میں موجود رہتی ہیں اور انسان نے انہیں مشکلات اور بلاؤں سے بچنے کے لئے مختلف بتیاں تیار کی ہیں۔ دیکھ لیجئے! اندھیرے میں جب لالٹین یا بیٹری روشن ہو جائے۔ تو اندھیرا کافور ہو جاتا ہے اور اندھیرے میں جو جو خطرات اور بلائیں ہوں۔ لالٹین یا بیٹری کا نور ان سے بچا لیتا ہے۔ گویا ہماری اپنی تیار کردہ لالٹین اور بیٹری کا یہ نور بھی خطرات اور بلاؤں کا دور کرنے والا ہوتا ہے۔ تو میرے دوستو! اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ جو اللہ کا نور ہوگا۔ وہ کیوں نہ دافع البلاء ہوگا۔ درود شریف پڑھیئے ؎

دافعِ ہم و کاشفِ ہر غم	صلے اللہ علیہ وسلم!
باعثِ عفو و رحمتِ آدم	صلے اللہ علیہ وسلم!
عظمتِ کعبہ ماہ مدینہ	رونقِ عرش و طورِ سینا
نور و ضیائے ہژدہ عالم	صلے اللہ علیہ وسلم!
آنکھ کا تارا، درد کا چارہ	سب کا سہارا سب کا پیارا
آقا ہمارا مونس و ہمدم	صلے اللہ علیہ وسلم!

یارانِ ظلمت

میرے دوستو! یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ چور ہمیشہ تاریکی پسند اور ظلمت کا طرفدار ہوتا ہے۔ اس کی منشا یہی ہوتی ہے کہ شمع گل ہو اور

میرا کام چلے۔ مگر جو سادھ ہے۔ وہ روشنی پسند اور نور کا حرف دار ہوتا ہے۔ تو بھائیو! اب خود ہی سمجھ لو کہ جو لوگ ہمارے حضور کو نور نہیں تسلیم کرتے اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ وہ لوگ ظلمت پسند اور یارانِ ظلمت میں سے ہیں اور ان کی خواہش ہی یہ ہے کہ شمع حق بجھے ــ اور ہمارا کام چلے مگر یہ کیسے ممکن ہے جبکہ خدا نے خود فرما دیا۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ
وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (پ۲۸ ع ۹)

اور چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور مونہوں سے بجھا دیں اور
اللہ کو اپنا نور پورا کرنا ہے۔ اگرچہ کافر برا مانئیں۔"

تو بھائیو! جس نور کا روشن کرنے والا اور اس کا حافظ خود خدا ہو اُسے کون بجھا سکتا ہے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

ایک پنجابی شاعر لکھتا ہے ؎

پھوکاں مار بجھایا لوڑن نور محمد والا
نور محمد کدے نہ بجھسی وعدہ حق تعالیٰ

ہر شے سے پہلے نورِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم

مسلمانو! آیت کریمہ میں خدا نے جس نور کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ وہ نور پاک ہے۔ جسے اللہ نے ہر شے سے پہلے پیدا فرمایا ہے چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ! یہ تو فرمایئے کہ اللہ نے ہر شے سے پہلے کیا پیدا فرمایا تو حضور نے فرمایا:-

يَا جَابِرُ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ قَبْلَ كُلِّ الْأَشْيَاءِ
نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهٖ ××× وَلَمْ يَكُنْ فِي ذٰلِكَ
الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ وَلَا
مَلَكٌ وَلَا سَمَاءٌ وَلَا أَرْضٌ وَلَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ
وَلَا جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ (رحمتہ اللہ علی العالمین ص۲۸)

اے جابر اللہ تعالیٰ نے ہر شے سے پہلے تمہارے

نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور اس وقت
نہ لوح تھی نہ قلم نہ جنت نہ دوزخ نہ آسمان نہ کوئی
فرشتہ نہ زمین، نہ سورج نہ چاند تھا اور نہ کوئی جن
تھا نہ انسان "

اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نورِ پاک ہر شئے سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور حضور سے پہلے کسی کو پیدا نہیں کیا گیا۔

اللہ کے نور سے

حضرات! حدیث میں جو " من نورہٖ " کا جملہ ہے یعنے حضور کا نور " اللہ کے نور سے " پیدا کیا گیا ہے۔ تو اس پر منکرینِ نور یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس طرح تو پھر اللہ کا نور کم ہو گیا۔ کیوں کہ اس میں سے کچھ حصے کا محمدی نور بنا دیا گیا۔ منکرینِ نور کا یہ جاہلانہ اعتراض ان کی عداوتِ نور کا پردہ فاش کرنے والا ہے۔ ان جاہلوں نے اہلِ سنت پر یہ محض بہتان باندھ رکھا ہے کہ ہم اہلِ سنت یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا نور معاذ اللہ کوئی قابلِ تقسیم چیز ہے۔ جس سے کچھ حصہ الگ کر کے اس کا نور محمد بنا دیا گیا ہے۔ توبہ! توبہ!! ایسا تو کوئی بھی نہیں کہتا۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ خدا کا نور ازلی و ابدی ہے اور یہ تقسیم و تجزی ہرگز ہرگز اس کے لائق نہیں اور حضور کے نور کا اس کے نور سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نورِ پاک اللہ کے نور کا پرتو اور اسی کی روشنی ہے۔ دیکھئے ایک مثال عرض کروں۔

گیس کی مثال

ایک روشن گیس ہے اور ایک اس کی روشنی ہے۔ اب فرمایئے کہ اس روشنی کو سب ہی کہتے ہیں یا نہیں؟ کہ یہ روشنی اس " گیس سے " ہے تو کیا اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ گیس کے ٹکڑے کر کے اس میں سے ایک ٹکڑا الے رسا گیا ہے اور اسے پیس کر سارے کمرے میں پھیلا دیا گیا ہے اور یہ ساری روشنی اسی ٹکڑے کی ہے بتائیے! یہ معنیٰ کوئی بھی نہیں لیتا۔ حالانکہ کہتے سب یہی ہیں کہ یہ روشنی اس " گیس سے " ہے۔ تو حضور کا نور " اللہ کے نور سے " ہے۔ اس کا معنےٰ بھی یہی ہے کہ حضور کا نور اللہ کے نور کی تجلی، روشنی ہے اور اسی نور کا عکس و پرتو ہے۔

نہ خدا ہیں نہ جدا ہیں

یہاں ایک اور بات بھی حل ہو گئی اور وہ یہ کہ ہمارا ایمان ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں اور نہ خدا سے جدا ہیں

جو خدا کہے وہ مشرک اور جو جدا کہے وہ بے ایمان۔ آپ کہیں گے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا سے جدا ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہی گیس اور اس کی روشنی والی مثال لے لو۔ دیکھو۔ یہ اس کی روشنی نہ خود گیس ہے اور نہ ہی گیس سے جدا ہے۔ اگر اس روشنی کو کہا جائے کہ یہی گیس ہے۔ تو چاہیئے یہ کہ ہم اس روشنی پر پتھر ماریں۔ تو گیس ٹوٹ جائے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ روشنی عین گیس نہیں اور کیا پھر گیس سے جدا ہے؟ یہ بات بھی نہیں کیونکہ اگر یہ روشنی گیس سے جدا مانی جائے تو ہونا یہ چاہیئے کہ گیس کو اندر لے جایا جائے۔ تو روشنی باہر ہی رہے یا گیس کو باہر لایا جائے تو روشنی اندر ہی رہے۔ حالانکہ یہ بات بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ جہاں گیس ہو۔ وہیں روشنی بھی ہوتی ہے۔ جہاں گیس وہاں روشنی اور جہاں روشنی وہاں گیس تو اسی طرح یاد رکھیئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نہ تو عین خدا ہیں اور نہ ہی اُس سے جدا ہیں۔ بلکہ جہاں خدا وہاں مصطفٰے اور جہاں مصطفٰے، وہاں خدا ہے

تم ذاتِ خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو!
اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانیے کیا ہو

خدا کی پہچان حضور کے وسیلہ سے

میرے بھائیو! یہیں سے ایک اور بات بھی معلوم ہو گئی اور وہ یہ کہ روشنی کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ یہاں گیس موجود ہے دیکھئے یہ دھوپ سورج کی روشنی ہے۔ ہم دھوپ کو دیکھ کر جان جاتے ہیں کہ سورج کا طلوع ہو چکا ہے۔ اگر دھوپ نہیں ہے تو سورج کا طلوع بھی نہیں ہے۔ بلا تشبیہ اسی طرح حضور کو دیکھ کر ہی خدا کی پہچان حاصل ہوتی ہے اگر حضور ہیں تو خدا کی بھی پہچان ہے۔ اور اگر حضور نہ ہوتے تو خدا کی پہچان بھی حاصل نہ ہوتی ہے

اے رضا فیض ہے احمد پاک کا
ورنہ تم کب سمجھتے خدا کون ہے

حضرات! میرے خیال میں اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ حضور کے نور کا "اللہ کے نور سے" ہونے کا کیا مطلب ہے۔ ان معترضین و منکرین نور کا یہ کہنا کہ حضور کا نور "اللہ کے نور سے" مانا جائے تو اللہ کا نور کم ہو جائے گا۔ آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ کس قدر جہالت کی بات ہے۔

لطیفہ یہاں مجھے ایک دہقانی کی بات یاد آ گئی۔ یہ سادہ لوح حضرات بھی بعض اوقات بڑی مزے کی بات کر دیتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں جہلم گیا تو وہاں کے احباب نے یہ بات سنائی کہ یہاں ایک منکرِ نور مولوی آیا اور اس نے اپنے وعظ میں لوگوں کو یوں بہکانا شروع کیا کہ مسلمانو! دیکھو روپے کے سولہ آنے ہوتے ہیں۔ اور اگر اس میں سے چار آنہ نکال لیے جائیں۔ تو بتاؤ روپیہ پورا رہا یا کم ہو گیا۔ تو حاضرین نے جواب دیا۔ کم ہو گیا۔ مولوی نے کہا۔ تو مسلمانو! اسی طرح اگر حضور کو اللہ کے نور سے مانا جائے تو پھر اللہ بھی پورا نہیں رہتا۔ بلکہ کم ہو جاتا ہے (معاذ اللہ) لوگوں نے بتایا۔ کہ مجمع میں سے ایک دہقانی اٹھا اور کہنے لگا۔ مولوی گپیں نہ ہانک! دیکھ میرا ایک کنواں ہے۔ جو تیس سال سے برابر دن رات چل رہا ہے اور سینکڑوں کنال زمین اور سینکڑوں کھیتیاں اس نے سیراب کی ہیں مگر اتنے طویل عرصہ میں میرے کنوئیں کا پانی تو چلو بھر بھی کم نہیں ہوا تو کیا خدا کا نور تم نے میرے کنوئیں سے بھی کم سمجھ رکھا ہے۔ جو ایک محمد کے بن جانے سے کم ہو گیا صلی اللہ علیہ وسلم۔

لوگوں نے بتایا کہ اس بات سے وہ مولوی چپ ہو گیا اور اس سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ بھائیو! اس دہقانی نے یہ بات اپنی سمجھ کے مطابق خوب کہی۔ مگر اصل بات وہی ہے جو میں کہہ چکا کہ ہم جو حضور کو "اللہ کے نور" سے مانتے ہیں اس کا مطلب وہ نہیں جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نور کی حضور تجلی ہیں۔

سراج منیر حضرات! خداوند کریم نے ایک دوسرے مقام پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سراجِ منیر یعنے چمکتا ہوا چراغ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (پ ۲۲ ع ۳) اے پیارے نبی! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا چراغ بنا کر بھیجا۔"

مفسرین کرام علیہم رحمۃ نے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم

کو جو سراج منیر فرمایا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ :-

إِنَّ السِّرَاجَ الْوَاحِدَ يُوْقَدُ مِنْهُ أَلْفُ سِرَاجٍ
وَلَا يَنْقُصُ مِنْ نُوْرِهٖ شَيْءٌ وَقَدْ اتَّفَقَ أَهْلُ
الظَّاهِرِ وَالشُّهُوْدِ عَلٰى أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ جَمِيْعَ
الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نُوْرِ مُحَمَّدٍ وَلَمْ يَنْقُصْ مِنْ نُوْرِهٖ شَيْءٌ

(روح البیان ص۱۲۹ ج ۲) ایک چراغ سے ہزار چراغ
بھی روشن کر لئے جائیں۔ تو پہلے چراغ میں نور کی کچھ
بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اور تمام اہل ظاہر و شہود اس
بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں کو
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کیا ہے اور
حضور کے نور میں کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوئی :۔

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ اس موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں ؎

گفت طوبیٰ من رانی مصطفٰے !
والذی یبصر لمن وجھی رای

یعنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ خوشخبری ہو اسے جس نے مجھے دیکھا۔
اور اسے بھی جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔

چوں چراغے نور شمع را کشید
ہر کہ دید آں را یقیں آں شمع دید

جس طرح ایک چراغ دوسری شمع سے روشن کرنے پر اس شمع کے نور سے مستفید
ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس چراغ کو دیکھے گا۔ وہ یقیناً اس شمع ہی کو دیکھے گا ؎

ہمچنیں تا صد چراغ ار نقل شد
دیدن آخر لقائے اصل شد

اسی طرح یکے بعد دیگرے سو چراغ روشن کر دیئے جائیں تو آخری چراغ کا نور بھی
اسی شمع کا نور ہے۔

مسلمانو! حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام ، اور

اولیاء عظام اسی شمع محمدی سے مستفید ہیں۔ اور یہی وہ نور پاک ہے جس سے تمام چراغ روشن ہوئے۔ پڑھیئے درود شریف!

صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ!

صلی اللہ علیک وسلم یا حبیب اللہ

اندھے میرے بھائیو! یہ حقیقت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور علیٰ نور ہیں۔ مگر جو لوگ حضور کو محض اپنے ہی جیسا سمجھتے ہیں۔ وہ اندھے ہیں۔ انہوں نے حضور کو محض سطحی نظروں سے دیکھا ہے۔ ان نظروں سے جن نظروں سے ابوجہل نے دیکھا تھا۔ اور یہ دیکھنا نہ دیکھنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ

(پ ۹ ع ۱۴) اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ مگر انہیں کچھ نہیں دِکھتا۔

محمود غزنوی کی حکایت مفسرین کرام نے سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کی ایک حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک روز حضرت ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو وہاں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا ذکر ہو رہا تھا۔ سلطان محمود نے پوچھا۔ حضور! بایزید کس شان کے بزرگ تھے؟ حضرت ابوالحسن نے فرمایا۔

هُوَ رَجُلٌ مَنْ رَاٰهُ اهْتَدٰى۔ وہ ایسا وجود ہے کہ جس نے انہیں دیکھا ہدایت پا گیا۔

سلطان محمود نے عرض کیا۔ لیکن حضور! ابوجہل نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کئی بار دیکھا۔ مگر وہ ہدایت نہ پا سکا۔ حضرت ابوالحسن خرقانی نے جواب دیا۔

انہ ما رای رسول اللہ وانما رای محمد بن عبد اللہ یتیم ابی طالب (روح البیان صفحہ ۲۹ ج ۳)

ابوجہل نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا اس نے محمد بن عبد اللہ یتیم ابی طالب کو دیکھا تھا؟

یعنی اس بے ایمان نے سطحی نظروں سے دیکھا اور محض محمد بن عبد اللہ کو دیکھا۔ اور اپنے جیسا ایک بشر دیکھا۔ اگر وہ بے دین واقعی دیکھتا۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کو دیکھتا۔ تو نور نظر آتا اور اس کا دل نورِ ایمان سے منور ہو جاتا۔ لیکن ؎

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے:

جبریل کی عمر

حضرات! آپ سن چکے کہ ہمارے حضور کے نور کو اللہ نے ہر چیز سے پہلے پیدا فرمایا اور اس وقت ساری مخلوق میں سے کوئی چیز بھی پیدا نہ ہوئی تھی نہ یہ زمین تھی نہ آسمان نہ لوح و قلم نہ عرش و کرسی نہ جن و انس اور نہ کوئی فرشتہ اسی واسطے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ جبریل سے دریافت فرمایا۔ اے جبریل تمہاری عمر کتنی ہے؟ تو جبریل نے عرض کیا۔ حضور مجھے کچھ خبر نہیں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ

اِنَّ فِی الْحِجَابِ الرَّابِعِ نَجْمًا یَطْلَعُ فِیْ کُلِّ سَبْعِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ مَرَّۃً رَأَیْتُہٗ اِثْنَیْنِ وَسَبْعِیْنَ اَلْفَ مَرَّۃٍ۔ چوتھے حجاب میں ایک تارہ ستر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا۔ میں نے اُسے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا ہے۔

حضور علیہ السلام نے یہ سنکر جبریل کو جواب دیا۔

وَعِزَّۃِ رَبِّیْ اَنَا ذٰلِکَ الْکَوْکَبُ۔ مجھے میرے رب کی عزت کی قسم! میں ہی وہ تارہ ہوں۔"

(روح البیان ص۹۷۴ ج۱)

دیکھا آپ نے! جبریل نے اپنے گمان میں اپنی بڑی لمبی عمر بیان کی تھی۔ مگر یہ جواب سنکر اُسے بھی معلوم ہو گیا کہ حضور تو مجھ سے بھی پہلے کے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا مشاہدہ

حضرت آدم علیہ السلام جو سارے انسانوں کے باپ ہیں اور جو بظاہر آدمی سے پہلے پیدا فرمائے گئے۔ ان کے متعلق حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمۃ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرما کر فرمایا کہ اے آدم اپنا سر اٹھاؤ۔

فَرَفَعَ رَأْسَہٗ فَرَأٰی نُوْرَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ

وَسَلَّمَ فِی سُرَادِقِ الْعَرْشِ فَقَالَ یَا رَبِّ مَا هٰذَا النُّوْرُ۔ قَالَ هٰذَا نُوْرُ نَبِیٍّ مِنْ ذُرِّیَّتِكَ اِسْمُهٗ فِی السَّمَاءِ اَحْمَدُ وَفِی الْاَرْضِ مُحَمَّدٌ۔ لَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُكَ وَلَا خَلَقْتُ سَمَاءً وَّلَا اَرْضًا (مواہب لدنیہ صفحہ ج ۱) آدم علیہ السلام نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پردوں میں ایک نور دیکھا۔ عرض کی اے رب یہ نور کیسا ہے؟ فرمایا۔ یہ نور ایک نبی کا ہے جو تمہاری اولاد میں سے ہوں گے۔ ان کا نام آسمان میں احمد ہے اور زمین میں محمد اگر وہ نہ ہوتے تو میں نہ تمہیں پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان کو۔"

دوستو! پھر اسی نور سے حضرت آدم علیہ السلام مشرف فرمائے گئے اور یہ نور پاک آدم علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی پیشانی کے خطوط سے ایک باریک آواز سننے لگے۔ اور آپ نے خدا سے پوچھا کہ الٰہی! یہ کیسی آواز ہے تو خدا نے جواب دیا۔

هٰذَا تَسْبِیْحُ مُحَمَّدٍ وَّلَدِكَ۔ یہ تمہارے فرزند محمد کی آواز ہے۔ (صلے اللہ علیہ وسلم)

میرے بزرگو! سب جانتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو سارے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اور آپ سارے فرشتوں کے مسجود بن گئے۔ یاد رکھئے اسی نور پاک کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ بن گئے۔ اور شیطان لعین بھی اسی لئے مردود ہوا۔ کہ اس بے ایمان کو آدم علیہ السلام محض مٹی کا جسم نظر آئے اور اسے نور محمد نظر نہ آیا۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں ؎

گر دو دید ابلیس گفت ایں فرع طیں
چوں فزاید بر من آتش جبیں

یعنے ابلیس کو مٹی نظر آئی اور اس نے کہا کہ میں تو آگ ہوں پھر یہ مٹی کیسے بڑھ سکتی ہے؟

مردود کو مٹی نظر آئی اور "بشریت" تک ہی اس کی نگاہ رک گئی اور نور کو وہ دیکھ نہ سکا

اسی لئے مردود ہو گیا۔ حضرات! آج بھی بے ادب اور گستاخ لوگ حضور منبعِ النور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا ایک بشر ہی خیال کرتے ہیں اور نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ انہیں گستاخوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں ؎

گر نہ فرزندِ بلیسی اے عنید!
پس بتو میراثِ آں سگ کے رسید

یعنی اے گستاخِ رسول اگر تو ابلیس کا فرزند نہیں
تو پھر تجھے یہ ابلیس کی وراثت (یعنے انبیاء کو اپنی
مثل بشر سمجھنا) کیسے مل گئی؟

لطیفہ دوستو! گستاخانِ رسالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ اور حضور کو نور تسلیم نہیں کرتے۔ اس موقعہ پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا ایک سنی بھنگی قسم کے ایک گستاخ سے حضور کے نور ہونے پر بحث کر رہا تھا۔ سنی کہہ رہا تھا کہ ہمارے حضور اللہ کے نور ہیں اور گستاخ کہہ رہا تھا نہیں وہ تو ہمارے ہی جیسے ایک بشر تھے۔ دو ہاتھ ان کے تھے۔ دو ہمارے۔ دو آنکھیں ان کی تھیں، دو ہماری۔ دو کان ان کے تھے، دو ہمارے پھر فرق کیا رہا۔ اتنے میں وہاں ایک خوش پوش بھنگی آ گیا وہ یہ بحث سن کر گستاخ سے کہنے لگا کہ اس مسئلہ پر مجھ سے گفتگو کر لو۔ گستاخ نے کہا اچھا تم ہی گفتگو کر لو۔ وہ بھنگی کہنے لگا کہ کھانے کا وقت ہو رہا ہے اور ہوٹل وہ سامنے ہی ہے چلئے پہلے کھانا کھا لیں۔ پھر گفتگو کریں گے۔ گستاخ نے کہا اچھی بات ہے یہ کہہ کر دونوں ہوٹل میں گئے گستاخ کو علم نہ تھا کہ یہ بھنگی ہے۔ اس بھنگی نے کھانا منگوایا۔ اور دونوں مل کر کھانے لگے تھوڑی دیر کے بعد بھنگی بولا کہ پہلے میرے متعلق کچھ کہہ دوں آپ کو یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ میں بھنگی ہوں۔ گستاخ یہ بات سنتے ہی بولا "لاحول ولا قوۃ" اور ایک دم اٹھ بیٹھا۔ بھنگی بولا۔ قبلہ! یہ کیا؟ گستاخ بولا۔ کم بخت تو نے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تو بھنگی ہے۔ بھنگی نے جواب دیا۔ مگر جناب! بھنگی ہی سہی! آخر میں بھی تو تمہاری مثل ایک بشر ہی ہوں۔ دو ہاتھ تمہارے دو میرے۔ دو کان تمہارے دو میرے۔ دو آنکھیں تمہاری دو میری پھر فرق کیا رہا؟ گستاخ نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ مگر تو بھنگی ہے اور میں مسلمان: بھنگی نے کہا۔ اور اسی طرح حضور نور اور تو بشر۔ اور گستاخ یہ جواب سن کر شرمندہ ہوا۔

میرے بھائیو! اپنا ایمان بچاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نہیں اپنی مثل

کہنا بڑی گستاخی ہے۔ دیکھ لو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بھی نور فرمایا۔ اور خود حضور نے بھی اپنے نور ہونے کا اعلان فرمایا اور یہ بھی آپ نے سن لیا کہ ہر شے سے پہلے اسی نور کو پیدا کیا گیا۔ تو پھر کیوں نہ کہا جائے کہ حضور نور ہیں اور سارے عالم کے لئے موجب ظہور ہیں۔ اسی نور کے فیض سے سب کچھ بنا اور اسی نور کے واسطے سب کچھ بنا ہے

وہی نور حق وہی ظلِ رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں!

ظہور نور مسلمانو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور بھی دیکھئے۔ سراپا نور ہی نور ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نور پاک ابھی حضور کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پشت انور ہی میں ہے۔ اور آپ کی پیشانی اس نور کی تنویر سے چمک رہی ہے۔ کہ ایک دفعہ مکے کی ایک جاننے بوجھنے والی عورت نے آپ کو دیکھا تو آپ سے کہنے لگی کہ آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ میں والدین کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا پھر اس کے بعد جب حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہو گیا۔ اور یہ نور پاک حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن انور میں منتقل ہو گیا۔ تو کچھ دنوں کے بعد آپ اسی راستے سے گزرے۔ تو اس عورت نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور منہ پھیر لیا۔ حضرت عبداللہ نے اس سے منہ پھیر لینے کی وجہ پوچھی تو وہ بولی۔

لَقَدْ رَاَیْتُ بَیْنَ عَیْنَیْكَ نُوْرًا مَا اَرَاہُ الْاٰنَ
(خصائص کبریٰ صفحہ ج۱) میں نے آپ کی پیشانی
میں جو نور دیکھا تھا۔ وہ اب مجھے نظر نہیں آتا۔

وہ جس کے نور سے تیری چمکتی تھی یہ پیشانی!
اُسی کی تھی میں طالب اور اسی کی تھی میں دیوانی
مگر میں رہ گئی محروم قسمت میری پھوٹی ہے
سنا ہے کہ وہ نعمت آمنہ نے تجھ سے لوٹی ہے

یہ نور پاک ابھی بطن مادر ہی میں ہے کہ والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضور کے دادا جان حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کے انتقال کے بعد یہ معمول بنا لیا۔ کہ رات کو اٹھتے اور خانہ کعبہ کا طواف

کرتے اور رو کر یہ دعا کرتے سے

دعا یہ تھی کہ یارب نعمت موعود مل جائے!
بنی ہاشم کا مرجھایا ہوا گلزار کھل جائے

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ ولادت کی شب میں نے ایک نورانی گروہ آسمان سے اترتے دیکھا۔ جن کے پاس تین نورانی جھنڈے تھے۔ انہوں نے ایک جھنڈا تو کعبے پر گاڑ دیا۔ اور ایک بیت المقدس پر ایک میرے مکان کی چھت پر گاڑ دیا۔

پھر میں نے دیکھا۔ کہ آسمان کے ستارے بھی میرے مکان کی طرف جھکے پڑتے ہیں

وَامتلأت الدُّنیا نورًا (نزہتہ المجالس ص۸۲ ج۲)

ساری دنیا نور کے ساتھ بھر گئی۔

حضرت عبدالمطلب تب طواف کعبہ میں مشغول تھے اور دعا مانگ رہے تھے سے

اچانک صبح کی پہلی کرن ہنستی ہوئی آئی!
مبارک باد کعبہ کہ یہ خبر دادا کو پہنچائی!
ملا ہے آمنہ کو فضلِ باری سے یتیم ایسا
نہیں ہے بحرِ ہستی میں کوئی دُرِّ یتیم ایسا!

آپ نے یہ بشارت سنی تو آپ دوڑ کر گھر آئے اور مقدس پوتے کو گود میں اٹھا لیا سے

زہے پرستش بلا کے نشان معلوم ہوتے تھے
کہ ان کی گود میں دونوں جہاں معلوم ہوتے تھے
سنہرے دوشِ عزت کے جام سے مخمور بیٹھا تھا!
چھپا کر آج پہلو میں خدا کا نور بیٹھا تھا
کہا دادا نے اے بچی میرا پوتا محمد ہے
تو دنیا بھر کے انسانوں سے اعلیٰ اور امجد ہے

مسلمانو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب اس عالم میں تشریف لائے ہیں۔ تو حضور کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے یہ ایک نور دیکھا جس کی روشنی میں حضرت آمنہ کو ملک شام کے محلات نظر آنے لگے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ جب میں پیدا ہوا۔ تو

قَدْ خَرَجَ لَهَا نُوْرًا اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ (مشکوٰۃ شریف صہ ۵۰۵) میری والدہ کیلئے ایک ایسا نور ظاہر ہوا۔ جس سے ان کے سامنے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے ؛

اور حضور کی والدہ محترمہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں :۔

انہ خرج منی نورٌ اَضَاءَتْ لِی قصور الشام (خصائص کبریٰ صہ ۱۵۔ ج ۱) بوقت ولادت شریفہ میرے لئے ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس سے میرے لئے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔

صاحب اکرام محمدی اس موقعہ پر لکھتا ہے ؎

وقت تولد صبح دے اندر آیا نبی سوہارا
جاں نور نبی دے کولوں نکل گیا چمکارا
شام ملک سب نظری آیا حضرت آمنہ تائیں
ہر ہر شہر جو شام زمینے ہر وستی ہر جائیں

دیکھا آپ نے کہ ولادتِ طیبہ سرتاپا نور ہی نور ہے۔

جیسا دیس ویسا بھیس

میرے بزرگو! ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور یقیناً نور ہیں اور اس عالم میں جو آپ لباسِ بشریت میں تشریف لائے۔ تو یہ محض لباس ہے اور لباس کے بدل جانے سے حقیقت نہیں بدلا کرتی۔ دیکھئے۔ زید نے یورپ میں جا کر کوٹ پتلون پہنی اور پاکستان میں آکر شیروانی وشلوار پہن لی پنجاب میں آکر سر پر عمامہ باندھا۔ اور یو۔پی میں جا کر ہلکی پھلکی ٹوپی پہن لی۔ اور بنگال میں پہنچکر ننگے سر ہی پھرنے لگے تو ان سب صورتوں میں جیسا دیس ویسا بھیس کے مطابق لباس بدلتا رہے گا۔ مگر زید وہی زید کا زید ہی رہے گا۔ تو اسی طرح بلاتشبیہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ آپ کا نور ساری مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا گیا۔ اور جب آپ اس عالم میں تشریف لائے تو آپ نے اس عالم کا لباس۔ لباس بشریت زیب تن فرمایا تو اس لباس بشریت کے زیب تن فرمانے سے حضور کے نور ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا بلکہ

آپ پہلے بھی نور تھے اور اب بھی نور ہی ہیں۔

نورانی بشریت

میرے بزرگو اور عزیزو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ نور ہیں اس لئے آپ کا لباس بھی نورانی لباس ہے، اور آپ کی بشریت بھی نورانی بشریت ہے۔ حضور کی بشریت ما و شما کی سی بشریت نہیں بلکہ وہ ایک بے مثل و بے نظیر اور نورانی بشریت ہے۔ رُخِ انور مظہرِ نورِ حق ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ مَنْ رَآنِی فَقَدْ رَأَى الْحَق۔ جسم انور مشک و عنبر کی خوشبوؤں کا معدن ہے۔ چنانچہ دور و نزدیک کے شیدائی و فدائی اسی خوشبوئے دلآویز کے پتہ و نشان سے اور کسی سے پوچھے بغیر خوشبو کی رہنمائی میں ہی حضور کی خدمت میں پہنچ جاتے۔ اور دولتِ دیدار سے مشرف ہو جایا کرتے تھے ؂

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیِ رحمت کا قلمدان گیا

اور اب تک مدینہ منورہ کے در و دیوار کو ایک خوشبوئے خاص حاصل ہے جو مشک و عنبر میں بھی نہیں ہے۔ کسی شاعر نے کیا اچھا لکھا ہے کہ ؂

زلفِ نبی کی خوشبو سے جائے گزر صبا وہاں
شرمندہ مشک ہو کر ملکِ ختن سے نکلے

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جس طرح سامنے دکھائی دیتا تھا اسی طرح پیچھے سے بھی دکھائی دیتا تھا۔ اہلِ لطائف نے لکھا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک شمع ہدایت ہیں اور شمع ؟ ؂

نورِ عالم میں کہاں اس کا نہیں بتلاؤ ؟
پُشت و روئے شمع کا ہوتا ہے کہیں بتلاؤ ؟

چشمِ انور بظاہر خواب میں ہوتی مگر دل مشاہدۂ انوار و اسرار میں بیدار ہوتا چنانچہ فرمایا۔ تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔ یعنی میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا ؂

بادشاہِ شہرِ یٰسین آپ ہیں — گوہرِ دریائے طٰہٰ و یٰسین آپ ہیں
ہے اَبِیتُ عِنْدَ رَبِّی آپ کی شاں — لَا یَنَامُ قَلْبِی ہے خوابِ گراں

جسمِ انور کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، اس لئے کہ آپ نور تھے اور آپ کی ذات کا

نور آفتاب کے نور پر غالب تھا۔ مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

سایہ نبودت بر زمین ہیچ کس — نور بود سایۂ خورشید و بس
جانش زآلائش تن پاک بود — سایہ میندا خت بریں خاک زود
عکس جمال تو نمود آفتاب — سایہ دونہ آمدہ زاں در حجاب

ان اشعار کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔

تھا نہ سایہ اس کا یہ مشہور ہے! — سایۂ خورشید کیا ہے نور ہے!
جان تھے آلائش تن سے وہ پاک — اس لئے سایہ نہ تھا بالائے خاک
نور خور بس نور سے مغلوب تھا — سایہ اس کا اس لئے محجوب تھا

حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہر شخص سے اونچے معلوم ہوتے تھے اگرچہ وہ کتنا ہی بلند قامت ہوتا ؎

جس کے آگے سر سروراں خم رہیں!
اس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام

حضور کے بدن پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ آپ کا سایہ نہ تھا۔ حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں:۔

وَكَانَ عَرَقُهٗ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ رواہ ابو نعیم وَاِذَا مَشٰي مَعَ الطَّوِيْلِ طَالَهٗ رواہ البیہقی وَلَمْ يَقَعْ لَهٗ ظِلٌّ عَلَى الْاَرْضِ وَلَا يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ فِيْ شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ ××× وَلَا يَقَعُ عَلٰى ثِيَابِهٖ ذُبَابٌ قَطُّ وَلَا يَمْتَصُّ دَمَهُ الْبَعُوْضُ وَمَا اَذَاهُ الْقُمَّلُ (مواہب لدنیہ ص۲۹۸ ج ۱)

حضور کا پسینہ مسک سے بھی زیادہ خوشبودار تھا۔ اور حضور جب کسی لمبے آدمی کے ساتھ چلتے تو حضور ہی اس سے لمبے نظر آتے اور حضور کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اور نہ آپ کا سایہ چاند اور سورج کی روشنی میں نظر آتا تھا اور آپ کے کپڑوں پر مکھیاں نہ بیٹھتی تھیں اور مچھر بھی آپ کو نہیں کاٹتا تھا اور جوئیں بھی اذیت

نہیں دیتی تھیں؛

الغرض، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بشریت مقدسہ ایک بے مثل بشریت ہے ۔

زہے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری شکل کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم

ارشادِ رومی آجکل کے بے ادب اور گستاخ یہ کہتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں کہ ہم بھی کھاتے ہیں حضور بھی کھاتے تھے۔ ہم بھی پیتے ہیں۔ حضور بھی پیتے تھے۔ پھر وہ ہمارے جیسے بشر نہ ہوتے تو کیا ہوتے ؟

میرے دوستو! اس کا جواب مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک شعر میں یہی دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ۔

ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا
واں خورد گردد ہمہ نور خدا!

یعنے یہ جو کچھ کھاتے پیتے ہیں۔ دیکھو اس کی نجاست بن جاتی ہے۔ روٹی کھائیں تو اس کا پاخانہ بن جائے۔ پانی پئیں تو اس کا پیشاب بن جائے۔ مگر وہ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ تناول فرماتے ہیں اس کا نور خدا بن جاتا ہے۔ پھر یہ کس منہ سے ان کی ہمسری کا دعویٰ کرتے ہیں!

حضور کا بول مبارک میرے بھائیو! ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت پیاس معلوم ہوئی تو انہوں نے ایک برتن میں پڑا ہوا پانی پی لیا۔ صبح پتہ چلا کہ وہ جسے ام ایمن نے پانی سمجھ کر پی لیا تھا وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک تھا۔ جو حضور نے اس رات ایک جانب خانہ میں کسی برتن میں فرمایا تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ معلوم کر کے ام ایمن سے فرمایا۔

اَمَا وَاللّٰہِ لَا یَتَّجِعَنَّ بَطْنُکِ اَبَدًا (کنز العمال صفحہ
(خصائص کبریٰ صفحہ ج) بخدا آج سے تیرا پیٹ کبھی درد
نہ کرے گا۔

دیکھا آپ نے میرے بھائیو! یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک ہے جو پیٹ کی بیماریاں کھو رہا ہے۔ گویا میرے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک بھی دفع بلا فرماتا ہے اور ہمارے لئے شفا ہے اور ایک یہ ہیں جن کے تھوک کے لئے بھی بیل گاڑیوں

میں لکھا ہوتا ہے کہ تھوکو مت! اس سے ہماری پھیلتی ہے۔ گویا حضور کا بول مبارک بھی شفاء اور ان کا لعاب دہن بھی دوا۔ پھر ان کا ان کی ہمسری کا دعویٰ کیا۔ اس شعر کا مصداق نہیں کرتے

خدا کی شان تو دیکھو کہ گلچڑی کنجی !
حضور بلبل بستاں کرے نوا سنجی

حسن وجمال نور

میرے بزرگو! اصحابہ کرام علیہم الرضوان سے پوچھئے کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نورانی حسن وجمال کا کس انداز میں ذکر فرماتے ہیں حضرت ابو ہند بن ابی ہالہ فرماتے ہیں :-

یَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ - حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا ۔

(شمائل ترمذی ص۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک روشن رات میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضور ایک سرخ رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے تشریف فرما تھے۔ میں ایک نظر آسمان پر چودھویں کے چاند کی طرف کرتا اور ایک حضور کے چہرۂ انور کی طرف ۔

فَاِذَا ھُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ - تو حضور کا چہرۂ انور مجھے چودھویں کے چاند سے زیادہ حسین وجمیل نظر آتا تھا ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۱)

دیکھا آپ نے حسن وجمال نور صلے اللہ علیہ وسلم کہ چاند بھی ماند ہے سہ

چاند سے تشبیہہ دینا کیا یہی انصاف ہے
اس کے منہ پر چھائیاں حضرت کا چہرہ صاف ہے

اس حسن وجمال نور کی تنویر نے عالم کا ذرہ ذرہ چمکا دیا سہ

نور اندر نور باہر کوچہ کوچہ نور ہے !
بلکہ یوں کہیئے کہ سب دنیا کی دنیا نور ہے

تنویر نور

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فیضِ نور ہے۔ کہ جس پر نظر کرم پڑ گئی۔ اُسے بھی روشن کر دیا۔ چنانچہ ایک شب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور کی مجلس سے اٹھے اور اپنے اپنے گھر جانے لگے تو اندھیری رات تھی حضور

صلے اللہ علیہ وسلم کے اعجاز سے ان کی لاٹھیاں چمکنے لگیں اور وہ اُن لاٹھیوں کی روشنی میں اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے۔ یہ حدیث خصائص کبریٰ کے صفحہ ۶۷ پر دیکھ لیجئے۔ معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور وہ جس کو چاہیں اپنے اس فیض نور سے مستنیر و روشن فرما دیتے ہیں اور جو یہاں آتا ہے۔ اس فیض نور سے حصہ لے کر جاتا ہے۔ سبحان اللہ!.....
اعلیٰ حضرت نے اپنے قصیدۂ نور میں کیا اچھا لکھا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا!
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

اس شعر میں لفظ "توڑا" قابلِ داد ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس لفظ کو ہر دو مصرعوں میں مختلف معنوں میں استعمال فرمایا ہے۔ پہلے "توڑا" سے مراد "حصہ" ہے۔ اور دوسرے "توڑا" سے مراد "نقصان" ہے۔ ان دونوں معنوں کو پیشِ نظر رکھ کر پھر یہ شعر پڑھیئے ؎

جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اسمیں توڑا نور کا

الغرض ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور آپ کے فیض نور سے دنیا کا ہر صاحب کمال مستفید و مستنیر ہے اور آپ کا حسن و جمال اس قدر بے مثل و بے نظیر ہے کہ چودھویں کا چاند بھی اس کے سامنے ماند ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال مشہور ہے۔ مگر ؎

اے دبیلِ علی گرمئی بازار محمدؐ!
یوسف بھی ہے سو جاں سے خریدار محمدؐ

حُسنِ مستور ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جو حسن و جمال ہے۔ حق تعالیٰ نے اُسے کئی پردوں میں مستور فرمایا ہے۔ ورنہ کس کی مجال تھی کہ وہ اس حسن نور کی تاب لا سکتا۔ با وجود حسن مستور ہونے کے اس حسن نور کا یہ عالم ہے کہ ؎

کاہے برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہیں مگر دیکھنے کی تاب نہیں

اور اگر وہ حسن نور حسن مستور نہ ہوتا۔ تو کیا ہوتا؟ سنیئے! حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ سنیئے! یہ واقعہ مغنی الواعظین میں درج ہے اور اسے پنجابی شعر میں

میں پیش کرتا ہوں۔ سنئیے ؎

اک دن صدیقہ نے کہیا، نال ادب یا حضرت
برکت نور تساڈے تھیں رب کیتی ساری خلقت
کی موجب ہے دسّو مینوں ہے اک مطلب میرا
حسن تساڈے تھیں یوسف داکیوں سی حسن ودھیرا
ایہہ گل سُن حضرت فرمایا بی بی خیر نساء نوں
سن میں اج ہاں ظاہر کردا مخفی راز خدا نوں
چہرے انور میرے اُتے خالق پاک الٰہی!
پردے پا ہزار ہزاراں اصلی شکل چھپائی
جے اک پردہ رُخ میرے تھیں خالق پاک اٹھاوے
تابش جھل نہ سکے کوئی چن سورج چھپ جاوے
بی بی کہندی حضرت رب تھیں پردہ اک اٹھواؤ!
مینوں اوہ نورانی چہرہ اصلی آپ وکھاؤ!
جبرئیل فرشتہ فوراً خدمت اندر آیا
حضرت دے رخ انور تھیں اک پردہ آن اٹھایا
اجے جیہی منہ تھیں ایسا شعلہ ہویا ظاہر!
تابش جھل نہ سکی بی بی نس جھج نکلی باہر
جاں پھر پردہ جیوں اگے سی صورت اپر آیا!
صدیقہ نوں ہسدیاں ہسدیاں حضرت نے فرمایا
میری صورت ویکھیں دسیں جدوں پیا لشکارا
کیوں مجھ تھیں باہر ہوئیوں اکو دیکھ نظارا
بی بی کہندی یا حضرت جی جدوں پیا لشکارا
میں جیا تا مجھے اگ لگی سڑ دا عالم سارا

تو میرے دیاتیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن نور حسن مستور ہے اور اس حسن مستور کے جلووں کا بھی یہ عالم ہے کہ ؎

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

حضرت یوسف علیہ السلام اور قحط سالی

حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے بادشاہ ہوئے تو ایک مرتبہ ملک میں قحط پڑ گیا۔ یوسف علیہ السلام نے اعلان عام فرما دیا کہ جس کسی کو گندم کی ضرورت ہو وہ سرکاری خزانے سے آکر گندم لے جائے۔ چنانچہ ہر ضرورت مند سرکاری خزانے میں آنے لگا اور حسب ضرورت وہاں سے گندم پانے لگا۔ اتفاق دیکھئے کہ اگلی فصل کو ابھی تین مہینے باقی تھے کہ سرکاری خزانے میں بھی گندم ختم ہو گئی۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی فکر پیدا ہوئی کہ یہ تین مہینے کیسے نکلیں گے؟ اسی فکر میں تھے کہ ؎

اوسے وقت جناب الاہوں وحی پیام لیاندا
یا نبی اللہ حکم تساڈوں پاک خدا فرماندا
برقعہ کھول زیارت بخشو جو بھکھا بھی آوے
دیکھ جمال مبارک تیرا بھکھ تمامی جاوے

سُبحان اللہ! ایک یہ نبی کا چہرہ ہے کہ بھوکا دیکھے تو بھوک جاتی رہے اور ایک ان اپنی مثل کہنے والوں کا منحوس چہرہ بھی ہے کہ اگر شومئی تقدیر سے نظر آجائے تو سارا دن روٹی ہی نہ ملے۔ ہاں تو شاعر لکھتا ہے کہ لوگ تین مہینے تک حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کرتے رہے اور اسی زیارت سے سیر ہوتے رہے۔ شاعر نے یہ واقعہ لکھنے کے بعد جو آخری مصرعہ لکھا ہے۔ وہ قابلِ داد ہے۔ لکھتا ہے ؎

ترے مہینے رجی خلقت دکھ یوسف کنعانے
جنہاں محمد عربی ڈٹھا رہیں جہانے

سُبحان اللہ! سُبحان اللہ!! کیا اچھا تھا ہے کہ جنہوں نے حضور کے رُخِ انور کو دیکھ لیا۔ بس وہ دو جہان سے بے نیاز ہو گئے۔ الٰہی ہمیں اسی رُخِ انور کا فدائی و شیدائی رکھ اور جب دم نکلے تو یہی چہرۂ نور ہمارے سامنے ہو۔ آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ساتواں وعظ

معراج شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۞ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۞

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ (پ ۱۵ ع ۱)

پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اُسے اپنی عظیم نشانیاں

دکھائیں۔ بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ہے "معراج شریف" ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات میں سے ایک بہت بڑا معجزہ یہ معراج شریف بھی ہے۔ شب معراج حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جاگتے ہوئے جسم شریف کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے جانا اور اپنے خالق کا دیدار اور مکان و مکین کے علوم و اسرار پاکر آن کی آن میں واپس آجانا۔ بے شک ہماری حد عقل سے باہر ہے اور یہ عقل حیران ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر یہ ہمارے ایمان میں ضرور داخل ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ بیشک حضور صلے اللہ علیہ وسلم جاگتے ہوئے جسم شریف کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے آسمان پر اور پھر عرش پر تشریف لے گئے اور دیدار و اسرار پاکر آن کی آن میں واپس بھی اس طرح تشریف لے آئے کہ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم!
اک دم میں سر عرش گئے آئے محمدؐ

معجزہ | معجزہ کہتے ہی اُسے ہیں جو عقل کو عاجز کر دے جو بات عقل میں آجائے۔ وہ معجزہ ہی نہیں من بھر دودھ وہی ہے جو پاؤ بھر پیالی میں نہ سما سکے اور جو دودھ پاؤ بھر پیالی میں آگیا وہ دودھ من بھر ہے ہی نہیں۔ معجزہ وہی ہے جو ہماری محدود عقلوں میں نہ آسکے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے جس قدر بھی معجزات ہیں۔ وہ اگرچہ ہماری محدود عقلوں میں نہیں آسکتے۔ مگر ہمارا ان پر ایمان ضرور ہے۔ اور ہم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کو تسلیم کرتے ہیں تو جس خدا نے طور کی چوٹی پر حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو شرف ہمکلامی بخشا۔ اسی نے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو عرش کی بلندی پر شرف دید و کلام سے نوازا جس خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک دریائے عظیم کو چیر کر اس میں خشک راستہ بنا دیا اسی خدا نے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے فرش سے عرش تک کے جملہ موانع کو ہٹا کر ایک ایسا نورانی راستہ تیار فرما دیا جس پر سے حضور پر نور تشریف لے بھی گئے اور آ بھی گئے۔ جس قادر مطلق کی قدرت نے حضرت خلیل علیہ السلام کے لئے بھڑکتے ہوئے شعلوں اور دہکتے ہوئے انگاروں کو گلستان بنا دیا۔ اسی خدا نے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے زمانہ کی گردشوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور حضور آن میں سب گزر گئے۔ ایک مومن جب جبریل

علیہ السلام کا آسمانوں کی بلندیوں سے زمین پر آجانا تسلیم کرلیتا ہے۔ تو خود مہبط جبریل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا زمین سے بلندیوں پر تشریف لے جانا کیوں تسلیم نہ کرے گا؟

میرے بھائیو! مسلمان کی عقل اس کے ایمان کی تابع ہے۔ یعنی مسلمان کی عقل بھی مومن ہے لہذا عقل سلیم کا تو یہی اعلان ہے کہ ؎

سرکار نے کیں منزلیں طے مع جسد پاک   سرکار نے ہر چیز کو دیکھا شب معراج
جس کی کسی انسان نے پائی نہ ہوا بھی   وہ مرتبہ سرکار نے پایا شب معراج
جو طالب و مطلوب میں تھے اٹھ گئے پردے
جو راز تھے سب ہو گئے ہیں وا شب معراج

بے وقوف عقلمند آجکل کے مدعیان عقل و فراست معجزہ کے باب میں اکثر عجیب بے وقوفی کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ حضور اوپر کیسے چلے گئے پھر آن کی آن میں واپس کیسے آ گئے کہ بستر بھی گرم پایا اور زنجیر بھی ہلتی پائی۔ آسمان میں کوئی راستہ نہیں۔ آپ آسمانوں میں سے کیسے گزرے؟ راستے میں آگ کے کرے آتے ہیں۔ اُن میں سے کیسے نکل گئے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے گئے اور آئے اور خدا جس نے اپنے محبوب کو بلایا تھا۔ وہی راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کرنے والا تھا۔ اب جو واقعی عقلمند ہے وہ تو ایمان لے آئے گا۔ اور جو بے وقوف عقلمند ہے وہ اپنی عاجز عقل ہی کی دم پکڑے رہے گا۔

ہمالیہ کی چوٹی ابھی کل کی بات ہے کہ جن سنگھ ایک نیپالی آدمی جو مسلمان بھی نہیں ہے اس نے کہا کہ میں ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی پر چڑھ گیا ہوں تو ان "عقلمندوں" نے بغیر کسی حیل و حجت کے فوراً اُس کی بات مان لی۔ اور تقریروں میں، اخباروں میں اس کے اس کارنامے کا چرچا کرنے لگے۔ یہاں کسی کی بھی تو عقل آڑے نہ آئی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ دنیا کی بلند ترین چوٹی پر جن سنگھ چڑھ جائے۔ پھر جن سنگھ نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ میں اس چوٹی پر چڑھتے ہوئے ایک جگہ ۳۶ گھنٹے بھوکا پیاسا کھڑا رہا۔ اس پر بھی کسی "عقلمند" کی عقل نے اعتراض نہ کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں اس عقل کو ان "عقلمندوں" نے معجزات انبیاء کے انکار کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ جن سنگھ کا کہنا کہ میں دنیا کی بلند ترین چوٹی ہمالیہ پر چڑھ گیا ہوں)۔ یہ تو فوراً تسلیم کر لیتے ہیں اور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم

کا فرمانا کہ میں عرش کی بلندیوں پر تشریف لے گیا۔ ان کی عقل اسے تسلیم نہیں کرتی تو پھر کیوں نہ ایسی عقل والوں کو "بے وقوف عقلمند" کہا جائے۔

چاند تک میرے دوستو! اس دور میں یہ لوگ ہمارے سامنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج پاک کا انکار کرتے ہوئے شرماتے بھی نہیں۔ حالانکہ آجکل یہ لوگ خود اس بات کا پراپیگنڈا کر رہے ہیں کہ عنقریب ایک ایسا راکٹ تیار ہونے والا ہے۔ جس پر سوار ہو کر ہم چاند تک پہنچ جائیں گے۔ حتیٰ کہ اخبارات میں یہ خبریں بھی آنے لگیں کہ امریکہ و یورپ میں بعض لوگ چاند میں اپنے اپنے نام زمینیں الاٹ کرا رہے ہیں ایک اخبار میں میں نے پڑھا کہ امریکہ کے ایک پادری صاحب نے چاند میں ایک قطعہ زمین خریدی ہے اور اعلان کیا ہے کہ میں اس قطعہ میں گرجا بناؤں گا۔ اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین سے چاند تک کے راستے میں کئی سٹیشن بنائے جائیں گے۔ ویٹنگ روم بھی تعمیر کئے جائیں گے۔ ہوٹل۔ سیر گاہیں اور عیش و عشرت کے سارے سامان مہیا کئے جائیں گے۔ تو کیوں بھائیو! ان خبروں پر بھی، کسی بے وقوف عقلمند کی رگ سائنس پھڑکی؟ نہیں! بلکہ ان خبروں کی تائید امکان میں یہ لوگ مضمون لکھتے ہیں تو کیا یہ ساری خبریں، یہ ان کے سارے مضامین اور یہ ان کے سارے مضامین اور یہ ان کے ارادے میرے آقا و مولیٰ حضور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی اس تحقیقی و واقعی سیر معراج کے مؤید نہیں ہیں؟ یہ تو کوئی ایسا راکٹ بنانا تے ہی بنائیں گے مگر خداوند تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لئے یقیناً ایک ایسا براق پیدا فرما دیا تھا جو ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو آن کی آن میں چاند سے بھی کہیں دور آگے لے گیا۔ اور ہمارے حضور اس چاند کے بھی خالق تک جا پہنچے۔ مومن کی عقل کا تو یہی فتوےٰ ہے۔ کہ اگر سائنس کا راکٹ تمہیں چاند میں لے جا سکتا ہے تو خدا کی قدرت کا راکٹ حضور کو چاند سے بھی آگے لے جا سکتا ہے اور یہ چاند اور سورج راستے ہی میں رہ جاتے ہیں۔ کسی نے ایک شاعر نے لکھا ہے کہ ؎

ماہ و انجم نے سرِ راہ بچھا دیں آنکھیں
کیونکہ ہے قصہ اسریٰ کا سفر آج کی رات
کہکشاں جلوہ فشاں ہے اسی رستے سے
ہونیوالا ہے محمد کا گزر آج کی رات

اوپر جانا

"بے وقوف عقلمندوں" کا یہ اعتراض کہ حضور کا مع الجسم اوپر تشریف لے جانا خلافِ عقل ہے۔ بجائے خود خلاف عقل ہے اس لئے کہ عقل ہی نے بتایا ہے کہ حرکت کی دو قسمیں ہیں۔ حرکت طبعی اور حرکت قسری۔ طبعی تو وہ ہے جو طبیعت کے اقتضاء سے واقع ہو۔ جیسے گیند کی طبیعت کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ اوپر سے نیچے کو آئے۔ اور قسری یہ ہے کہ کسی مانع کی تحریک سے خلاف طبیعت حرکت کرے۔ جیسے وہی گیند بلّے کی ٹھوکر سے بجائے اوپر سے نیچے کی طرف آنے کے نیچے سے اوپر کو بطرز حرکت کرنے لگتی ہے تو جب ایک گیند کا اوپر جانا خلاف عقل نہیں۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اوپر تشریف لے جانے میں کیا استحالہ ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ گیند اوپر جا کر ٹھہرتی نہیں ہے۔ فوراً نیچے آجاتی ہے تو حضور کے متعلق ہم کب کہتے ہیں کہ آپ وہاں ٹھہر گئے۔ آپ تو اس قدر جلد واپس تشریف لے آئے کہ زنجیر در بھی بدستور ہل رہی تھی اور بستر استراحت بھی اسی طرح گرم تھا۔

رہا یہ کہ گیند کا کم بلندی پر جا کر واپس آجانا۔ تو یہ پھینکنے والے کی طاقت پر منحصر ہے ایک چھ سالہ کا بچہ اگر اوپر کی طرف کوئی چیز پھینکے۔ تو وہ بہ نسبت ایک جوان آدمی کے پھینکنے کے کم بلند جائے گی۔ یا یوں سمجھئے کہ ایک شخص نے بانس کی غلیل سے ایک غلہ اوپر پھینکا۔ اور اسی مقابلہ پر دوسرے نے بندوق سے گولی چلائی اور اسی کے ساتھ میں ایک شخص نے توپ کا دہانہ آسمان کی طرف کر کے گولہ چلایا۔ تو غلہ سے گولی اور گولی سے گولہ بہت آگے نکل جائے گا۔ اور یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ بہ نسبت غلیل کے بندوق اور بہ نسبت بندوق کے توپ زیادہ طاقتور ہے۔

بنابریں چونکہ اللہ تعالیٰ تمام طاقتوں سے زیادہ قوت کا مالک ہے اس لئے اس نے حضور کو اتنی بلندی پر پہنچا دیا کہ حضور عرش عظیم پر پہنچ گئے۔ ادھر آج تو ہوائی جہازوں کا زمانہ ہے۔ جو ٹنوں وزن کے ساتھ سینکڑوں فٹ بلندی پر اڑتے پھرتے ہیں۔ ان کی یہ حرکت طبعی نہیں ہے بلکہ یہ سٹیم اور کلوں کے زور سے اوپر چلے جاتے ہیں۔ اور یہ اللہ کے ادنیٰ بندوں کی کاریگری ہے تو کیا وہ خدا جس نے اپنے ادنیٰ بندوں کو یہ قدرت دے دی ہے کہ وہ اپنی عقل سے ہوائی جہاز بنائیں۔ جو اڑ کر چند منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔ ایسا براق پیدا نہیں فرما سکتا۔ جو ایک نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی نورانی پشت پر جگہ کر پل میں فرش سے عرش تک پہنچا دے؟ بس والے اپنی عقل سے پوچھ کر

جواب دیں سے — ہمارا امتحان کرتے ہو لیکن
تمہارا بھی اسی میں امتحان ہے

برق رفتاری حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سرعت سیر پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس قدر طویل سفر اتنی سرعت سے کہ بستر استراحت ویسے کا ویسے ہی گرم کا گرم رہا یہ کیسے ممکن ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے ہی ملک میں پہلے سواری بیل گاڑی تھی۔ جس پر تھوڑا سفر بھی زمانہ دراز میں ہوتا تھا۔ اور آج ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز موجود ہیں جو دنوں کا سفر گھنٹوں میں اور گھنٹوں کا منٹوں میں طے کر لیتی ہیں اور دن بدن ایسے ایسے ہوائی جہاز تیار ہو رہے ہیں۔ جو چند منٹوں میں کئی کئی سو میل کا سفر طے کر لیتے ہیں اور پھر اس سے بھی زیادہ ترقی کرنا ممکن ہے اور یہ سب کچھ اس امر پر دال ہے کہ وقت کے تھوڑے سے حصہ میں ہزاروں میل کا سفر طے کر لینا ممکن ہے۔

سورج کو دیکھئے جغرافیہ دان بتاتے ہیں کہ زمین کا قطر تقریباً آٹھ ہزار میل ہے۔ اور سورج کا قطر زمین کے قطر سے سو گنا سے بھی زیادہ ہے۔ مگر پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ صبح کو جب سورج کا بالائی کنارہ ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس کے بعد بہت جلد انہیں کا کنارہ زیریں بھی نمودار ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سرعت سیر کا جسم مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں پایا جانا از روئے عقل ناممکن نہیں ہے۔

روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی ثانیہ بتائی جاتی ہے۔ جب کہ تمام نور حضور ہی کے نور کے پرتو ہیں تو پھر اس منبع نور وجود مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی سرعت کیوں ممکن نہیں؟

حضور کی سواری براق برق سے ہے اور برق بجلی کو کہتے ہیں اور یہ بجلی تو آج کل لوازمات زندگی سے بن چکی ہے۔ اس کی تیز رفتاری سب کے سامنے ہے۔ ریلوں۔ موٹروں اور ہوائی جہازوں کی تیز رفتاری کو جانے دو۔ گھروں کی بجلیوں ٹیلیفونوں۔ ٹیلی گراموں، اور وائرلیسوں کو دیکھو یہ کتنے تیز رفتار ہیں ان سب چیزوں کی حرکت بجلی سے ہے۔ ہزاروں میل دور بیٹھ کر ٹیلیفون میں بات کرتے ہیں آپ کی اور آپ کے مخاطب کی گفتگو اتنی مسافت سیکنڈ بھر میں طے کر کے آتی اور جاتی ہے یہ کیا بات ہے؟ یہی نا کہ آپ کی باتوں کو بجلی ایک سیکنڈ سے بھی کم مدت میں ہزاروں میل دور پہنچا دیتی ہے۔ ٹیلیفون

میں تو پھر برقی تاروں کا واسطہ ہے۔ وائرلیس میں یہ بھی نہیں۔ کراچی میں بیٹھ کر آپ لندن اور نیویارک میں بھی اپنی آواز دم بھر میں پہنچا سکتے ہیں۔ کس طرح؟ بجلی کی طاقت سے! اور اب تو یہ بجلی متکلم کی تصویر بھی مخاطب تک پہنچانے لگی ہے۔ جسے ٹیلی وژن کہتے ہیں۔ تو یہ آپ کی بجلی ہے اور براق تو خالق بجلی کی اپنے محبوب کے بلانے کے لئے بھیجی ہوئی سواری تھی۔ پھر وہ اگر لحظہ بھر میں حضور کو سیر معراج کرادے تو اس میں کیا تعجب کی بات ہے؟

ہمارے نورِ نظر کی ذرا سرعتِ سیر دیکھیئے کہ ابھی تو ہماری نظر زمین پر تھی اوپر دیکھتے ہی یہ نظر فوراً آسمان پر پہنچ گئی۔ تو جب ہماری نظر کی سرعتِ سیر کا یہ عالم ہے تو حضور جو خدا تعالیٰ کی خاص نظرِ رحمت ہیں وہ آن کی آن میں زمین پر سے عرشِ اعظم پر کیوں نہیں پہنچ سکتے ہماری نظر آسمان تک رک کر رہ گئی اور خدا کی نظرِ رحمت آسمانوں کو بھی عبور کر کے وہاں تک جا پہنچی۔ جہاں کوئی دوسرا نہ پہنچ سکے ؎

تھا براق نبی یا کہ نورِ نظر!
یہ گیا وہ گیا وہ نہاں ہوگیا

کرۂ نار سے کیسے گزر گئے

ایک عقلی شبہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ حضور اگر اوپر گئے تو زمین سے بلند اوپر کی جانب جو آگ کا کرہ ہے اس میں سے آپ بے جلے سالم کیسے گزر گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس خدا نے حضور کو اوپر بلایا اسی خدا نے اس کرہ سے گزر جانے کا انتظام بھی فرمایا۔ وہ قادر مطلق ہے۔ دیکھیئے سمندر کا کیڑا آگ میں رہتا ہے نہ جلتا ہے نہ مرتا ہے اور علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حیوٰۃ الحیوان کے ص۲۹۷ ج ۲ میں شتر مرغ کے متعلق لکھا ہے کہ شتر مرغ آگ کا چنگاڑا نگل جاتا ہے اس کا پیٹ اس آگ کے چنگارے کو بجھا دیتا ہے۔ اور وہ چنگاڑا اسے نہیں جلاتا۔ اسی طرح سمندل کے متعلق علامہ قزوینی نے عجائب المخلوقات میں لکھا ہے کہ وہ ایک ایسا جانور ہے۔ جو شکل میں چوہے سے ملتا جلتا ہے۔ مگر چوہا نہیں ہے۔ اس کے بالوں۔ چمڑے اور گوشت کو آگ ضرر نہیں پہنچاتی۔ چنانچہ ماہ طیبہ شمارہ ستمبر ۱۹۵۲ء کے دلچسپ صفحہ میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے۔ کہ یہ جانور آگ میں رہ کر لذت پاتا ہے۔ جب اس کا جسم میلا ہو جائے تو آگ میں گھس جاتا ہے۔ اور اس کا جسم صاف ہو جاتا ہے۔ اس پرندے کے پروں سے اگر رومال تیار کیا جائے تو وہ رومال میلا ہو جانے پر آگ میں ڈال دیجئے۔ تو

آگ اس کی میل کو جلا دیتی ہے۔ وہ رومال نہیں جلتا۔ سلطان حلب کو دو ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا ایک رومال پیش کیا گیا۔ جو سمندل کے پروں سے تیار کیا گیا تھا۔ سلطان کے حکم سے یہ رومال تیل میں بھگو کر آگ میں ڈالا گیا۔ نتیجہ یہی نکلا آگ نے تیل کو جلا ڈالا اور جب تیل ختم ہو گیا تو آگ بجھ گئی اور رومال ویسے کا ویسے ہی رہا۔

اب زمانہ حال کی ایجادات کو دیکھ لیجئے۔ گیس کے مینٹل جو سوتی جالی سے بنے ہوتے ہیں۔ اس قدر تیز آگ میں رہ کر بھی نہیں جلتے۔ ولائتی آتشبازی کی پھلجھڑیاں جلانے سے ان میں سے آگ نکلتی ہے۔ مگر اس کے آتشی پھول کپڑوں پر گرتے ہیں تو اس سے کپڑے نہیں جلتے۔

تو میرے دوستو! جس خدا نے سمندل پرندے کو آگ میں جلنے سے محفوظ رکھا... شترمرغ کے پیٹ کو آگ کے چنگارے سے نہ جلنے دیا اور پھلجھڑیوں کی آگ سے جلا دینے کی طاقت سلب کر کے ہمارے کپڑوں کو آگ سے بچا لیا۔ اسی خدا نے اپنے محبوب کو آگ کے کرہ سے بن جلے سلامتی سے گزر لیا۔ بتاؤ اس میں کون سی مشکل بات ہے؟

بھائیو! یہ تو حضور کی ذات گرامی ہے۔ خدا کی قسم حضور کے نام میں بھی وہ تاثیر ہے کہ جہنم کی آگ کو بھی سرد کر دے ؎

سرد کر دیں گے عاصی جہنم کی آگ!
مصطفےٰ کہہ کے جس وقت چلائینگے

آسمانوں سے عبور

یک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ حضور آسمانوں میں سے کیسے گزر گئے، جبکہ آسمانوں کا کوئی دروازہ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آسمانوں کے دروازے ہیں۔ جو حضور کے لئے اس رات کھل گئے تھے۔ اور ان لوگوں کو اپنی تسلی کے لئے ایکس رے لائٹ کو دیکھنا چاہیئے۔ جو مریض کے کپڑوں اور اس کے جسم کو بغیر کسی چیر پھاڑ کے عبور کر جاتی ہے اور اندرونی مرض کا فوٹو باہر لے آتی ہے۔ تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ حضور جو منبع الانوار ہیں۔ ان آسمانوں سے خدا کی قدرت کاملہ سے عبور کر جائیں؟

اگر ہماری نظر عینک کے شیشہ سے بغیر توڑ پھوڑ کے پار ہو سکتی ہے تو حضور [illegible] کی نظرِ رحمت ہیں ان آسمانوں سے کیوں پار نہیں جا سکتے؟

مخالف کہتے ہیں کیوں کر نبی افلاک پر پہنچے !
فلک کو در نہیں کیسے وہ عرش پاک پر پہنچے
یہ کہہ دو نور کو حائل نہیں دیوار ہوتی ہے !
نظر شیشے پہ جب پڑتی ہے فوراً پار ہوتی ہے

بستر کا گرم رہنا اس بات پر بھی عقلی شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ اتنا طویل سفر طے فرمانے کے بعد واپسی پر بستر مبارک کا گرم ہی پانا عقل نہیں مانتی۔ حالانکہ انہی لوگوں نے ایک بوتل جسے تھرموس کہتے ہیں۔ تیار کر دی ہے۔ جس میں گرم چائے ڈالو۔ تو چوبیس گھنٹے تک وہ گرم کی گرم ہی رہتی ہے۔ تو کیا رب کائنات اپنے محبوب کے بستر استراحت کو گرم کا گرم نہ رکھ سکتا تھا؟ سچ ہے ع

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

لطیفہ میرے بزرگو! یہ "بے وقوف عقلمند" یورپ کی تو ہر بات چاہے عقل میں نہ بھی آئے۔ مان لیتے ہیں۔ مگر دین کی ہر بات ان کے لئے ناقابل تسلیم ہوتی ہے۔ ان کی مثال اس جنٹلمین جیسی ہے۔ جس کے پاس اس کے گاؤں کا ایک نائی آیا ۔۔۔۔ جنٹلمین نے اس نائی سے پوچھا سناؤ میرے گھر کا کیا حال ہے۔ نائی نے جواب دیا، بابو جی! کیا بتاؤں۔ آپ کی بیوی صاحبہ بیوہ ہو گئی ہیں۔ بابو جی نے یہ سنا تو لگے رونے، اور چلانے۔ محلے والے آئے اور پوچھا کہ کیا ہوا۔ تو بولے کیا بتاؤں۔ یہ نائی میرے گاؤں سے آیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ میری بیوی بیوہ ہو گئی ہے۔ محلے والوں نے یہ سنکر کہا کہ کچھ عقل سے بھی کام لو۔ تمہارے جیتے جی تمہاری بیوی بیوہ کیسے ہو سکتی ہے تو بولے۔ "یہ تو ٹھیک ہے مگر یہ نائی بڑا معتبر ہے۔"

بھائیو! اسی طرح ان بے وقوف عقلمندوں کے لئے یورپ کا نائی بڑا معتبر ہے وہ کچھ بھی ہانک دے یہ مان لیں گے۔ ہاں اگر انکار کریں گے تو دین کی باتوں کا۔

ملحدوں کی بات کو ہنس ہنس کے کر لینا قبول
اور ہنسی دین کی اڑانا آجکل فیشن میں ہے

سُبْحٰنَ حضرات! ابتداء وعظ میں جو میں نے آیت پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سُبْحٰنَ فرمایا ہے۔ خدا کو علم تھا کہ اس کے

محبوب کے اس سفرِ عالی کا سنکر پرستارانِ عقل شور مچا اٹھیں گے۔ اس واقعہ کو غلط بتائیں گے۔ اس واسطے خدا نے اس بے عقلی کا سدِّباب کرنے کو سب سے پہلے لفظ 'سبحان' اختیار فرمایا۔ اور فرمایا "پاکی ہے اُسے" کس چیز سے؟ ہر عجز و بے چارگی سے۔ اور ہر نقص سے! کہ یوں کہا جا سکے کہ لاکھوں برس اور کروروں میل کا سفر حضور نے ایک لمحہ میں کیسے طے کر لیا، اور ایک جسم زمین سے اوپر کیسے چڑھ گیا؟ اور اگر گیا تو آگ کے کرہ سے بچ کر کیسے گزر گیا۔ اور اگر گزر بھی گیا۔ تو آسمانوں میں سے کیسے نکل گیا؟ جب لے جانے والی ذات ہر عجز و بے چارگی سے پاک ٹھہری تو پھر ان شکوک و شبہات کا کیا معنیٰ؟

اَسْرٰی

اس کے بعد اللہ نے پھر 'اسریٰ' فرمایا ہے۔ یعنے پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ 'جو لے گیا' یہ جملہ معراجِ جسمانی کے انکار کرنے والوں کا منہ توڑ رہا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے معراجِ جسمانی کے انکار کی کوئی وجہ ہی باقی نہیں رہتی۔ اس لئے کہ اگر ایک چھ سالہ بچہ ایک بھرے مجمع میں یوں کہے کہ میں خود یورپ اور امریکہ کی سیر کر کے آیا ہوں تو اس بچہ کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنا مشکل ہے مگر جب اس بچہ کا جہاندیدہ، مُسن و معمر باپ اس امر کا اعلان کرے کہ میں اپنے بچے کو یورپ و امریکہ لے گیا اور اسے لندن و پیرس اور نیویارک وغیرہ کی سیر کرائی اور سب کچھ دکھایا۔ تو اب کون بے عقل ہے جو اس بچے کی سیر کا انکار کرے؟ قرآنِ پاک کی فصاحت بھی کیا قابلِ داد فصاحت ہے کہ یوں نہ فرمایا کہ میرا بندہ خود گیا تاکہ عقل کے کچے لوگوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ یوں فرمایا کہ ہم خود لے گئے۔ اور ہم نے سیر کرائی۔ تو اب عقل کے لئے بشرطیکہ عقلِ سلیم ہو بجز تسلیم کے چارہ نہیں کہ خدائے برتر و توانا لیجا سکتا ہے۔ لہٰذا آپ بدنِ عنصری یقیناً گئے۔

بِعَبْدِہٖ

پھر فرمایا: پاکی ہے اسے جو راتوں رات لے گیا اپنے بندے کو۔ یہ لفظ 'عبد' (بندہ) اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع الجسم تشریف لے گئے۔ اس لئے کہ 'عبد' کا اطلاق روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔ دیکھ لیجئے قرآن میں جہاں انسان کے لئے 'عبد' استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں روح و جسم دونوں مراد ہیں۔ مثلاً سورۂ مریم میں ہے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۔ یہ ذکر اس
رحمت کا ہے جو تیرے رب نے اپنے بندہ زکریا
پر کی تھی۔"

یہاں "عبد" سے یقیناً زکریا علیہ السلام مع روح وجسم کے مراد ہیں۔ سورۂ جن میں ہے۔ وَاِنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ۔ یعنی جب اللہ کا
بندہ (حضور علیہ السلام) عبادت کے لئے کھڑا ہوا۔

یہاں "عبد" سے مراد روح اور اس میں جسم اور ہے ایک دوسری جگہ فرمایا۔
اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا۔ یہاں
بھی عبد سے مراد روح مع الجسم ہے۔

تو جب محاورۂ قرآن میں کلمہ "عبد" سے ہر جگہ جسم و روح مراد ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ اس موقعہ اسراء و معراج میں اس کلمہ "عبد" سے حضور کی روح انور مع جسم اقدس مراد نہ ہو۔

لیلاً پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو لے گیا "راتوں رات" یہ "راتوں رات" کی تعیین بھی جسم شریف کی سیر کا اعلان کر رہی ہے کہ روح کی سیر کے لئے کوئی وقت مقرر کرنا موزوں نہیں اور پھر سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح تو ہر وقت ہی انتہائی تقرب خداوندی کے درجہ پر فائز ہے۔ پھر "راتوں رات" کی تخصیص کیسی؟ ہاں جسم شریف کے لئے اس کی تعیین موزوں ہو سکتی ہے کہ جسم پاک کو بھی رات کے ایک حصہ میں انتہائی تقرب خداوندی حاصل ہو گیا۔

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ "مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک" یہ جملہ بھی سیر جسمانی کا اعلان کر رہا ہے۔ کہ روح کے لئے طول زمان و بعد مکان یکساں ہے اور اس کے لئے "ادھر سے ادھر پہنچی" اور یہاں سے چل کر وہاں تک گئی" کے کلمات ہرگز موزوں نہیں یہ محل و مقام اور زمان و مکان کی تحدید و تعیین تو جسم کے لئے ہی ہے تو اس مِنْ اور اِلٰی سے بھی ثابت ہوا کہ حضور نے مع الجسم سیر فرمائی۔

معراج کی حکمت میرے بزرگو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج تک کی بزرگوں نے بہت سی حکمتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کوہ طور پر معجزہ عطا ہوا تو خدا نے اسی وقت فرمایا۔ "اَلْقِ عَصَاكَ" اپنے عصا کو پھینکو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے پھینکا۔ اور وہ پھینکتے ہی سانپ بن گیا اور موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے۔ خدا نے فرمایا۔ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ "اسے پکڑ لو اور ڈرو مت" چنانچہ آپ نے پکڑ لیا وہ پھر عصا بن گیا۔

میرے دوستو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر اس عصا کا سانپ بن جانا پہلے ہی نہ دیکھ لیتے تو پھر فرعون اور اس کی قوم کے مقابلہ میں جب یہ عصا ڈالتے۔ اور وہ سانپ بن جاتا۔ تو آپ وہاں ڈر جاتے تو معجزہ کی غرض فوت ہو جاتی۔ اسی لئے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی اس عصا کا سانپ بن جانا دکھا دیا۔ اور آپ کا ڈر اتار دیا تاکہ وقت پر جب فرعون کا مقابلہ ہو تو آپ یہ معجزہ بے خوف ہو کر دکھائیں۔ اسی طرح چونکہ کل قیامت کا دن بڑا ہولناک ہوگا اور سب نفسی نفسی پکارتے ہوں گے اور اس دن صرف ہمارے حضور ہی امتی امتی کا نعرہ لگا رہے ہوں گے اور آپ ہی گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ اس لئے اللہ نے پہلے ہی شب معراج حضور کو اپنے پاس بلا کر جنت و دوزخ و دیگر امور غیبیہ کا مشاہدہ کرا دیا۔ تاکہ آپ کل قیامت کے دن بے خوف ہو کر گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں۔

واقعہ معراج میرے دوستو! معراج کی شب جبریل امین کو حکم ہوا کہ :۔

"اے جبریل! اس رات آسمانوں کو سجا دو۔ نور کی
چادریں بچھا دو۔ سب کے سب صف بصف
دست بستہ کھڑے ہو جاؤ اور تم خادمانہ لباس
پہن لو اور ستر ہزار فرشتوں کو ساتھ لے لو"

جبریل نے عرض کی۔ الٰہی کیا قیامت قریب آگئی؟ ارشاد باری ہوا:۔
"لَا وَلٰكِنْ حَبِيْبٌ اُرِيْدُ اَنْ اُقَرِّبَهٗ۔ نہیں
بلکہ اپنے حبیب کو قریب بلانے کا ارادہ ہے"

(روض الفائق صفحہ ۹۱)

یہ رات کیسی ہی عجیب رات تھی۔ اس مبارک رات کی زینت و عظمت کو کون بیان کرے۔ سبحان اللہ! ہر طرف نور ہی نور اور ہر طرف سرور ہی سرور۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی اُن کے رُخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے

بخاری و مسلم۔ خصائص کبریٰ اور مواہب شریف و دیگر کتب احادیث میں جو تفصیل واقعہ معراج کی مذکور ہے۔ اس کے مطابق نبوت کے بارھویں سال رجب شریف کی ۲۷ ویں شب کو یہ مرتبہ حضور کو عطا ہوا۔ اس رات حضور صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ کے شمالی جانب ام ہانی کے حجرہ میں آرام فرما تھے۔ کہ اچانک حضرت جبریل کا پاس ہوا۔ فرشتوں کے ساتھ مع ایک براق برق رفتار کے حاضر ہوئے۔ فرشتوں کی تسبیح سے حرم شریف گونج اٹھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب ناز میں دیکھ کر جبریل نے دفعتاً جگانا خلاف ادب جانا اس لئے اپنی کافوری آنکھیں سرکار کے پائے مبارک کے نوری تلووں سے ملنے لگے۔ اور آہستگی سے یوں عرض کرنے لگے ؎

اے رسول عربی شافع محشر جاگو — آیا جبریل ہے لینے کو پیمبر جاگو
صدقے ان نرگسی آنکھوں کے گل تر جاگو — بخت پر آپکے قربان سکندر جاگو
جاگو جاگو مرے آقا مرے سرور جاگو

حضور صلے اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو حضرت جبریل نے خدا کے وصل کی بشارت سنائی اور عرض کی ؎

مژدۂ وصل خدا تم کو مبارک ہووے — خلعت قرب سدا تم کو مبارک ہووے
جو کسی کو نہ ملا تم کو مبارک ہووے — رتبۂ صدق و صفا تم کو مبارک ہووے
شب معراج شہا تم کو مبارک ہووے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آرام فرما ہونا۔ اور جبریل امین کا دیدار حق کا پیغام لے کر حضور کو لے چلنے کے لئے حاضر ہونا۔ اس واقعہ کو اعلیٰ حضرت بریلوی نے اس شعر میں

بیان فرمایا ہے ؎

یہی سماں تھا کہ پیک رحمت خبر یہ لایا کہ اٹھئے حضرت!
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے اور عرض کی۔ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ اے رب! مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔ تو جواب ملا تھا۔

لَنْ تَرٰنِیْ ...... "تم مجھے نہیں دیکھ سکتے"!

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ جبریل نے اس وقت حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور! وہ راستے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بند تھے۔ یعنی دیدار کے راستے۔ اس رات وہ آپ کے لئے کھل گئے ہیں اور وہی رب دو عالم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لَنْ تَرٰنِیْ فرمایا تھا۔ آپ کو اپنے پاس بلا رہا ہے اور دعوتِ دیدار دے رہا ہے ؎

تبارک اللہ ہے شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

ہاں تو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جگا کر جبریل امین نے پھر سینۂ پر نور حضور کا چاک کر کے قلب انور کو تین مرتبہ آب زمزم سے دھویا۔ اور لاکھوں قسم کے انوار و تجلیات سے معمور کر کے بدستور اپنی جگہ رکھ کر سی دیا۔

نور ہی نور

حضرات! یہ مبارک رات کیسی مبارک رات ہے۔ محب سے محبوب کے وصال کی رات! طالب کی مطلوب سے ملاقات کی رات۔ زمین و آسمان پر نور ہی نور ہے۔ ہر طرف سرور ہی سرور ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

اور یہ حرم شریف، اس رات یہ کس عالم میں ہے۔ فرماتے ہیں ؎

خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آ رہے تھے

جنت کے دولھا

تو اسی عالم سرور و نور میں ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ میں جبریل امین حضور کو جنت کا دولھا بنا رہے ہیں ؎

خدا ہی دے صبر جان پرغم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم!
جب اُن کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نورانی جھرمٹ میں جبریل امین نے پھر آب کوثر سے غسل دیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی قبر انور پر رحمت کے پھول نچھاور ہوں۔ اس موقعہ پر کیا ایمان افروز شعر ارشاد فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

اتار کر ان کے رُخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑہ!
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

یعنے یہ چاند اور سورج کا سارا نور شب معراج کے اس نورانی غسل میں جبین مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے گرتے ہوتے پانی کا صدقہ ہے!

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک تلووں کا جو دھووَن تھا۔ اس سے کیا بنا؟ فرماتے ہیں ؎

بچا جو تلووں کا ان کے دھووَن بنا وہ جنت کا رنگ و روغن!
جنہوں نے دولہا کی پائی اترن وہ پھول گلزارِ نور کے تھے

وضوء کا پانی اس غسل شریف میں حضور نے جو وضوء فرمایا۔ جبریل کو حکم ہوا کہ جبریل یہ وضوء کا پانی لے لو اور میکائیل کے سپرد کر دو اور پھر یہ پانی رضوان جنت تک پہنچا دیا جائے۔ تاکہ رضوان جنت اس پانی کو حوران جنت میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ اور پھر حوران جنت کو حکم ہوا کہ یہ پانی اپنے اپنے منہ پر مل لو۔ انہوں نے مل لیا۔ اور ان کا نور و حسن بڑھ گیا۔

ہاں تو بھائیو! غسل شریف کے بعد پھر حضور کو حلہ بہشتی پہنایا گیا اور سر اقدس پر وہ عمامہ باندھا گیا۔ جو آپ ہی کے لئے اس شب کو باندھنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے تیار کیا گیا تھا۔ اور ایک نورانی چادر حضور کو اوڑھائی گئی اور پچاس ہزار فرشتوں کے نورانی جلوہ میں حضور نے تیاری فرمائی ؎

تجلی حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور!
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

براق اس کے بعد جبریل نے پھر ایک تیز رفتار جنتی مرکب براق نامی خدمت عالی میں

پیش کیا اور عرض کی حضور اس پر سواری فرمائیں۔ حضور نے یہ سنکر اس پر سواری کا قصد فرمایا۔ تو براق کچھ شوخی کرنے لگا۔ اس پر جبریل نے براق سے خطاب کر کے کہا اے براق ٹھہر جا شوخی نہ کر۔ اس وقت تجھ پر وہ سوار ہوتا ہے۔ جو اللہ کا محبوب ہے اور نبی آخر الزمان ہے براق یہ سنکر شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ پھر حضور سوار ہوئے ؎

ابھی نہ آئے تھے پشت زیں تک کہ سر ہوئی مغفرت کی اشلک
صدا شفاعت نے دی مبارک گناہ مستانہ جھومتے تھے

جبریل نے رکاب تھامی۔ میکائیل نے لگام پکڑی اور گروہ ملائکہ سمیت بیت المقدس کو روانہ ہوتے۔ یہ مبارک سواری کس شان سے روانہ ہوئی؟ کس میں طاقت ہے کہ بیان کر سکے۔ آج کوئی افسر کسی شہر میں آتا ہے۔ تو اس کی راہ میں ریشمی چادریں بچھا دی جاتی ہیں۔ مگر اس رات کو سرور عالم کی یہ سواری جس راہ سے گزرنے والی ہے آپ جانتے ہیں اس راہ میں کیا بچھ رہا تھا؟ ؎

غبار بن کر نثار جائیں کہاں اب اس رہگزر کو پائیں!
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پَر جہاں بچھے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بایں شان و شوکت بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں نخلستان طیبہ جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا اور جہاں کچھ عرصہ کے بعد حضور ہجرت فرما کر تشریف لانے والے تھے اور طور سینا پہاڑ کہ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے باتیں کی تھیں اور بیت لحم جہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام پیدا ہوئے تھے کی سیر کرتے اور ہر متبرک مقام پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتے ہوئے آپ آگے تشریف لے چلے

دنیا و شیطان

یکایک ایک حسین عورت بناؤ سنگار کر کے اور خوب بن ٹھن کر، حضور کے سامنے آ گئی۔ مگر حضور نے اس کی طرف مطلق التفات نہ فرمایا۔ اس کے بعد ایک بوڑھے مرد نے آپ کو پکارا۔ مگر حضور نے اس کی طرف بھی التفات نہیں فرمایا نہ جواب دیا۔ اس موقعہ پر جبریل نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! وہ جو حسین عورت تھی وہ دنیا تھی۔ اگر حضور اس کی طرف التفات فرما لیتے تو حضور کی ساری امت دین چھوڑ کر دنیا کی طرف راغب ہو جاتی۔ اور جس بڑھے نے آپ کو پکارا تھا وہ شیطان تھا۔ اگر آپ اس کی آواز پر جواب دیتے۔ تو آپ کی ساری امت اس کے دام فریب میں پھنس کر گمراہ

آسمانوں پر

بیت المقدس تک پہنچنے کے بعد حضور سے جبریل نے عرض کی: یا
رسول اللہ! آسمان والے آپ کی اشتیاق میں سراپا منتظر ہیں۔ اب
آپ اوپر تشریف لے چلیے۔ چنانچہ پھر حضور نے آسمان کی طرف رخ فرمایا۔ جب آسمان
تک آپ پہنچے، تو جبریل نے دروازہ کھلوایا۔ اس دروازے کے محافظ اسمٰعیل نامی فرشتے
نے دروازہ کھولا۔ حضور اندر داخل ہوئے۔ پہلے آسمان کے بہت فرشتے استقبال و زیارت
کو آئے اور حسب ارشاد رب کی حمد میں بلند آواز سے مشغول تھے۔ حضور فرماتے ہیں۔ میں نے پہلے
آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کو تشریف فرما دیکھا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے
جواب سلام دیا۔ پھر حضور دوسرے آسمان تک پہنچے۔ جبریل نے دروازہ کھلوایا۔ آپ اندر
داخل ہوئے۔ حضور فرماتے ہیں میں نے دوسرے آسمان پر یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام
کو دیکھا۔ سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ مسلمانو! یہاں ایک عام غلطی کی تصحیح کر لیجئے۔ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عام مشہور ہے کہ آپ چوتھے آسمان پر ہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ حدیث
معراج سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوسرے آسمان پر ہونا ثابت ہے۔ حضور علیہ السلام
پھر اسی طرح تیسرے آسمان پر پہنچے اور پھر چوتھے اور پانچویں اور چھٹے آسمان پر تشریف لے
گئے۔ تیسرے آسمان پر آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ چوتھے
پر حضرت ادریس، پانچویں پر حضرت ہارون اور چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات
فرمائی۔ ساتویں آسمان پر حضور جب پہنچے تو بیت المعمور سے تکیہ لگائے ہوئے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ حضرت خلیل نے جواب سلام دیا اور فرمایا۔ نیک نبی، اور
نیک فرزند کو یہ رتبہ مبارک ہو۔

الغرض حضور کی سواری ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے انبوہ میں سے اور انبیاء
کرام کی مجلس میں سے بڑی شان و شوکت کے ساتھ گزری اور آگے بڑھی۔

تعظیم رسول

یہاں ایک فرشتے کا واقعہ بھی سن لیجئے۔ یہ روایت جامع المعجزات فی
سیر خیر البریات مطبوعہ مصر صفحہ ۲ پر علامہ محمد ہادی نے درج فرمائی ہے
اور ہم نے اسے جامع نفائس میں بھی بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس روایت کو سنیئے اور سر دھنیئے۔

اس روایت میں آتا ہے کہ واقعہ معراج شریف کے کچھ عرصہ بعد ایک مرتبہ جبریل
امین حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! آج ایک عجیب بات

عرض کرنے حاضر ہوا ہوں ۔ یارسول اللہ ! آپ کے معراج کو جانے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ آسمان پر میں نے ایک بہت بڑا عزت و وقار کا مالک فرشتہ دیکھا ۔ حضور ! یہ فرشتہ ؎

اک مرصع تخت پر بیٹھا ہوا تھا ذی وقار !
اور فرشتے تخت کے ماحول تھے ستر ہزار
وہ فرشتے مقتدی تھے اور یہ ان کا امام
کر رہے تھے ذکرِ حق مل کر یہی تھا ان کا کام

یارسول اللہ ! وہ فرشتہ بڑی عزت کا مالک تھا اور خدا نے اُسے بہت عروج و وقار عطا فرما رکھا تھا ۔ مگر اب جو میں نے ایک دن قاف کے پہاڑوں سے گزرا ہوں تو ایک دردناک آواز سنی ۔ یہ آواز سنکر میں جہاں سے آواز آرہی تھی ۔ وہاں گیا ۔ تو حضور کیا بتاؤں کہ میں نے کیا دیکھا ۔ اور کیسے دیکھا ؟ ؎

اللہ اللہ رب کے بھی کیا بے نیازی کے ہیں کام
یانبی یہ تھا وہی جو تھا فرشتوں کا امام
تخت پر دیکھا تھا اس کو ایک دن افلاک پر
اور اس دن دیکھتا ہوں رو رہا ہے خاک پر
اس کے خادم تھے فرشتے ایک دن ستر ہزار
آج یاں تنہا پڑا ہے ، کوئی حامی ہے نہ یار

یارسول اللہ ! میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ وہی معزز و معظم فرشتہ جو ستر ہزار فرشتوں کا امام تھا ۔ آج بے کس و تنہا یہاں پہاڑوں میں پڑا ہوا ہے ۔ اور کوئی پرسانِ حال نہیں ۔ رو رہا ہے اور رو رو کر حق سے معافی مانگ رہا ہے ۔ حضور جب میں اس کے پاس پہنچا ۔ اور اس سے انقلاب کی وجہ دریافت کی ۔ اور اس زوالِ رتبہ کا سبب پوچھا ۔ تو وہ بولا ؎

لیلتہ المعراج کو بیٹھا تھا اپنے تخت پر !
ذکرِ حق میں محو تھا اور ماسوا سے بیخبر
سرورِ دوکون محبوبِ خدائے بحر و بر
میرے آگے سے ہوا ان کی سواری کا گزر

محو ذکر حق میں ہو کر بے رہا تھا رب کا نام!
بہر تعظیم محمد رہ گیا مجھ سے قیام
بس یہی لغزش ہوئی میرے لئے وجہ ملال
آگیا اپنی جلالیت میں رب ذوالجلال

بس اے جبریل! مجھ سے جو یہ لغزش واقع ہوئی تو خدا تعالیٰ اس بات پر اپنے جلال میں آگیا......... اور میری ساری عبادت کی عدم قبولیت کا اعلان فرما دیا۔ اور سے

حکم فرمایا نکل جا اے فرشتے پُرغرور!
کیوں نہ کی تعظیم آیا سامنے جب میرا نور
یہ عبادت رات دن کی مجھ کو نامنظور ہے
دور ہے جو میرے احمد سے وہ مجھ سے دور ہے
وہ عبادت ہی نہیں جس میں نہ ہو حب رسول
جن میں بو پائی نہیں جاتی وہ ہیں کاغذ کے پھول

اے جبریل اسی دن سے خدا نے معتوب فرما کر مجھے میرے تخت عزت سے اتار کر یہاں پھینک دیا ہے۔ اب ہر وقت اس سے معافی مانگ رہا ہوں۔ مگر تاحال میری توبہ منظور نہیں ہوئی۔ اے جبریل! تو ہی میرے لئے دعا کر! کہ خدا مجھے معاف کر دے۔ یارسول اللہ! مجھے بڑا رحم آیا۔ اور میں نے اللہ سے بصد عجز و نیاز اس کی معافی کے لئے دعا کی۔ حضور! آپ کے صدقہ میں خدا کا دریائے رحم و کرم جوش میں آیا اور میری دعا قبول ہوئی اور مجھ سے ارشاد ہوا کہ اس معتوب فرشتے سے کہو کہ اگر تم معافی لینا چاہتے ہو۔ اور سے

تم اگر یہ چاہتے ہو رحمتوں کا ہو ورود
تو مرے محبوب پر لک بار پڑھ ڈالو درود

یارسول اللہ! میں نے اس سے کہا کہ حضور پر درود شریف پڑھو۔ تاکہ تیری معافی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے بڑے ذوق و شوق سے حضور پر درود پڑھنا شروع کیا۔ اور اللہ نے اس کو معاف فرما دیا اور حضور! سے

آج میں نے پھر اُسے دیکھا ہے اپنے تخت پر
پڑھتا رہتا ہے درود اب آپ پر وہ بیشتر

...یہ سارا واقعہ نظم میں لکھ کر آخر میں نے مقطع یہ لکھا ہے کہ

اے بشیر اس واقعہ میں یہ سبق موجود ہے
کہ بجز حب نبی ذکر خدا مردود ہے

سارے واقعہ کا نتیجہ یہ ہے کہ جب تک حب نبی اور تعظیم رسول نہ ہو ساری عبادت بیکار ہے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے کیا خوب کہا ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں!
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

سدرۃ المنتہیٰ

حضرات! حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب ساتویں آسمان سے بھی آگے بڑھے تو آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے۔ یہ سدرۃ المنتہیٰ ایک بیری کا درخت ہے جو مکان کی سرحد پر واقع ہے۔ اس سے آگے عالم لامکان شروع ہو جاتا ہے۔ گویا سدرۃ المنتہیٰ مکان کا بارڈر ہے۔ اور یہ بارڈر آج تک کسی فرشتے یا کسی نبی ورسول نے، کسی نے بھی پار نہیں کیا۔ کسی کے پاس یہ بارڈر پار کرنے کا پرمٹ ہی نہیں۔ ہاں صرف ایک ہی ذات بابرکت سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو اس رات یہ بارڈر پار فرما گئی۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل جب سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچے تو یہاں پہنچکر جبریل رہ گئے۔ اور انہوں نے پرمٹ ہی نہ تھا۔ اس لئے بارڈر کو کون عبور کرے؟ چنانچہ عرض کی حضور! اب یہاں سے آگے بڑھنا میرے بس کی بات نہیں کہ

بڑھوں گا جو آگے میں اک بال بھر
تجلی سے جل جائیں گے بال و پر

مگر کیا حضور بھی یہیں رک گئے؟ .... نہیں نہیں

چلا وہ سرو چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتے رہے وہ کب کے سب این و آں سے گذر چکے تھے

حضور نے فرمایا۔ اچھا اے جبریل! اب ہم آگے تنہا ہی تشریف لے جائیں گے۔ چنانچہ حضور پھر آگے تنہا بڑھے۔ میرے بھائیو! یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لو کہ جہاں جبریل جیسے فرشتے بھی نہ جا سکے وہاں میرے اور تمہارے جیسے بشر کیسے جا سکتے ہیں...

قدم مبارک بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ ہمارے آقا و مولیٰ وہاں پہنچ گئے۔ جہاں کسی کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور یہ وہ مقام ہے جو نہ کسی نبی و رسول کو حاصل ہوا۔ نہ کسی فرشتے کو، نہ کسی اور کو۔ تمام تجلیات جمالی و جلالی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو آغوش میں لے لیا۔ اور محبوب نے اپنے محب اور طالب نے اپنے مطلوب کو سر اقدس کی چشمان مبارک سے دیکھا۔ اور آپ شنید سے منزل دید تک پہنچ گئے۔ اور جو دیکھا، سو دیکھا، اور جو سنا سو سنا ؎

حجاب اٹھتے ہیں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

رازونیاز

اب خدا نے اپنے محبوب سے پوچھا کہ اے حبیب یہ عام قاعدہ ہے۔ کہ جب کوئی دوست اپنے دوست سے ملنے جاتا ہے تو اس کے لئے تحفے لے کر جاتا ہے۔ آپ میرے لئے کیا لائے؟ حضور نے عرض کیا۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔ میری تمام بدنی، زبانی اور مالی عبادتیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔"

حضور کا یہ تحفہ اللہ نے قبول فرمایا۔ اور جواب دیا:۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ ہر قسم کی سلامتی۔ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں آپ پر اے نبی!

اس موقعہ پر حضور نے اپنی گنہگار امت کو یاد فرمایا اور اس کو ساتھ ملا کر، یوں عرض کیا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اللہ کی سلامتی ہم پر یعنے ہمارے ساتھ ہماری گنہگار امت پر بھی اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی۔"

جب فرشتوں نے یہ اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ دیکھا کہ اس نبی رؤف و رحیم و کریم نے اپنی امت کے گنہگاروں کو فراموش نہ فرمایا۔ تو بیک زبان سب بول اٹھے۔

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ ہم سب فرشتے اس بات کی

گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق

نہیں اور محمد اللہ کے سچے بندے اور رسول ہیں

حضور نے پھر عرض کی کہ مولا سب عطا کر دئیے اور میری امت کے لئے تیری بارگاہ سے کیا تحفہ ہے؟ فرمایا۔ اے حبیب! تیرا ذکر ہمیشہ میرے ذکر کے ساتھ رہے گا۔ نمازوں میں ہمیشہ آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جایا کرے گا۔ حوض کوثر آپ کو عطا کیا۔ اسلام جہاد۔ نماز۔ صدقہ۔ روزے۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر یہ تمام باتیں عطا کیں اور ہم نے آپ کو فاتح و خاتم بنایا۔ حضور نے فرمایا۔ الٰہی! یہ تحفہ تو خاص میرے لئے ہوا۔ لیکن میری امت کے واسطے کیا تحفہ ہے؟ فرمایا۔ نماز تمہاری امت کے لئے تحفہ ہے۔ اور جب آپ جنت میں جا کر دیکھو کہ ہمارے غلاموں کے لئے ہم نے کیا کیا باغات اور محلات تیار کر رکھے ہیں۔

جنت کی سیر

حضور پھر جنت کے ملاحظہ فرمانے کو تشریف لے چلے ؎

غل ہوا سیر کو فردوس کی آتے ہیں حبیب!

بولا رضواں کہ بھلا ایسے کہاں میرے نصیب!

پیشکش کیا میں کروں اس شہِ زمن کے حضور

صدقے ہے آپ کا جو خلد میں ہے چیز عجیب!

حضور جنت کے اندر داخل ہو کر اس کی نزاکت و نفاست طرح طرح کے قصر و ایوان ملاحظہ فرما کر بہت خوش ہوئے۔ اور واپس تشریف لائے۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عروج و بلندیوں کا ملاحظہ فرما کر عجائب و غرائب کو ملاحظہ فرما کر اور اسرار و غیوب پر مطلع ہو کر آسمانوں سے زمین بیت المقدس پر نزول فرمایا اور براق پر سوار ہو کر وہاں سے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اور صبح صادق سے پہلے اسی مقام پر واپس تشریف لے آئے۔ جہاں سے آپ نے یہ مقدس سفر شروع فرمایا تھا۔ اگرچہ ملاحظہ فرمایا تو بستر مبارک گرم تھا۔ اور زنجیرِ در ہل رہی تھی!

زنجیر ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم!
اک دم میں کیا سیر عرش گئے بیٹے محمدؐ

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؂
قصر دنیٰ تک ان کی رسائی!
جاتے یہ ہیں، آتے یہ ہیں!

اس پیاری رات کی صبح کو بعد نماز فجر کے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عجیب و غریب اور سچے واقعہ کا ذکر فرمایا۔ ابوجہل لعین نے جب حضور کی زبانی یہ بات سنی۔ تو خبیث تمسخر سے کہنے لگا۔ کیا خوب! اب تم آسمان پر بھی پہنچنے لگے۔ بھلا اس خلاف عقل قصہ کو کون تسلیم کرے گا۔ ملعون نے جا بجا اس واقعہ کو تمسخر کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا۔ خدا کی شان دیکھئے کہ اپنے محبوب کی شان کا اعلان دشمن سے کرانے لگا۔ معراج شریف کی تشہیر ابوجہل نے اس طرح کی۔ کہ حضور کے اس سیر مقدس کی خبر سب کو ہوگئی۔ ابوجہل اس خیال سے کہ اس واقعہ کو کون مانے گا خوشی خوشی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور کہا سنو! تمہارا دوست تو اب آسمانوں پر پہنچنے کا دعوے کرنے لگا ہے۔ جو سارا واقعہ جو حضور کی زبانی سن گیا تھا سنایا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔ اگر اللہ کے رسول نے یہ فرمایا ہے تو میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ اور تصدیق کرتا ہوں کہ یہ واقعات بالکل سچے ہیں۔ صحیح اور ممکنات سے ہیں۔ اس کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود حضور کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ معراج حضور کی زبان حق ترجمان سے سنکر عرض کی۔ صَدَّقْتَ یَا رَسُوْلَ اللہ! اس کے بعد اور لوگ بھی جمع ہوگئے۔ اور امتحاناً کہنے لگے۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے عرش و کرسی کو تو دیکھا نہیں۔ البتہ ہم بیت المقدس کو دیکھ چکے ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تم کبھی وہاں نہیں گئے۔ لہذا وہاں کی کیفیت بیان کرو۔ حضور فرماتے ہیں۔ اسی وقت اللہ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا۔ میں اس کو دیکھنے لگا اب جو کچھ وہ لوگ مجھ سے پوچھتے تھے۔ میں بے تکلف بتا دیتا تھا۔ اس پر صدیق اکبر نے پھر کہا۔ صدقت یا رسول اللہ! چنانچہ اس تصدیق کے انعام میں ان کو صدیق کا خطاب ملا۔ اور ابوجہل مردود نے جھٹلایا اور واقعہ معراج کا انکار کر کے ہمیشہ کے لئے زندیق بن گیا۔ اس کے علاوہ اور جن کو اللہ نے ہدایت دی وہ اس واقعہ پر ایمان لا کر صدق دل

سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اور جن کے نصیب میں دائمی کفر اور عذاب جہنم لکھا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگے۔ ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ آج بھی جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ اور نقش صدیق پر چلنے کی توفیق دی ہے وہ حضور کے اس واقعہ معراج پر ایمان لاتے ہیں اور جو ابوجہل کے پیرو کار ہیں، وہ حضور کے اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی گمراہی سے محفوظ رکھے!

★

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

آٹھواں وعظ

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ . وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ . وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ،

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (پ ۴ ع ۵)

"اور سستی نہ کرو اور نہ غم کھاؤ۔ تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو"!

حضرات! آج کے وعظ میں مجھے یہ بتانا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ترقی و عروج کا کون سا ذریعہ ہے؟ اور یہ کس طرح کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں؟ خداوند کریم نے اس آیت کریمہ میں جو میں نے اس وقت آپ کے سامنے پڑھی ہے۔ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم سربلندی و غلبہ اور عروج و وقار پانا چاہتے ہو تو سچے مومن بن جاؤ اور ایمان کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑو!

چار چیزیں

عزیز بھائیو! آپ کی خدمت میں عرض کر دوں یہ واقعہ ہے کہ خدا نے ہر انسان کے دل میں چار چیزوں کی محبت پیدا فرما دی ہے ہر آدمی چاہے کسی ملک کا ہو کسی مذہب کا ہو۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ امیر ہو یا غریب ان چار چیزوں سے طبعًا اُسے پیار ہوگا۔ وہ چار چیزیں کون سی ہیں؟ سنیئے! وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ وطن۔ مال۔ اولاد اور جان۔ کون ایسا ہے۔ جسے وطن سے پیار نہ ہو۔ مال سے رغبت نہ ہو۔ اولاد سے محبت نہ ہو۔ اور جسے اپنی جان عزیز نہ ہو۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ ان چاروں کی محبت میں کچھ فرق بھی ہے۔ بعض دفعہ وطن کی محبت کو مال کی محبت پر قربان کرنا پڑتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ مال کی محبت میں انسان اپنا وطن چھوڑ کر دور دراز ملکوں میں چلا جاتا ہے۔ گویا وطن کی محبت کو مال کی محبت پر قربان کرتا ہوا صرف مال کے لئے وطن چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح اس مال کی محبت کو اولاد کی محبت پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً بچہ بیمار ہو جائے تو باپ اپنا مال خرچ کر کے بچے کو بچانا چاہتا ہے۔ گویا مال کی محبت کو بچے کی محبت پر قربان کر دیتا ہے۔ اور پھر اسی طرح اولاد کی محبت جان کی محبت پر قربان کر دی جاتی ہے۔ دیکھ لیجئے جب جان پر بن آئے تو اولاد کی محبت بھی بھول جاتی ہے۔ اور انسان چاہتا ہے کہ کچھ بھی ہو جائے۔ مگر میری جان بچ جائے!

مسلمان کی شانِ امتیاز

حضرات! یہ چار چیزیں وہ ہیں۔ جن کی محبت میں سب برابر ہیں۔ اور اس میں امیر یا غریب یا مسلم و غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں۔ مگر خوب یاد رکھئے۔ کہ مسلمان ایک امتیازی شان کا مالک ہے دنیا بھر کے انسانوں میں اس کا مقام ایک خاص مقام ہے۔ عام انسانوں کی غذا اور ہے۔ اس کی غذا اور۔ عام انسانوں کا لباس اور ہے اور مسلمان کا لباس اور۔ مثلاً خنزیر و شراب یہ عام انسانوں کی تو غذا ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار اسے کھانے پیتے ہیں۔ مگر مسلمان کی یہ غذا ہرگز نہیں۔ ریشم و سونا یہ دوسرے انسانوں کا تو لباس ہو سکتا ہے۔ مگر مسلمان (باستثناء مستورات) کا یہ لباس ہرگز نہیں۔

ریشم و سونا

مسلمانو! ریشم و سونا یہ چیزیں زیب و زینت کے لئے ہیں اور یہ بس امر کے لئے عورت موزوں ہے۔ جسے گھر بنانا اور مرد کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے۔ مرد مومن چونکہ دنیا میں اللہ کا سپاہی بن کر آیا ہے۔ بقول شاعر سے

مقامی بن کے آنا تو نہ راہی بن کے آیا ہے
یہ دنیا رزم گاہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے

اِسی لئے اسے زیب و زینت سے کیا کام؟ اور ان دشمنوں سے کیا غرض ریشم اور سونے کے استعمال سے تو اس کے دل میں بجائے مجاہدانہ عزم کے عیش و عشرت کے خیالات پیدا ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز نے مسلمان کو غیر شرعی لباس میں ملبوس کر کے اور مغربی فیشن کا دلدادہ بنا کر اس کے جذبہ جہاد کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ غور تو فرمایئے۔ آج ایک جنٹلمین جس نے اپنے سر پر انگریزی بال رکھے ہوں۔۔۔ بسا اوقات آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ وہ راہ چلتے ہوئے ان انگریزی بالوں کو جبکہ وہ آنکھوں کے آگے لٹک آتے ہوں۔ سر کا ایک جھٹکا دے کر پیچھے ہٹاتا ہے تاکہ راہ نظر آ سکے۔ تو ایسا شخص میدانِ جہاد میں تلوار کیا چلائے گا؟ تلوار چلائے گا یا بال سنبھالے گا؟ انگریزی خیالات کا پروردہ انسان خود ہی انصاف سے کہیئے۔ کہ وہی جذبات اور جوشِ ہمت رکھتا ہے۔ جو اسلام نے پیدا فرمائی، اس نئی تہذیب نے ہمارے مجاہدانہ عزائم، اور مردانہ اوصاف چھین لئے۔ دیکھ لیجئے۔ اقبال کیا کہتا ہے۔ مولوی تو مسٹر کی نظر میں معتوب ہے۔ اس لئے اقبال ہی کا یہ شعر ذرا یہ لوگ پڑھیں اور دیکھیں کہ خود اقبال بھی کب رونا روتا ہے۔ اقبال لکھتا ہے ؎

از حیا بیگانہ پیرانِ کہن!
نوجواناں چوں زناں مشغول تن

یعنے آجکل کے بوڑھے بھی شرم وحیا کا دامن چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور جو نوجوان ہیں وہ عورتوں کی طرح بناؤ سنگار میں لگ گئے ہیں: دیکھ لیجئے یہ بات کوئی مولوی نہیں کہہ رہا بلکہ اقبال کہہ رہا ہے۔ اور سچ کہہ رہا ہے کہ بڈھا کھوسٹ ہے مگر منبر ہاتھ میں لئے پھر رہا ہے۔ اسی سال کا بابا ہے۔ مگر کنکوئے اڑا رہا ہے۔ اور نوجوان طبقہ بالکل عورتوں کی طرح بن ٹھن کے نکل رہا ہے۔ ناخنوں پر میں نے خود کئی جنٹلمینوں کو سرخ پالش لگاتے دیکھا ہے اور سر پر جالی بھی بندھی دیکھی ہے داڑھی مونچھوں کا تو پہلے ہی صفایا تھا اب مسٹر دوپٹے کی کسر رہ گئی ہے۔ اکبر الہ آبادی کہتے ہیں کہ ایک کالجیئیٹ لڑکا داڑھی مونچھ کا صفایا کر کے ناخنوں پر سرخ پالش لگا کر اور سر پر جالی باندھ کر آئینے کے سامنے بیٹھا تھا۔ کہ باپ نے اپنے فیشن ایبل صاحبزادے کو

دیکھا۔ اور بے ساختہ پکار اٹھا سے

واہ میرے نصیب ویسے قسمت بھی بری نکلی
سمجھا تھا یہ لڑکا ہے پر یہ تو پری نکلی

میرے مسلمان بھائیو! خوب یاد رکھو۔ مسلمان مردِ مجاہد اور اللہ کا سپاہی ہے اسے زن زنانہ باتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان فیشنوں سے آدمی محبوب و دلربا تو بن جاتا ہے مگر رعب و دبدبہ حاصل نہیں ہوتا۔ مصنوعی جمال تو ملتا ہے۔ مگر جلال نہیں ملتا۔ حالانکہ مسلمان کے لئے رعب و جلال، دبدبہ و ہیبت ضروری ہے سے

جباری و قہاری و قدوسی و جبروت!
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

پانچویں چیز میں یہ کہہ رہا تھا کہ مسلمان ایک امتیازی شان کا مالک ہے بنا بریں دنیا بھر کے انسانوں کو مذکورہ بالا چار چیزوں یعنے وطن۔ مال۔ اولاد اور جان سے محبت ہوتی ہے .. .. در بالترتیب اگلی دوسرے کی محبت پر ان کی محبت قربان کردی جاتی ہے۔ مگر ایک پانچویں چیز بھی ہے جو صرف مسلمان ہی کو حاصل ہے۔ اور مسلمان ان چاروں چیزوں کی محبت کو اس پانچویں چیز کی محبت پر قربان کر دیتا ہے۔ اور وہ ہے "ایمان"

جانِ ایمان مسلمانو! اب یہ اصولی بات بھی ذہن میں رکھیئے کہ ہمارے لئے ایمان کیا ہے؟ سنیئے! ایمان نام ہے حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا۔ ان کو ماننے اور جاننے کا۔ ہمارے لئے حضور ہی سب کچھ ہیں نہ صرف ایمان بلکہ جانِ ایمان۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب لکھا ہے سے

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ!
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے:۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ

مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ (رواہ البخاری مواہب لدنیہ ص۲۰۷ ج۲) یعنی تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مجھے اس کے باپ اور اس کی اولاد سے میں زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اسی لئے شاعر نے لکھا ہے کہ ؎

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا!

پدر، مادر، برادر، جان و مال اولاد سے پیارا

تو میرے بھائیو! میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ تم اگر سر بلند اور اعلیٰ بننا چاہتے ہو تو صاحب ایمان بن جاؤ۔ ایمان کو اپناؤ۔ گویا ایمان کو اپنا محبوب بنا کر وطن۔ مال۔ اولاد اور جان۔ دنیا کی ہر چیز کی محبت کو اپنے ایمان کی محبت پر قربان کر دو۔

صحابہ کرام

چنانچہ آپ اپنے بزرگوں، حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف دیکھئے۔ ان پاک لوگوں نے اپنی جملہ محبتیں ایمان پر قربان کر دیں۔ چنانچہ سب سے پہلی محبوب چیز وطن کو دیکھئے۔ ان پاک لوگوں نے ایمان کی خاطر اپنا وطن چھوڑا۔ جس وقت کافروں نے مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو بے حد ستانا شروع کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دے دی کہ جو کوئی چاہے۔ وہ اپنی جان و ایمان کے بچاؤ کے لئے حبش کے عیسائی بادشاہ کے ملک میں چلا جائے چنانچہ صحابہ کرام کا ایک قافلہ ۱۲ مرد اور ۴ عورتوں کا رات کی تاریکی میں نکلا۔ اور بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش کو روانہ ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مع اپنی بیوی، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے جو حضور کی صاحبزادی تھیں۔ اس قافلہ کے سالار تھے۔

ہجرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے وطن مکہ شریف کو چھوڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان توحید نے جب دنیائے کفر و شرک میں تہلکہ مچا دیا۔ اور کفار و مشرکین نے اپنے قبہ کفر و شرک کو گرتے دیکھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ بڑے بڑے کافر ایک رات ایک بند مکان میں

جمع ہوئے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف سکیمیں سوچنے لگے۔ رحمت کا وقت ہے ایک طرف یہ نا فرجنگ رہے ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کی فکر میں اور دوسری طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی دولت کدہ پر اس خیال مبارک میں ہیں۔ کہ یہ نا سمجھ بچے سمجھ جائیں۔ اور میری مخالفت ترک کرکے جہنم سے بچ جائیں سہ

سکیمیں اُس طرف سرکار کی بربادی ہوتی تھیں
اِدھر چشمانِ احمد عاصیوں کے غم میں روتی تھیں
اُدھر تو یہ ارادے تھے محمد کو مٹا ڈالیں
اِدھر یہ فکر تھی دنیا کو دوزخ سے بچا ڈالیں

یہ لوگ بند مکان میں جمع تھے۔ اور اسی سوچ بچار میں تھے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا صورت اختیار کی جائے۔ کہ شیطان لعین نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور فوراً ایک بزرگ شخص کی صورت بن کر آیا۔ اور دروازہ پر آواز دی کہ لوگو! دروازہ کھولو ابوجہل نے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو؟ شیطان لعین نے کہا کہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں اور پرانا تجربہ کار ہوں۔ نجد کا رہنے والا نجدی ہوں ــــ اور تمہارے اس مبارک مشورہ میں شریک ہو کر سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

شیخ نجدی مسلمانو خوب یاد رکھو کہ شیطان کا ایک نام شیخ نجدی بھی ہے اور یہ نام اسی بات سے اس کا مشہور ہوا ہے۔ چنانچہ غیاث اللغات میں لکھا ہے:۔

"شیخ نجدی لقب شیطان است۔ زیراکہ چوں قریش
برائے قتل رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم جمع شدند
ناگاہ شیطان بصورت پیرے در آمد۔ چوں پرسیدند
کیستی؟ گفت کہ من شیخ از ملک نجد آمدم و در ایں شورہ
باشما شریکم۔" (غیاث اللغات ص۳۹۳)

شیخ نجدی شیطان کا لقب ہے۔ اس لئے کہ قریش جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مشورہ کے لئے جمع ہوئے۔ تو اچانک شیطان ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں نمودار ہوا۔ قریش نے پوچھا کہ کون ہو۔ تو بولا میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ جو ملک نجد سے آیا ہوں۔ اور اس (حضور

صلے اللہ علیہ وسلم، کے قتل کے مشورہ میں میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں۔
اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شیطان کا ایک نام شیخ نجدی بھی ہے۔ اور شیطان "نجدی" بن کر اس لئے آیا تھا کہ نجدیوں کی عداوت رسول مسلم و مشہور تھی۔ ورنہ بتاؤ کہ شیطان نجدی بن کر کیوں آیا۔

تاویلیں

حضرات! یہ لفظ کہہ کر پھر نجدیوں نے اس لفظ کی تاویلیں شروع کر دیں۔ مسلمانوں نے جب بوچھاڑ کی کہ افسوس اس نجدیت کے مسلک پر کہ ایک مشرک و کافر کو رسول کہہ دیا تو بجائے اس کے کہ اپنی غلطی پر نادم ہوتے اور توبہ کرتے، الٹا تاویلوں پر اتر

ئے اور یوں کہنے لگے۔ کہ رسول قاصد کو کہتے ہیں۔ اس لئے رسول کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ گویا مسلمانوں کے لئے تو بات بات پر شرک کا فتویٰ تیار۔ اگرچہ وہ اپنے موحدانہ عقیدہ کا اعلان بھی کرتے رہیں۔ مگر خود ان نجدیوں کا سلطان الاعلان ایک مشرکانہ لفظ کہہ دینا بہرحال توحید ہی ہے گویا ؎

ہم جو چپ ہوں ہنسیں سودائی!!
شیخ چپ ہوں، توکل ٹھہرے

بزرگو! اگر نجدیوں کی یہ تاویل درست مان لی جائے تو پھر ہر گھر کو بیت اللہ کہنا بھی جائز ہو جائے گا۔ اس لئے کہ "بیت اللہ" کا معنیٰ ہے۔ اللہ کا گھر۔ اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں جس قدر گھر ہیں۔ سب اللہ ہی کے گھر ہیں۔ تو کیا اس معنیٰ میں ہر گھر کو بیت اللہ کہنا نجدیوں کے ہاں جائز ہو جائے گا؟ اگر جواب ہاں ہے تو ؏

بریں عقل و دانش بباید گریست!

اور اگر نہیں تو پھر نہرو کو رسول کہہ دینا کیسے جائز ہو جائے گا؟ اسی موقعہ پر میں نے ایک نظم لکھی ہے کہ ؎

مشرک ہے جو عبد نبی نام بھی رکھے!
مومن ہے جنے نہرو کا جو بندۂ بے دام
کہنے ہیں ولی دفع بلا پر نہیں قادر
لیکن ہے حکیم ان کے لئے دافع آلام!
ہم جو بھی کریں شرک ہے بدعت ہے برا ہے
وہ جو بھی کریں نیک ہے اور ہوتا ہے اسلام
یہ شعر بشیر ایسے رویّہ پہ ہے صادق!
"ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام"
"وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا"

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ شیطان شیخ نجدی بن کر ان کافروں کے اجتماع میں شریک ہوا۔ اور سب مل کر اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے لگے چنانچہ ایک کافر ابوالبختری بولا کہ انہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تنگ و تاریک مکان میں بند کر دیا جائے صرف چھوٹا سا ایک روشن دان باقی رہنے دیا جائے۔ اس روشن دان سے کچھ روز قلیل کھانا

دیا جائے۔ چند روز کے بعد بے مارے خود ہی مر رہے گا۔ (معاذ اللہ) روحی فداہ - شیخ نجدی شیطان نے اس سکیم پر اعتراض کیا۔ کہ ارے ابوالبختری! تمہیں یہ معلوم نہیں۔ کہ یہ (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) وہ شخص ہے کہ اگر اسے سات قفلوں میں بھی بند کر کے رکھیئے تو بھی اس کی خوشبو باہر نکل آئے گی۔ اور پھر اس کے ماننے والے اس کی خوشبو پا کر، قفل توڑ کر بھی اسے نکال لیں گے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!! دشمن کو بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شرافت۔ لطافت و نفاست کا اقرار ہے۔ سچ ہے ؎

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں!
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک کی خوشبو

اعلیٰ حضرت کا یہ شعر جو میں نے پڑھا ہے۔ یہ دراصل ترجمہ ہے اس حدیث کا جو دارمی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:-

كَانَ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ خِصَالٌ لَمْ يَكُنْ فِيْ طَرِيْقٍ فَيَتْبَعُهٗ اَحَدٌ اِلَّا عَرَفَ اَنَّهٗ قَدْ سَلَكَهٗ مِنْ طِيْبِ عَرَقِهٖ.

(حجۃ اللہ علی العالمین ص۶۸۵) یعنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں خاص اوصاف تھے۔ ایک ان میں سے یہ بھی تھا کہ! اگر حضور کی تلاش میں کوئی نکلتا تو حضور جس راستے تشریف لے جاتے تو صرف حضور کے پسینہ کی خوشبو سے جو اس راستے مہکی ہوتی۔ پہچان لیتا کہ حضور اس راستے سے گزرے ہیں۔"

دیکھا آپ نے! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نظافت و لطافت کو ؎

نور عین لطافت پہ الطف درود!
زیب و زین نظافت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود
فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام

بھیجی بھیجی جھک پر نسبتیں درود!

پڑی پیاری نفاست پہ لاکھوں سلام

میرے دوستو! شیطان نے ابو بختری کی اسکیم کو رد کر دیا۔ اور حضرات نے شیطان کے اس اعتراض کی تائید کی۔ پھر عمرو بن ہشام نامی کافر نے اپنی ایک اسکیم بیان کی۔ شیطان نے وہ بھی رد کر دی۔ پھر ابوجہل نے یہ اسکیم پیش کی کہ:

"اس وقت مکہ میں پندرہ بیس خاندان ہیں جو محمدؐ سے سخت ناراں ہیں۔ صرف بنی ہاشم اس کے طرفدار ہیں۔ ہر ایک خاندان میں سے ایک ایک آدمی لیا جائے۔ اور سب کے سب دفعتہً وار کریں۔ اور آپ کو ختم کر کے اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔ جب صبح کو بنی ہاشم کو خبر ہو گی۔ تب ایک گھر اتنے گھرانوں کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اور ہم کامیاب ہو جائیں گے"

شیطان نے اس اسکیم کو منظور کر لیا۔ اور یہی بات مقرر ہو کر مجلس برخاست ہوئی۔ ادھر جبرئیل امین نے حاضر ہو کر ساری کیفیت بارگاہ رسالت میں عرض کر دی اور حضور نے اس حملہ والی رات کو اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لٹا دیا۔ اور خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر مکہ معظمہ سے ہجرت فرمانے کا ارادہ فرما لیا۔

حسب اسکیم جب کافرات کو حضور کے مکان پر پہنچے۔ اور سارے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ یٰسین شریف کی ابتدائی تلاوت کرتے ہوئے یعنی اِنَّا جَعَلْنَا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا الخ تلاوت فرماتے ہوئے تھوڑی سی خاک پر دم کر کے ان کافروں کی طرف پھینک دی۔ ایک مٹھی خاک ستر آدمیوں کے منہ پر، سروں، آنکھوں میں بھر گئی۔ اور سب طرف یہ خاک جا کے تکلیف ہونے سے سب کو نیند آگئی اور اللہ نے سب کو اندھا کر دیا۔ اور حضور ان میں سے صحیح و سلامت نکل گئے۔ اور صدیق اکبر کے گھر پہنچ کر صدیق اکبر جو حضور کے ارشاد کے مطابق پہلے ہی سے ہجرت کے لئے تیار تھے۔

کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ سے ہجرت فرما گئے اور کافر غائب وخاسر رہ گئے۔

صدیق وعلی

میرے بھائیو! صدیق وعلی رضی اللہ عنہما دونوں ہی حضور کے صحابی، اور جانثار ہیں۔ حضرت علی کا حضور کے بستر پر لیٹنا یہ اگر ایک ایثار ہے تو اس خطرے کی رات میں اپنا گھر بار چھوڑ کر حضور کے ساتھ ہو جانا بھی ایک ایثار عظیم ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ دونوں ہی حضور کے محبت اور حضور کے یار جاں نثار تھے، رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔ افسوس ہے اُن بے عقلوں کی اس حماقت پر جو یہ کہتے ہیں کہ بستر پر لیٹنا تو قربانی تھی مگر ساتھ جانا کوئی قربانی نہ تھی۔ سچ ہے۔ ع

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

میرے دوستو! میں کہہ رہا تھا کہ اس وطن کی محبت کو خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی قربان فرمایا۔ اور مکہ شریف کو چھوڑا اور ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ گویا ہمیں سبق دیا کہ ایمان کے لئے وطن چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔

ایمان مقدم ہے یا وطن

حضرات! آپ کو یاد ہوگا۔ پاکستان بننے سے قبل دیوبندی مولویوں نے کانگرس سے تعاون کرکے یہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ کہ وطن پہلے ہے اور مذہب بعد میں۔ چنانچہ مولوی حسین احمد مدنی نے علی الاعلان یہ بات کہی تھی۔ حالانکہ کانگرس اور کانگرسی مولوی جان بوجھ کر یہ بات کہہ رہے تھے۔ جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ دین ومحبت اور ایمان کو مقدم رکھا ہے اور وطن کی محبت کو اس محبت پر قربان کیا ہے۔ اگر وطن مقدم ہوتا۔ تو خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کبھی مکہ معظمہ سے ہجرت نہ فرماتے۔ اسی طرح دیگر صحابہ کرام جنہوں نے وطن چھوڑا۔ کبھی وطن نہ چھوڑتے۔ مگر انہوں نے دین وایمان کے لئے وطن کو چھوڑا ۔ ؎

نہ اپنی جان کی خاطر نہ اپنی آن کی خاطر!
وطن چھوڑا انہوں نے دین اور ایمان کیخاطر

غدار

مسلمانو! ایسے افراد آج پاکستان میں بھی موجود ہیں جو تقسیم کے بعد ناچار پاکستان زندہ باد کا نعرہ تو لگاتے ہیں۔ مگر در پردہ آج بھی ان کے دلوں میں بھارت کی یاد چٹکیاں لے رہی ہے۔ یہ لوگ بڑے فتنہ پرور ہیں۔ جھوٹی افواہیں اڑانا۔ مسلمانوں کو بات بات پر مشرک بنانا اور انہیں بدعتی کہہ کہہ کر آپس میں لڑانا ان

لوگوں کا کام ہے۔ یہ لوگ بظاہر ہمارے خیر خواہ ہیں۔ مگر بباطن ہمارے دشمن ہیں۔ "دیوبندی" کے عنوان سے میں نے ایک نظم لکھی تھی جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

ہے اُدھر بھی اور اِدھر بھی چال اس کی دیکھئے
اُن کا بھی ہمراز ہے، اور ہم سے بھی ہے ہمکلام
غالباً کوئی اسی کے حق میں ہے یوں کہہ گیا!
با مسلماں اللہ اللہ! با برہمن رام رام

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایثارِ مال

حضرات! یہ تو تھی وطن کی محبت جسے صحابہ کرام نے ایمان کی محبت پر قربان کر دیا۔ اب آیئے مال کی محبت کو دیکھئے۔ صحابہ کرام نے اسے بھی کس طرح ایمان کی محبت پر قربان کر دیا —

چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ مشہور واقعہ ہے۔ جو کنز العمال میں موجود ہے اور تاریخ الخلفاء صہ۳۱ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں کچھ دو اور میری خدمت میں حاضر کرو۔ حضور کا یہ ارشاد پاک سنکر حضرت عمر فرماتے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ آج اتفاق سے میرے پاس کافی مال ہے۔ اور ابو بکر ہر موقعہ پر محبت و ایثار میں ہم سب سے بڑھ جایا کرتے ہیں۔ آج میں کس قدر مالی قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کروں کہ ابو بکر سے بھی بڑھ جاؤں اور اپنے آقا کو راضی کر لوں۔

ہماری ریس

مسلمانو! دیکھا آپ نے ان پاک لوگوں کی ریس کو کہ ریس اگر کرتے ہیں تو نیک کاموں میں۔ کہ اگر اس نے اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ کیا ہے تو میں اس سے بھی زیادہ خرچ کر کے دکھاؤں گا۔ مگر ایک ہماری ریس بھی ہے۔ کہ اگر فلاں شخص نے اپنے لڑکے کی شادی میں آتشبازی اور باجے منگوائے ہیں تو میں اپنے لڑکے کی شادی میں کنچنیاں کو منگواؤں گا۔ گویا اگر وہ چھوٹا شیطان ہے تو میں بڑا شیطان بن کے دکھاؤں گا۔ استغفر اللہ! کیسی جہالت ہے۔ خدا تعالیٰ

خوشی کا موقعہ دیکھتا ہے تو بجائے اس کے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے ہم ہیں کہ کفر پر کمر بستہ ہو جاتی ہے اور پھر یہ کہ جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے وقت تو غریب و مسکین بن جاتا ہے، بیاہ شادیوں میں اس قدر شاہ خرچ بن جاتا ہے کہ گویا اس کو کسی بات کی پرواہ ہی نہیں۔ علمائے کرام ان فضول خرچیوں سے روکتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں۔ مولوی صاحب! آخر برادری میں ناک بھی تو رکھنی ہے گویا ناک نہ جائے مگر چاہے ٹوٹ ہی جائے۔ حالانکہ ایسے وقت میں مسلمان کو اپنے خدا و رسول کے ارشادات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ سارے عزیز بگڑ جائیں تو بگڑ جائیں مگر خدا اور اپنے رسول کو ناراض مت کرنا۔ ایسے وقت مسلمان کا یہ شیوہ ہونا چاہیئے — کہ یارسول اللہ!

مرے عمل سے نہ بھائی خوش ہیں نہ خویش خوش ہیں نہ باپ خوش ہیں
مگر میں سمجھا ہوں اس کو اچھا بس یہ ہے کہ آپ خوش ہیں!

برادری میں ناک رہے نہ رہے۔ بارگاہِ رسالت میں ناک رہنی چاہیئے — اور ایسی ناک جسے رسم و رواج کی سرپرستی سے چھٹکارا ہو جائے۔ ہرگز پسندیدہ ناک نہیں ہے۔

لطیفہ: جیسے ایک امیر آدمی کا لڑکا تھا۔ اُسے ناک پر ایک خطرناک پھوڑا نکل آیا — ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ ناک کاٹ دی جائے۔ ورنہ یہ پھوڑا مہلک ثابت ہوگا۔ چنانچہ اس لڑکے کی ناک کاٹ دی گئی۔ اتفاق دیکھئے کہ چند روز بعد ہی اس لڑکے کی ایک امیر آدمی کے ہاں بارات جانے والی تھی۔ لڑکے کے باپ نے سوچا کہ اگر لڑکی والوں کو پتہ چل گیا کہ لڑکے کی ناک کٹی ہوئی ہے تو بڑی ندامت کی بات ہے۔ اور ممکن ہے وہ رشتہ توڑ بیٹھیں۔ اس لیے کوئی ایسی ترکیب کی جائے جس سے نکاح سے پہلے پہلے پتہ نہ چل سکے کہ لڑکے کی ناک نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے کافی روپیہ خرچ کرکے امریکہ سے ربڑ کی ناک منگوائی۔ اور وہ مصنوعی ناک لڑکے کے چہرہ پر فٹ کر دی۔ بارات کا دن آیا اور نکاح کے وقت دولہا میاں بیٹھے اور نکاح خواں نے کہا کہ فلاں لڑکی کو تم نے قبول کیا، اتفاقاً اسی وقت دولہا میاں کو چھینک آگئی۔ اور آپ زور سے چھینکے تو سب کے سامنے ربڑ کی ناک نیچے آگری۔ سہرے کو ہٹا کر جو دیکھا گیا تو دولہا میاں نکٹے نظر آئے۔ لڑکی والوں نے اسی وقت

جواب دے دیا اور یہ بارات بہزار ندامت واپس لوٹی۔

میرے دوستو! جو ناک رسم و رواج کی رہ بڑھتے ہوا کر آج چسپاں کی جائے گی۔ کل قیامت کے دن جب قہر الٰہی اور غضب الٰہی کا ایک طمانچہ پڑا۔ تو یہ ناک فوراً نیچے گر پڑے گی۔ ہاں وہ ناک جو بارگاہِ رسالت میں قائم رہ گئی۔ دائم رہے گی۔ اور اسے کوئی خطرہ نہیں۔ تو ہمیں اپنی ناک بارگاہِ رسالت میں قائم رکھنی چاہیئے۔

ہاں تو میں بیان کر رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دل میں یہ سوچ کر گھر گئے کہ آج اس قدر راہِ خدا میں دوں گا۔ کہ صدیق سے بھی بڑھ جاؤں گا۔ چنانچہ آپ گھر گئے۔ اور جس قدر مال تھا۔ سب کے دو حصے کئے اور آدھا گھر رکھا اور آدھا حضور کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اس قدر ایثار فرما کر یہ سوچا کہ آج صدیق اکبر سے میں بڑھ جاؤں گا۔ **مگر** ؎

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا
شاہد ہے جس کی مہر و وفا پر حرا کا غار

کیا دیکھتے ہیں کہ افضل الخلق بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آ گئے۔ اور کس شان سے آئے۔ مسلمانو! سنیے! جس قدر بھی مال و متاع گھر میں تھا۔ سارے کا سارا لے کر حاضر ہو گئے۔ سو کا سو فیصدی ہی لے آئے۔ فاروق اعظم نے دیکھا تو دل ہی دل میں کہا کہ صدیق سے بڑھ جانا مشکل ہے۔ حضرت صدیق نے سارا مال حضور کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ حضور اپنے یارِ غار کا یہ ایثار دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ ابوبکر! گھر اپنے لئے کیا چھوڑ گئے؟ صدیق نے عرض کیا ؎

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

خدا کا پیغام صدیق کے نام

مسلمانو! اس موقع پر صدیق کی شان کا بیان سنو! حدیث شریف میں آتا ہے کہ جبریل امین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ!

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُقْرِئُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ
قُلْ لَهٗ اَرَاضٍ اَنْتَ عَنِّيْ فِيْ فَقْرِكَ هٰذَا اَمْ

سَاخِطٌ۔ اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر پر سلام فرماتا
ہے۔ اور فرماتا ہے یا رسول اللہ آپ صدیق اکبر سے
پوچھیے کہ کیا وہ اس عالم فقر میں مجھ (اللہ) سے
راضی ہے یا ناراض؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا یہ پیغام صدیق اکبر کو سنایا۔ تو مسلمانو! اس پیغام کی لذت صدیق اکبر نے ہی پائی۔ آپ عالم وجد میں آ گئے اور عرض کیا۔

اَسْخَطُ عَلٰی رَبِّیْ؟ اَنَا عَنْ رَبِّیْ رَاضٍ اَنَا عَنْ
رَبِّیْ رَاضٍ اَنَا عَنْ رَبِّیْ رَاضٍ (تاریخ الخلفاء)

کیا میں اپنے رب سے ناراض ہوں گا؟ میں اپنے
رب سے راضی ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی
ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ!! ایک ہم ہیں کہ اس کوشش میں بیٹھے ہیں کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو جائے اور ہمیں کوئی یقین نہیں کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہے یا نہیں۔ محض اس کے فضل و کرم پر ہی بھروسہ ہے اور ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہیں کہ خدا دریافت فرما رہا ہے کہ اے صدیق! کیا تم ہم پر ناراض تو نہیں، ورنہ تم ہم پر راضی تو ہو؟ اللہ اکبر! کیا شان ہے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ جہنم میں جائیں وہ لوگ، جو صدیق اکبر کے دشمن ہیں اور اپنے گھر بیٹھے بیٹھے ہی کہتے ہیں کہ ہم صدیق اکبر پر راضی نہیں ہیں۔

مسلمانو! مل کے پڑھو!

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ
یار کے نام پہ مر مٹنے والا سب کچھ صدقے کرنے والا
منزلِ عشق و صدق کا رہبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ
رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ
رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

حضرات! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سخاوت کے متعلق قرآن پاک میں بھی ہے

آیت موجود ہے۔ خدا فرماتا ہے :-

اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی (پ ۳۰ ع ۱۷) "وہ جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے۔ کہ وہ راضی ہو"

یہ آیات کریمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ تفسیر خزائن العرفان میں لکھا ہے :-

جب حضرت صدیق اکبر نے حضرت بلال کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کیا تو کفار کو حیرت ہوئی۔ اور انہوں نے کہا کہ حضرت صدیق نے ایسا کیوں کیا۔ شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہو۔ جو انہوں نے اتنی گراں قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرما دیا گیا۔ کہ حضرت صدیق کا یہ فعل محض اللہ کی رضا کے لئے ہے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں۔ اور نہ ان پر حضرت بلال وغیرہ کا کوئی احسان ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے لوگوں کو ان کے اسلام لانے کے سبب خرید کر آزاد کر دیا۔ (خزائن العرفان ص۸۶۰)

اسی طرح دوسری کتب تفاسیر میں بھی لکھا ہے کہ :-

اَلْاٰیَۃُ نَزَلَتْ فِیْ حَقِّ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حِیْنَ اشْتَرٰی بِلَالًا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔

(روح البیان ص۴۵۳ ج ۴) یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ

عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جبکہ آپ نے حضرت
بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا تھا۔ (اور آزاد کیا تھا)

تو میرے بھائیو! جن کی سخاوت وایثار کی گواہی خود خداوند کریم بن رہا ہو۔ ان کی کتنی بڑی شان ہوگی ؎

مہر روشن دلاں صدیق اعظم!
کہ شد اسلیم تصدیقش مسلّم!!
ز مہرش روز دیں را روشنائی
بدو اہلِ یقیں را آشنائی!

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنہیں خرید کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آزاد کیا تھا۔ ایک حبشی غلام تھے۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آکر ہمارے سردار بن گئے۔ یہ امیہ کافر کے غلام تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ امیہ کو پتہ چلا کہ بلال مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ آپ کو سخت ایذائیں دینے لگا۔ آپ کو ننگے بدن دوپہر کے وقت گرم گرم ریت پر لٹاتا اور پیٹتا تھا۔ مگر ؎

آنجا کہ منتہائے کمالِ ارادت است
ہر چند جور بیش محبت زیادت است!

حضرت بلال رضی اللہ عنہ پٹتے۔ ایذا سہتے اور احد احد کے نعرے لگاتے تھے اور گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تصور میں یہ فرماتے تھے ؎

حلق پر تیغ رہے، سینے پہ جلاد رہے،
لب پہ ترا نام رہے۔ دل میں تری یاد رہے

یا رسول اللہ! مر جاؤں۔ کٹ جاؤں۔ مٹ جاؤں۔ مگر تیرا دامن چھوڑنا منظور نہیں ؎

توڑ دیں گر ہڈیاں میری سبھی
دامن احمد نہ چھوڑوں گا کبھی!

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ بلال پٹ رہے ہیں۔ اور ہنس رہے ہیں صدیق نے یہ منظر دیکھ کر پوچھا۔ بلال یہ کیا؟ پٹتے ہو اور ہنستے ہو؟ بلال نے جواب دیا۔ کہ دیکھ لیجئے یہ واقعہ ہے۔ اور یہ دستور ہے کہ اگر کسی کو ایک

مٹی کا پیالہ خریدنا منظور ہو تو وہ خریدار ؎

پہلے تو ٹھونکے بجائے گا اُسے وہ بالیقیں
کہ یہ کچا تو نہیں ہے اور ٹوٹا تو نہیں!
میں بھی ہوں مٹی کا پتلا عشق کے بازار میں
آگیا ہوں میں پسند اس دم نگاہِ یار میں

اے صدیق! اللہ مجھے اس کافر سے پِٹوا کر میرا امتحان لے رہا ہے کہ میں عشق رسول میں کچا تو نہیں ہوں۔ تو میں خوشی سے کیوں نہ ہنسوں کہ میرا مولا مجھے خریدنے کے لئے تیار ہے۔

امتحان عشق یا کرتے کی داستان

اور سنئے۔ کسی عاشق نے اپنے محبوب کو کرتہ (قمیص) پہنے ہوئے دیکھا۔ تو کرتے سے کہا۔ اے کرتے۔ مجھ سے تو تُو ہی اچھا ہے۔ جو محبوب کے بدن کے ساتھ لگ رہا ہے۔ مجھے دیکھ میں فراق کی آگ میں جل رہا ہوں! تو، ؎

کہا کُرتے نے کر انصاف میری داستاں سُنکر!
کہ میں کن سختیوں کے بعد پہنچا یار کے تن پر!
کساں کے ہاتھ آکر میں نے پہلا دکھ یہ پایا ہے
زمیں میں مجھ کو دابا اور مجھ پر ہل چلایا ہے
زمیں میں دفن ہو کر کچھ نہیں شکوہ کیا میں نے
اور اُس مٹی سے جل کر کنوئیں کا پانی پیا میں نے
مٹایا اپنی ہستی کو جو میں نے خاک کے اندر!
کیا پھر عشق نے زندہ میں نکلا ایک گل بنکر
مکمل ہو گیا جس دم میں بنکر روئی کا بوٹا!
کساں آیا پھر اس کے ہاتھ سے میرا یہ سر ٹوٹا
پھر اس کے بعد ایسی امتحاں کی اک مشین آئی!
کہ جس نے میرے جسم و جان کی تفریق کر ڈالی
اسے سب بیلنا کہتے ہیں میں اس میں پھنسا ایسا
کہ میری ہڈیاں کرنے لگیں ساری الگ اک جا

میں ہر میدان میں صابر رہا لیکن مرے بھائی!
ابھی تک امتحانِ عشق سے چھٹی نہیں پائی
پھر آئے حضرت نداف میرا امتحاں لینے
اور اپنی دھنکی سے عاشق کو چوٹیں عشق کی دینے
پھر اس کے بعد چرخہ کاتنے والے چلے آئے
وہ میرے جسم کی رگ رگ کو باہر کھینچکر لائے
پھر اس کے بعد کپڑا بننے والے نے مجھے پکڑا
مجھے گھر لے گیا اور پھر مشینوں میں مجھے جکڑا
ملی مجھ کو یہاں پھر دوسری اک زندگی بھائی!
یہاں پہنچا تو کپڑے کی مجھے صورت ملی بھائی!
مصائب کیا ابھی کم تھے، مگر تھی عشق کی مرضی
مرا پھر امتحاں لینے کی خاطر آگیا درزی!
ہوا تیار درزی امتحاں لینے کو جی بھر کے!
کئے قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے میرے جسم لاغر کے
پھر اس کے بعد سوئیوں سے میرے اس جسم کو چھیدا
سیا مجھ کو تو پایا نام میں نے آج کرتے کا!
جو میں نے اس قدر دُکھ اپنی ہستی پر اٹھایا ہے!
تو پھر جاکر کہیں محبوب نے تن سے لگایا ہے

سنا آپ نے کرتے نے جو اپنی روئداد عشق بیان کی! بھائیو! حضرت بلال یا دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو مرتبے پائے ہیں وہ کچھ کرکے پائے ہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا مال وزر، اور خویش واقربا۔ اور اپنی جان تک حضور پہ قربان کی۔ تو حضور کو دیکھ لیجئے۔ اپنے صدیق کو اپنی آغوش رحمت میں لئے سبز گنبد میں تشریف فرما ہیں۔

ہاں، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت بڑی قیمت کا سونا دے کر حضرت بلال کو خرید کر آزاد کر دیا اور بلال حضور کے قدموں میں پہنچ گئے، اور صدیق کے حق میں کوئی

بالا آیات نازل ہوئیں۔
دیکھا آپ نے یہ ہے ایمان والوں کی شان کہ ایمان کے لئے نہ مال کی پرواہ کی جاتی ہے اور نہ جان کی!

لطیفہ

ایک تو یہ بزرگ تھے کہ جان و مال سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان فرما گئے ایک ہم ہیں کہ خدا راہ حق میں جو طلب فرماتا ہے۔ ہم اس سے گریز کرتے ہیں — اور چاہتے ہیں کہ انعام ہمیں وہی ملے جو ان بزرگانِ دین کو ملا۔ جو اپنا سب کچھ راہِ حق میں لٹا گئے۔

کہتے ہیں ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا۔ یار! میں باہر سفر میں جا رہا ہوں میں چاہتا ہوں کہ تمہاری کوئی نشانی میرے پاس رہے۔ تاکہ تم ہر وقت میری یاد میں رہو میرے خیال میں تم اپنی یہ انگوٹھی بطور نشانی مجھے دے دو۔ تاکہ ہر وقت تم میرے پیش نظر رہو۔ اور مجھے یاد آتے رہو۔ دوست نے کہا۔ مگر تمہیں میری یاد ہی تو منظور ہے۔ اور وہ یوں بھی حاصل ہو سکتی ہے کہ اپنی خالی انگلی دیکھ کر یاد کر لیا کرنا کہ میں نے اپنے دوست سے انگوٹھی مانگی تھی۔ مگر اس نے نہ دی۔ جس طرح انگوٹھی کو دیکھ کر میری یاد آئے گی۔ اسی طرح انگلی انگوٹھی سے خالی دیکھ کر بھی میری یاد آ سکتی ہے۔ پھر خواہ مخواہ انگوٹھی دینے اور پہننے کے تکلف کی کیا ضرورت! تو میرے بھائیو! آج ہمارا بھی خداوند کریم سے کچھ اسی قسم کا معاملہ ہے کہ اے مولا! تو نے پہلے مسلمانوں سے مالی و جانی ایثار طلب فرمایا اور انہوں نے سب کچھ پیش فرما دیا۔ اس طرح تو نے انہیں اپنی یاد میں رکھنے کی سرفرازی عطا فرمائی اور ہمیں بھی تو تو اپنی یاد سے سرفراز فرمانا چاہتا ہے نا۔ تو یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ہم وہ ہیں کہ تو نے جب بھی کچھ راہِ حق میں طلب فرمایا۔ ہم نے گریز ہی کیا۔ میرے بھائیو! اس قسم کی روش سے پناہ مانگو۔ یہ خدا کی یاد نہیں۔ بلکہ یہ ہماری بہت بڑی بھول ہے اور یاد رکھو۔ اس بھول کا نتیجہ بڑا بھیانک ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ بھول جانے والوں سے کل قیامت کے دن یوں فرمایا جائے گا۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ
يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَأْوٰكُمُ النَّارُ (پ ۲۵ ع ۲۰)

اور فرمایا جائے گا آج ہم تمہیں چھوڑ دیں گے

جیسے تم اپنے اس دن کے ملنے کو بھولے ہوئے
تھے اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے۔"

دنیا ایک کھیتی ہے

میرے بھائیو! اس دنیا میں جو کر دگے۔ کل وہی سامنے آئے گا۔ یہ دنیا گویا ایک کھیتی ہے۔ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ ایک پنجابی شاعر لکھتا ہے:-

دنیا کھیتی آخرت دی، خود حضرت فرماوے!
جیب اس وچہ بیجے کوئی ویساہی پھل پاوے
جے توں اس نوں محنت کر کے نہیں اج وہاتے
بھلکے تیرے تائیں ہوسن بوہل نے کھلاتے
جے بجن ویلے کجھ نہ بیجیں مرسم بیا گوادیں!
اگے فصل جو پکی ویکھیں رو رو کے پچھتاویں
تیں بھیں سگے چنگے ہالی ہل وا گئے اگیرے
شوق عشقدی ہل پنجالی توں بھی گھن سویرے

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ایمان کی محبت پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ جان، مال اولاد ہر ایک چیز کی محبت کو ایمان پر نچھاور کر دیا۔ اولاد کی محبت ہر صاحب اولاد خوب سمجھتا ہے۔ مگر اللہ رے محبت ایمان کہ صحابہ کرام نے اس محبت کی بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور ایمان کی محبت ہی کو مقدم رکھا۔ چنانچہ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور اُن کے دو صاحبزادے

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے گھر پہنچے تو آپ کے دو چھوٹے بچوں نے کلمہ طیبہ کو سنکر اپنے والد ماجد سے پوچھا۔ اباجان! یہ کس پیاری ہستی کا نام لے رہے ہو کہ نام تم لیتے ہو اور مزہ ہمیں آرہا ہے۔ حضرت عمار نے جواب دیا ؎

ایہہ اوہ نام مبارک بچیو جس دا کل پسارا!
جے نہ ہندا ایہہ نال وال ہندا نہ عالم سارا

بچوں نے کہا تو پھر یہ کلمہ طیبہ ہمیں بھی پڑھا دیجئے۔ چنانچہ ان بچوں نے بھی کلمہ طیبہ
پڑھ لیا۔ اور دونوں مل کر اس پیارے کلمہ کا ورد کرنے لگے۔ وہ ورد کرتے کرتے باہر
نکلنے لگے۔ حضرت عمار نے فرمایا۔ بیٹو! ابھی اس کلمہ طیبہ کا باہر نکل کر پڑھنے کا وقت
نہیں ہے۔ کافر سنیں گے تو ایذائیں دیں گے۔ اندر ہی رہ کر پڑھو۔ بچوں نے جواب دیا تو
سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز جواب ہے کہ ؎

جدا پہرہ نام مبارک اتنا لیون تھائیں کیوں ڈریئے
نام مبارک لیندے رہیئے۔ جو بیتے سو جریئے

چنانچہ وہ دونوں صاحبزادے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے باہر نکلے اور اپنی جان
سے بے پرواہ ہو کر علی الاعلان اس نام پاک کا اعلان کرنے لگے۔ گویا دونوں بھائیوں کا
یہ ترانہ تھا کہ ؎

دل و جان دونوں فدائے محمدؐ
خدا ہم کو کر دے خاک پائے محمدؐ
کرم ہے ترا ہم پہ احسان خالق!
کہ پیدا ہوئے ہم برائے محمدؐ!
نہیں ہم کو غم جان جلتی تو جائے!
تمہاری محبت نہ جائے محمدؐ

ناگاہ ایک کافروں کا گروہ ادھر سے گزرا۔ اور یہ پیاری آواز انہوں نے سنی۔ تو
حسد سے جل گئے۔ ایک بے دین نے ان پاک بچوں کو طمانچہ مارا۔ کسی نے حضرت عمار
سے جا کر کہا۔ کہ تمہارے بچے مرنے پر تل گئے ہیں۔ جاؤ ان کو نام محمدؐ لینے سے
روکو۔ آپ کا جواب یہ تھا ؎

بے شک پتر ٹھنڈ اکھاں دی گود وچہ کرن اُتار
پر ایتھاں نئیں ودھ کے پیارے سانوں کالی کملی والا

پھر وہ شخص بچوں کی ماں کے پاس گیا۔ اور اسے واقعہ سنایا۔ تو وہ بولی ؎

دل دے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاون پتر تیرے ماواں
پر نام نبی توں بچے نکے پتر ہو دے کھول نہ ماواں

تھوڑی دیر کے بعد جب کافروں نے ان بچوں کو بے تحاشا ستایا اور بہت مارا تو

حضرت عمار اور ان کے والد حضرت یاسر نے باہر نکل کر کافروں کو اس جفا سے روکا - تو ان ظالموں نے حضرت عمار اور یاسر کو اور حضرت عمار کی بیوی کو بھی پکڑ لیا اور اس مقدس گھرانے کے سب افراد کو مارنا شروع کر دیا - اتفاقاً حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس طرف تشریف لے آئے - آپ نے یہ منظر دیکھا - تو فرمایا :-

اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃَ

یاسر والو! صبر کرو - تمہارا مقام جنت ہے -"

آخر کفار کی جفا نے ان نفوس قدسیہ کو جنت میں پہنچا دیا :-

حضرات! دیکھا آپ نے یہ ہے ایمان اور خدا نے بھی یہی فرمایا ہے - کہ

لَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ - یعنے اگر تم صاحب

ایمان ہو تو پھر گھبراؤ مت - عروج و سربلندی

تمہارے ہی لئے ہے"

میرے بزرگو! سب جانتے ہیں کہ آج ہمیں وہ عروج و سربلندی جو پہلے زمانہ میں تھی - حاصل نہیں - پہلے لوگ سربسجود ہو کر بارگاہ خداوندی میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی عرض کرتے تھے - اور خدا ان کے لئے " وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ " فرماتا تھا - آج ہم نے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنا چھوڑ دیا ہے - یعنے نماز کا نام تک نہیں لیتے تو خدا نے " اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ " کا مصداق ہمیں بنانا چھوڑ دیا - پہلے لوگ غازی بھی تھے - اور نمازی بھی - مجاہد بھی اور عابد بھی - آج کسی کو نماز کا کہہ کر دیکھئے تو جواب ملتا ہے میاں ہم غازی ہیں غازی - گویا جو غازی ہو وہ بے نمازی ہوتا ہے - حالانکہ جو غازی ہے میدان جہاد میں بھی اس کے لئے یادِ حق کی تاکید ہے - چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے :-

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (پ ع ۲)

اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو

ثابت قدم رہو - اور اللہ کی یاد بہت کرو - کہ تم

مراد کو پہنچو!

چنانچہ مسلمانوں کا جب بھی کافروں سے مقابلہ ہوا۔ انہوں نے میدان جہاد میں بھی نمازوں کو نہیں چھوڑا۔ اسی لئے اقبال نے بھی لکھا ہے کہ ؎

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز!
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز

مگر کس قدر انقلاب ہے کہ آج وہ نمازی ہے جو نماز نہ پڑھے۔ مسلمانو! نماز ایک بڑا اہم فریضہ ہے اور افسوس کہ جس قدر یہ اہم ہے۔ اسی قدر اس سے غفلت اختیار کی جا رہی ہے۔ دین و دنیا کے مالک و مختار حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب نماز سے بے اعتنائی نہیں فرمائی۔ تو ہم کس باغ کی مولی ہیں۔ پہلے زمانے کے مسلمان اس فریضہ کو بڑا اہم سمجھتے تھے اور اس کا ہر حال خیال رکھتے تھے۔ مگر آج؟

نمازیوں کی قسمیں

کہتے ہیں آجکل کے نمازیوں کی چند قسمیں ہیں۔ اصلی۔ وصلی۔ فصلی۔ آٹھ کے۔ کھاٹ کے۔ تین سو ساٹھ کے۔ اصلی تو وہ جو باقاعدہ پنجوقت کی نماز ادا کرے۔ فصلی وہ جو فصل کے موسم میں فصل پکنے پر خوشی میں آکر دو دن نماز پڑھ لے۔ وصلی وہ جو کسی کا مہمان بنے تو اس خیال سے کہ میزبان مجھے بے نمازی نہ سمجھے۔ دو دن کے لئے نماز شروع کر دے۔ آٹھ کے وہ جو آٹھویں دن صرف جمعہ پڑھ لیا کرے۔ کھاٹ چارپائی کو کہتے ہیں۔ کھاٹ کے وہ جو کسی کا جنازہ ہو جائے تو جنازہ پڑھ آئے۔ اور تین سو ساٹھ کے وہ جو تین سو ساٹھ دن یعنی پورے سال کے بعد نماز عید پڑھ لے۔ میرے بھائیو! ان سب قسموں میں سے اگر بننا ہے تو پہلی قسم کے نمازی بنو۔ یعنے اصلی نمازی بنو۔ مگر آہ! اس دور میں پہلی قسم کے نمازی بہت کم ہیں۔ دوسری قسموں کے زیادہ ہیں۔

ہمارے لیڈروں کی نماز

اور یہ جو ہمارے لیڈر ہیں۔ یہ زیادہ تر اگر کوئی نمازی ہو تو تین سو ساٹھ قسم کے نمازی ہیں سال بھر کے بعد عیدگاہ میں گئے اور قوم میں اپنی نماز کی نمائش کر دی۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر کوئی لیڈر نماز عید یا نماز جمعہ کبھی پڑھ لے۔ تو اخباروں میں اعلان ہونے لگتا ہے کہ فلاں لیڈر نے نماز پڑھی۔ ریڈیو میں اعلان ہوتا ہے کہ فلاں لیڈر نے نماز ادا کی۔ گویا حضرت نے ایک

تو کیا ہوا۔ اچنبھا اور ایسا کام جوان کے باپ دادا نے بھی نہ کیا تھا، کر ڈالا۔
میرے بھائیو! نماز پڑھو! اور خاص خدا کے لئے پڑھو اور پنجوقت کی باقاعدہ نماز پڑھو۔ خبردار! اس نماز سے غفلت اختیار نہ کرنا۔ یہ نماز بڑی برکتوں اور رحمتوں کا موجب ہے اور بے نمازی شیطان سے بھی زیادہ برا ہے ؎

شیطاں ہزار مرتبہ بہتر ز بے نماز
کاں سجدہ پیش آدم وایں پیش حق نہ کرد

شیطان نے تو ایک سجدہ اور وہ بھی حضرت آدم کے آگے نہ کیا تھا اور بے نمازی دن میں کئی سجدے اور وہ بھی خدا کے آگے نہیں کرتا۔ اس لئے بے نمازی شیطان سے بھی زیادہ برا ہے۔

مومنین کی امداد غیبی

حضرات! خدا کا وعدہ ہے کہ اگر تم مومن ہو تو فتح و نصرت اور سربلندی تمہارے ہی لئے ہے۔ چنانچہ اپنی تاریخ پڑھیے تو اس وعدۂ حق کے منہ بولتے نظر آتے ہیں۔ میدان بدر میں مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی؟ صرف تین سو تیرہ۔ اور مقابلہ میں ابوجہل کا لشکر ایک ہزار کے لگ بھگ تھا...... .... اور یہ لشکر بھی مسلح اور کیل کانٹے سے لیس۔ گویا کافروں کے پاس دنیاوی ساز و سامان سب کچھ تھا۔ اور مسلمانوں کے پاس کیا تھا؟ ؎

تھے ان کے پاس دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں
پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں!
نہ تیغ و تیر پہ تکیہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر
بھروسہ تھا تو اک سادی سی کالی کملی والے پر

سبحان اللہ! ان پاک لوگوں کے پاس بس نام خدا و نام مصطفےٰ تھا اور یہ لوگ میدان جہاد میں آئے تو آئے کس شان سے؟ یہ بھی سنیے! دنیا بھر کے جرنیلوں کو دیکھتے جائیے کوئی جرنیل اپنی فوجوں کو شراب پلا کر لڑائے۔ کوئی جرنیل اپنی فوجوں کو چائے بسکٹ کھلا کر لڑائے اور کوئی مکھن توس کھلا کر لڑائے۔ مگر آج کوئی بھی دکھاؤ۔ جس نے اپنی فوج سے روزہ رکھوا کر جنگ کرائی ہو۔ مسلمانو! یہ تین سو تیرہ مجاہدین جو میدان بدر میں تشریف لائے تھے۔ روزے سے تھے۔

آج ہم بھی ہیں کہ بجلی کے پنکھوں کے نیچے بھی۔ روزہ نہیں۔ اور ایک وہ بھی تھے کہ تپتے ہوئے میدان جہاد میں بھی روزہ تھا ؎

آہ! اسلام ترے چاہنے والے نہ رہے!

جن کا تو چاند تھا افسوس وہ ہالے نہ رہے

میرے بھائیو! ایک ہزار مسلح لشکر کے مقابر میں یہ اپنا بر ہنہ تین سو تیرہ تمام ایمان آئے۔ تو خدا نے ان کی کس طرح مدد فرمائی۔ سنیئے!

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (پ ۴ ع)

اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔ تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکرگزار ہو۔ جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے۔ کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے۔ تین ہزار فرشتہ اتار کر۔ ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و تقوےٰ کرو۔ اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں۔ تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔"

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن فرشتے بھیجکر جو مسلمانوں کی امداد غیبی فرمائی تھی۔ اس کا ذکر فرمایا ہے کہ اے پیارے تم میدان بدر میں مسلمانوں کو جب تسلی دے رہے تھے۔ اور یہ کہہ رہے تھے کہ تم اپنی قلت اور بے سروسامانی، اور کفار کی کثرت اور اسباب حرب پر خیال کر کے ہراساں نہ ہو۔ کیا تم کو یہ کافی نہیں۔ کہ خدا تمہاری تین ہزار فرشتے بھیجکر مدد فرمائے۔ خدا فرماتا ہے۔ کیوں نہیں ـــــ اگر تم

صبر و تقویٰ اختیار کروگے اور کافر تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ تو میں پانچ ہزار فرشتے بھیجکر تمہاری مدد کروں گا۔

چنانچہ اس جنگ میں پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے اور مسلمانوں کی مدد کرتے ہوئے کافروں سے لڑے۔ بخاری و مسلم شریف کی احادیث شریفہ میں آتا ہے۔ کہ بدر کے روز فرشتے گھوڑوں پر سوار ہو کر کافروں سے لڑتے رہے۔ اور انہوں نے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔

جبریل امین کا گھوڑا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ مسلمان اس روز کافروں کا تعاقب کرتے تھے اور کافر مسلمان کے آگے بھاگتا جاتا تھا۔ اچانک اوپر سے کوڑے کی آواز آتی تھی۔ اور سوار کا یہ کلمہ سنا جاتا تھا :-

اقدم حیزوم !

"یعنی آگے بڑھ ! اے حیزوم !"

حیزوم حضرت جبریل امین کے گھوڑے کا نام ہے۔ اور نظر آتا تھا کہ کافر گر کر مر گیا۔ اور اس کی ناک تلوار سے اڑا دی گئی۔ اور چہرہ زخمی ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے یہ معاملے سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کئے۔ تو آپ نے فرمایا "یہ آسمان سوم کی مدد ہے"

(تفسیر خزائن العرفان ص۲۵۱)

دیکھا آپ نے یہ ہے تفسیر وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کی۔ کہ صاحب ایمان حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مدد کے لئے خدا نے آسمان سے مدد نازل فرمائی۔ اور وہ بے سروسامانی کے عالم میں بھی سربلندی و غلبہ حاصل فرماگئے۔ مگر آج ہم دنیاوی ساز و سامان کے ہوتے ہوئے بھی مظلوم ہیں۔ دنیائے کفر ہم پر پے درپے حملے کر رہی ہے۔ اور ہمارے حق غصب کر رہی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ صرف اسلئے کہ ہمارے ایمان کمزور ہو گئے ہیں۔ میرے بھائیو! اب بھی وقت ہے۔ ہوش میں آؤ! اٹھو! پھر وہی حرارت ایمان پیدا کرو۔ اور دنیا کو دکھا دو۔ کہ ہم مسلمان ہیں

صاحب ایمان ہیں ؎

غیرت ہو تو گر کر بھی سنبھلنا نہیں مشکل
جرأت ہو تو زغے سے نکلنا نہیں مشکل
ہمت ہو تو حالت کا بدلنا نہیں مشکل
انجن ہو تو گاڑی کا بھی چلنا نہیں مشکل

گرمی سے کرو پہلے بخارات مہیّا!
پیدا ہو جو حرکت تو لگے گھومنے پہیّا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نانواں وعظ

اِتّباعِ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (پ ۳ ع ۱۲)

"اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان "اتباعِ رسول" ہے۔ مجھے بتانا ہے

کہ خدا سے رشتۂ محبت و دوستی بجز حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی کے کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ کوئی لاکھ جتن کرے مگر حضور کے وسیلہ کے بغیر وہ خدا تک ہرگز ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔

قُلْ سب سے پہلے آیت مبارکہ کے پیارے انداز کو دیکھئے۔ اپنے محبوب کی غلامی کا حکم دینا یہ خدا کی مرضی اور اسی کی منشا ہے۔ مگر وہ اپنی مرضی کو اپنے محبوب کی زبانِ حق ترجمان سے کہلواتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ قُلْ۔ اے محبوب! تو فرما دے۔ گویا اے محبوب! بات میری اور زبان تیری ؎

قُل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی
اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند

میرے دوستو! یہ حقیقت ہے کہ زبانِ مصطفےٰ سے جو کچھ ارشاد ہوتا ہے وہ دراصل خدا ہی کا ارشاد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حضور اپنی خواہش سے کچھ فرماتے ہی نہیں۔ بلکہ

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى
(پ ۲۷ ع ۵) وہ کوئی بات ہی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

مسلمانو! اپنا ایمان رکھو کہ ارشادِ رسول ارشادِ خدا ہی ہے ؎

قولِ حق قرآن ہے۔ قولِ پیمبر ہے حدیث
اہلِ دل کے واسطے تقریر ہے دونوں کی ایک
اس نے پھیرا دل، تو اس نے دعوتِ اسلام دی
وہ خدا اور یہ نبی تدبیر ہے دونوں کی ایک

ایک بھنگیے کا قصہ حضرات! آجکل ایک فرقہ جسے منکرِ حدیث کہا جاتا ہے۔ نکل آیا ہے۔ جو معاذ اللہ حدیث کو قابلِ اتباع نہیں سمجھتا۔ اور بزعم خویش قرآن کا تابع ہے۔ حالانکہ جو حدیثِ رسول کا تابع نہیں وہ قرآن کا بھی تابع نہیں مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ کے مطابق جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا تابع ہے۔ وہ خدا کا تابع ہے۔ اور جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا توڑنے والا ہے وہ خدا کے ہی فرمان کا توڑنے والا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ ایک بھنگیا تھا۔ بھنگا اُسے کہتے

ہیں۔ جس کی نظر ٹیڑھی ہو اور جسے ایک کے دو نظر آتے ہوں اس کے۔ ماسٹر نے
سے کہا۔ میرے گھر جاؤ اور طاق سے میرا آئینہ اٹھا کر لے آؤ۔ وہ بھینگا گیا اور طاق
میں آئینہ کو دیکھ کر واپس چلا آیا اور ماسٹر سے کہنے لگا۔ ماسٹر جی! طاق میں تو آئینے
دو رکھے ہیں۔ میں کون سا لاؤں۔ ماسٹر نے کہا۔ مگر وہ کیسے ہو گئے۔ آئینہ تو ایک ہی ہے
بھینگے نے کہا۔ نہیں صاحب! آئینے دو ہیں۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ اچھا جاؤ! ایک
آئینہ توڑ دو اور دوسرا لے آؤ۔ چنانچہ وہ بھینگا گیا اور اس نے ایک آئینہ توڑ ڈالا توڑنے
کے بعد یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ توڑا تو ایک آئینہ تھا۔ مگر دوسرا آئینہ اپنے آپ ہی کیسے
ٹوٹ گیا؟ یہ منظر دیکھ کر پریشانی کے عالم میں واپس ہوا اور ماسٹر صاحب سے کہنے لگا۔
ماسٹر صاحب! کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں نے آئینہ تو ایک توڑا تھا۔ مگر دوسرا خود بخود
ہی ٹوٹ گیا ہے۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ کم بخت بھینگے! آئینہ تو ایک ہی تھا۔ مگر
تیرے بھینگے پن کی بدولت تجھے دو نظر آئے اور تم نے دیکھ لیا کہ تم نے بزعم خویش جس
دوسرے آئینے کو توڑا وہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ بلکہ وہی تھا جو تجھے اپنے آپ ٹوٹتا
ہوا نظر آیا۔

میرے بزرگو! اسی طرح حکم رسول دراصل حکم خدا ہی ہوتا ہے۔ مگر ایمان کے بھینگوں کو ان میں تفریق نظر آتی ہے۔ اور یہ جو آج حدیث رسول کے منکر ہیں۔ انہیں کل پتہ چلے گا۔ جب انہیں حکم رسول توڑنے کی پاداش میں حکم خدا ہی ٹوٹا ہوا نظر آیا۔ خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمیں اس ایمان کے بھینگے پن سے بچائے! آمین!

شانِ نزول

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول مفسرین کرام نے یہ لکھا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف اور اس کے متبعین کو دعوت ایمان دی۔ تو وہ کہنے لگے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ۔ ہم اللہ کے بیٹے اور دوست ہیں اس موقعہ پر اللہ نے یہ آیت اتاری کہ ان سے کہہ دیجئے۔ اگر اللہ کے دوست بننا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کرو۔ ورنہ خدا کی دوستی محال و جنون ہے۔ (روح البیان ص۲۱۹)

اور پھر فرمایا کہ اب تو تم یہ چاہتے ہو کہ تم اللہ کے دوست بن جاؤ۔ مگر جب تم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام بن جاؤ گے تو يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ تمہیں اپنا دوست

وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى (پ ۳۰ ع ۱۸)
"چاشت کی قسم! اور رات کی جب پردہ ڈالے"
علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ روح البیان میں فرماتے ہیں:-
اشارت است بروشنی دروئے حضرت مصطفٰے
علیہ السلام وکنایتست از سیاہی موئے وے۔
(روح البیان ص۲۶۲ ج ۴) یعنے والضحٰی سے
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی روشنی
مراد ہے اور" واللیل" سے حضور کی زلف معنبر
کی سیاہی مراد ہے۔"
گویا اللہ تعالٰی اپنے محبوب کے چہرۂ انور اور محبوب کی زلفوں کی قسم فرمارہا ہے
کیونکہ محبوب کا چہرہ انور اور محبوب کی زلفیں بھی اللہ کو محبوب ہیں۔

محبوب کے زماں کی قسم

اور سنیئے! خدا فرماتا ہے:-
وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ
(پ ۳۰ ع ۲۸) اس زمانۂ محبوب کی قسم بیشک آدمی
ضرور نقصان میں ہے۔"
دیکھئے! یہاں محبوب کے زمانہ کی قسم فرمائی گئی ہے۔ گویا محبوب کا زمانہ بھی اللہ
کو محبوب ہے۔

محبوب کی زباں کی قسم

اور سنیئے! خدا فرماتا ہے:-
وَقِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ
لَّا یُؤْمِنُوْنَ۔ (پ ۲۵ ع ۱۳) مجھے رسول کے اس
کہنے کی قسم کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں
لاتے۔"
دیکھئے! یہاں محبوب کے قول وارشاد کی قسم فرمائی گئی ہے۔ گویا اللہ کو محبوب
کی زبان بھی محبوب ہے۔

محبوب کی جان کی قسم

اور سنیئے! خدا فرماتا ہے:-

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ

(پ ۱۴ ع ۵) اے محبوب! تمہاری جان کی قسم
بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں ؛

دیکھئے! یہاں محبوب کی جان کی قسم فرمائی گئی ہے اعلیٰحضرت فرماتے ہیں ؎

ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسمِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

وہ خدا نے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا!
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

ترا مسندِ ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

اتباع

میرے بزرگو! آیت مذکورہ میں اللہ نے حضور سے فاتبعونی کہلوایا ہے۔ کہ میری اتباع کرو۔ یاد رکھیئے۔ ایک ہے "اطاعت" اور ایک ہے "اتباع" ان دونوں لفظوں میں کچھ فرق ہے۔ اطاعت کا معنیٰ ہے فرماں برداری اور اتباع کا معنیٰ فرماں برداری کے علاوہ قدم بقدم چلنا کے بھی ہیں۔ یعنی اتباع عام ہے ۔ اور اطاعت خاص۔ اطاعت میں تو محبوب کے حکم و فرمان کی انتظار رہتی ہے مگر اتباع کا یہ معنیٰ ہے کہ حکم و ارشاد کی تعمیل کے علاوہ محبوب کے حکم و ارشاد کے بغیر بھی محبوب کی ہر مرضی کو اپنا لیا جائے۔ محبوب کا حکم نہ بھی ہو۔ تو بھی اس کی سیرت کو اختیار کر لیا جائے۔ میرے دوستو! اسی کا نام ہے مکمل غلامی!

غلامی کی مثال

مثلاً ہمارے ملک میں انگریز رہے تو ان کی غلامی میں، جب انہیں انگریزی بال کٹواتے۔ ٹیڑھی مانگ نکالتے اور داڑھی منڈواتے دیکھا۔ تو غلاموں نے بھی یہ سب حرکتیں اپنالیں۔ حالانکہ انگریزوں کا یہ کوئی حکم نہیں تھا کہ ایسا ضرور کرو۔ مگر غلامی کا تقاضہ یہ تھا کہ حاکم جس رنگ میں رنگا ہوا ہے اسی رنگ میں اپنے آپ کو بھی رنگ لو۔

اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ جنٹلمینو! خدا کا شکر ادا کرو کہ پچھلی جنگ میں جاپان یہاں نہیں آگھسا۔ ورنہ اگر وہ آجاتا تو پھر ہر فیشن ایبل جنٹلمین کو داڑھی منڈوانے

کے ساتھ ساتھ اپنی ناک بھی بیٹھی کرنا پڑتی ۔ اور ہر نائی تو استرے کے ساتھ ساتھ ایک عدد ہتھوڑا بھی رکھنا پڑتا ۔ اس لئے رعایا یوں کی ناک بیٹھی ہوئی ہے تو ان کے آ جانے سے پھر ناک کا چپٹا ہونا بھی فیشن میں داخل ہو جاتا۔

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ

اے میرے بھائیو! حاکم وقت کی بود و باش اور ان کی سیرت و صورت کا رعایا پر بڑا اثر پڑتا ہے چنانچہ خاندان بنی امیہ میں ولید بن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نمایاں شخصیتیں ہیں۔ ان تینوں کے عادات و اطوار مختلف تھے اور ان کے اپنے اپنے عہد میں جو جو کچھ ان کی اپنی طرز زندگی تھی اسی کا اثر رعایا پر بھی پڑتا رہا چنانچہ ولید کے متعلق روایت ہے کہ:۔

کَانَ صاحب بناءٍ واتِّخاذ لِلْمَصَانِعِ وَالضِّیَاعِ وَ
کَانَ النَّاسُ یلتقون فی زَمَانِہٖ فَاِنَّمَا یَسْئَلُ
بَعْضُھُمْ بَعْضًا عَنِ الْبِنَاءِ والمَصَانِعِ۔ یعنی
ولید عمارتیں۔ تالاب ۔ زرخیز زمینیں بنانے
اور تیار کرنے والا تھا۔ اس کے زمانہ میں لوگ ،
جب آپس میں ملتے۔ تو ایک دوسرے سے آبادیوں
اور نالاؤں، حوضوں وغیرہ کی تعمیر کے بارے میں
پوچھا کرتے تھے

اور سلیمان بن عبدالملک کے متعلق روایت ہے :۔

کَانَ صَاحِبُ نِکَاحٍ وَ طَعَامٍ وَکَانَ النَّاسُ یَسْئَلُ
بَعْضُھُمْ بَعْضًا عَلَی التزویج والجواری سلیمان
کھانے پینے اور نکاح کا شوقین تھا۔ تو لوگ بھی اس
کے عہد میں ایک دوسرے سے مل کر نکاح ، اور
لونڈیوں کی باتیں پوچھتے ۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق راویوں کا بیان ہے :۔

فَلَمَّا وَلِیَ عُمَرُ بن عبد العزیز کَانُوْا یَلْتَقُوْنَ

[illegible] قیام اللیل و حفظ
[illegible] القرآن، ومن ختمه ... من الأشهر

(طبری) سلیمان کے بعد حضرت عمر بن العزیز
رحمۃ اللہ علیہ (جو ایک ولی کامل حاکم تھے) خلیفہ
مقرر ہوئے تو ہر شخص ایک دوسرے سے مل کر یہی
دریافت کرتا کہ رات کو پڑھنے کا تمہارا کون سا وظیفہ ہے۔
تجھے قرآن مجید کتنا یاد ہے۔ تو کب ختم کرے گا۔ اور
تو مہینہ میں کتنے روزے رکھتا ہے؟"

دیکھا آپ نے! شاہانہ اقتدار جس طرز و طریق پر اپنی زندگی کی تشکیل کرتا ہو۔ انہی بنیادوں پر رعایا کی معاشرت و تمدن کی دیواریں بھی اٹھتی ہیں۔ آج سینما۔ تھیٹر۔ لاٹری بیمہ۔ بنک۔ تصویر کشی۔ سگ پروری۔ نیم عریانی۔ بے پردگی۔ راگ گانا۔ رقص و سرود وغیرہ جاہلی تہذیبیں ہمارے آقاؤں کو مرغوب ہیں۔ اس لئے رعایا نے بھی ان اشیاء کو اپنا لیا ہے۔ بلکہ معاذ اللہ بعض لوگ اب تو راگ و گانے اور رقص و سرود کو اسلامی فن و دینی کارنامہ ثابت کرنے لگے ہیں اور اس رقص و سرود کی باقاعدہ تعلیم اپنی لڑکیوں کو بھی دینے لگے ہیں۔ کسی زمانہ میں لڑکی کا باحیا ہونا۔ دینی مسائل اور گھر کے کام کاج سے واقف ہونا۔ سینا پرونا جاننا۔ نمازی و پابند شرع ہونا مرغوب و پسندیدہ تھا لیکن اب سب سے بڑے لڑکی کا بے حجاب ہونا اور ناچنے گانے میں مشتاق ہونا [illegible] ہے۔ ہم نے ایک نظم میں لکھا ہے ؎

سرخ تلوے سرخ ناخن سرخ لب!
ڈینجرس ہی ڈینجرس ہیں عضو سب
ہو نہ ہو سینے پرونے کی تمیز
ناچنے گانے کا ہو لڑکی کو ڈھب!

میرے بزرگو! اس کا نام تو غلامی ہے۔ حاکم کے بود و باش اس کی تہذیب و معاشرت کو بغیر اس کے حکم کے بھی اپنا لیا جاتا ہے۔

بلا چون و چرا تعمیل حکم: غلامی کا ایک اقتضا اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حاکم کا

حکم بلا چون و چرا تسلیم کیا جاتے اور یہ نہ کہا جائے کہ ایسا ہم کیوں کریں مثلاً ہماری حکومت نے گھڑیوں کا ایک گھنٹہ ٹائم پیچھے کر لینے کا حکم دیا تھا۔ تو سب نے اپنی اپنی گھڑیوں کا ایک ایک گھنٹہ ٹائم پیچھے کر لیا تھا۔ اور یہ کسی نے نہیں کہا تھا کہ ہم ایسا کیوں کریں اور اس کا فلسفہ کیا ہے؟ پھر جب حکومت نے نصف گھنٹہ آگے کر لینے کا حکم دیا۔ تو سب نے ایک دم نصف گھنٹہ ٹائم آگے کر لیا۔ اور "کیوں" پھر بھی کسی نے نہیں کہا۔ اور آج یقیناً اس بات کی حکمت اور فلسفہ بغیر حکومت کے کسی دوسرے کے علم میں نہیں لیکن ٹائم سب نے آگے کر رکھا ہے۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ حکم رسول پاک آجکل کے آزاد خیال افراد کیوں کیوں کرنے لگتے ہیں کہ ہم ایسا کیوں کریں۔ نماز کیوں پڑھیں اس کا فلسفہ کیا ہے۔ روزہ کیوں رکھیں اس کی حکمت کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اتباع رسول کا تقاضا یہ ہے کہ جو حکم سرکار ہو بلا چون و چرا اُسے تسلیم کر لیا جائے اور بقول شاعر نقشہ یہ ہو ؎

مصور دیکھنا تصویر میری یوں بنائی ہو
اُدھر حکم محمد ہو۔ ادھر گردن جھکائی ہو

اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ حضور ہی کی غلامی میں گزرے۔ کوئی قدم ان کی سیرت مطہرہ کے خلاف نہ اٹھے۔ کوئی حرکت ان کی مرضی کے مخالف نہ ہونے پائے۔ ان کی ہر ادا ہمیں محبوب ہو۔ ان کی ہر مرضی ہمیں مرغوب ہو۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

در ہمہ اقوال و افعال اے فتیٰ
قبلۂ خود ساز خلق مصطفیٰ

ملحدانہ دور

میرے بزرگو! آپ نے سنا کہ انگریز کی غلامی کا یہ عالم ہے کہ اس نے داڑھی منڈائی۔ تو غلاموں نے بھی منڈا ڈالی۔ اس نے ٹیڑھی مانگ نکالی تو غلاموں نے بھی نکال لی۔ اس نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تو غلاموں نے بھی کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ اسی طرح جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہو گا وہ بھی حضور کی ہر ادا اپنائے گا۔ حضور کے رخ انور پر ریش انور دیکھے گا۔ تو داڑھی رکھے گا۔ حضور کی سر انور پر سیدھی مانگ شریف دیکھے گا۔ تو سیدھی مانگ نکالے گا۔ اسی طرح جو جو ادا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھے گا۔ اُسے پسند کرے گا۔

مگر آہ! یہ ملحدانہ دور ایسا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک اداؤں اور مبارک سنتوں پر مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یہ داڑھی پر پھبتیاں، عمامے پر مذاق۔ مسواک پر آوازے کسنے۔ یہ ملحدانہ باتیں آجکل عام ہیں۔ خوب یاد رکھیے۔ داڑھی کا نہ رکھنا گناہ ہے۔ مگر کفر نہیں لیکن داڑھی پر مذاق اور پھبتیاں اڑانا یہ کفر ہے کہ ادائے محبوب کا مذاق اڑایا گیا۔ افسوس اُن ملحدین پر جو انگریز کے تو اندھے مقلد اور سرتاپا غلام ہیں۔ لیکن جن کی غلامی کا خالق کائنات حکم دیتا ہے۔ ان کی غلامی سے باہر ہیں اور نام رکھا ہے اس کا آزادی۔ حالانکہ جو حضور کا غلام نہیں۔ وہ برائے نام آزاد ہو تو ہو۔ ورنہ وہ آزاد کب ہے؟ رسم و رواج کا وہ غلام اپنے نفس کا وہ غلام شیطان کا وہ غلام۔ افسروں کا وہ غلام۔ حتیٰ کہ اپنی بیوی کا وہ غلام — ایک سرورِ عالم کی غلامی اختیار کر لیتا۔ تو ان سب غلامیوں سے نجات مل جاتی کہ ع

محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی

خدا کی گرفت

میرے بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی سے کنارہ کش ہو کر یہ جس کا نام لوگوں نے آزادی رکھ چھوڑا ہے۔ یہ آزادی ہرگز نہیں بلکہ غور کیا جائے تو اخروی ہولناک عذاب کے علاوہ اس دنیا میں بھی یہ لوگ خدا کی گرفت میں ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ ادا فرمانے کا ارشاد فرمایا۔ سو میں سے اڑھائی دینے کا حکم دیا۔ لوگوں نے یہ حکم نہ مانا۔ تو اس کی اخروی سزا تو کل ملے گی۔ اس دنیا میں بھی یہ سزا ملی کہ سینکڑوں ٹیکس پیچھے پڑ گئے۔ ہاؤس ٹیکس۔ انکم ٹیکس۔ ڈاگ ٹیکس۔ یہ ٹیکس اور وہ ٹیکس۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ حکم نہ مانا کہ دن پانچ وقت مسجد میں جائے۔ بوٹ اور جرابیں اتارے۔ وضو کرے اور نماز پڑھے۔ حکم رسول کی ان پابندیوں سے بھاگا۔ تو سینکڑوں پابندیاں پیچھے پڑ گئیں کہ صبح کا لباس اور، دوپہر کا اور، شام کا اور، ڈنر وغیرہ وغیرہ۔ سینکڑوں پابندیاں پیچھے پڑ گئیں۔ صاحب استطاعت لوگوں کو عمر بھر میں ایک بار حج کا حکم رسول ملا۔ تو اس کی پرواہ نہ کی گئی تو یہ سزا ملی کہ اچھا تو پھر ہزاروں کا خرچ کر کے ولایت جاؤ۔ اور وہاں کچھ نہ رہ کر اپنا دین و دنیا برباد کر کے آؤ۔ اور جو زیادہ سزا دینا منظور ہوئی۔ تو وہاں سے ایک میم صاحبہ کو بھی ساتھ کر دیا گیا جس نے یہاں پہنچ کر اپنے ولایتی نازو انداز سے مسٹر کا کچومر نکال کے رکھ دیا۔ حج کے دوران صفا مروہ کی دوڑ سے یہ لوگ بھاگے کہ کون وہاں جائے اور دوڑتا پھرے تو یہ

ملی کراچپ تو پھر یہیں فٹ بال کھیلتے دوڑو۔ پولو کھیلتے دوڑو۔ ہاکی کھیلنے دوڑو کبھی ادھر کبھی ادھر بس دوڑتے ہی رہیے!

میرے بھائیو! سچ پوچھو تو یہ آزادی برائے نام آزادی ہے سب خدا کی گرفت۔ مگر یار لوگ اسے آزادی سمجھ بیٹھے ہیں۔

لطیفہ ایک کابلی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ کابل سے ہندوستان آیا۔ تو ایک حلوائی کو دیکھا۔ جو تازہ حلوہ بنا کر بیچنے کو سامنے رکھ کر اپنی دکان پر بیٹھا تھا۔ کابلی نے اُسے دیکھا تو اپنی چھڑی اس کی آنکھوں کے قریب لا کر ہلانے لگا۔ حلوائی نے پوچھا۔ خان! یہ کیا کرتے ہو۔ کابلی بولا۔ خو! ہم دیکھتا ہوں کہ تم اندھا تو نہیں ہے۔ حلوائی بولا۔ میں اندھا نہیں ہوں۔ کابلی نے کہا۔ اگر اندھے نہیں ہو تو اتنا حلوہ سامنے رکھا ہے۔ اسے کھاتے کیوں نہیں؟ حلوائی بولا۔ خان! یہ حلوہ میں کھاؤں تو اجڑ جاؤں۔ خان نے کہا اچھا اگر یہ حلوہ کھانے سے آدمی اجڑتا ہے۔ تو ہم اجڑتا ہے۔ یہ کہا اور وہ سارا حلوہ کابلی نے کھا لیا۔ حلوائی نے پیسے مانگے۔ تو کابلی بولا۔ پیسہ ویسہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ حلوائی اُسے پکڑ کر عدالت میں لے گیا۔ قاضی نے فیصلہ کیا کہ کابلی کو گدھے پر بٹھا کر شہر میں پھراؤ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی ایک فوج اس کے پیچھے کر دو۔ جو ڈھول بجاتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلیں چنانچہ اس کابلی کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ گدھے پر بٹھایا۔ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی فوج کو پیچھے کر دیا گیا۔ جو ڈھول بجا بجا کر اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے اور کابلی کو سارے شہر میں پھرایا۔ کابلی صاحب جب اپنے وطن پہنچے۔ تو لوگوں نے پوچھا

"ملک ہند چگونہ ملک است؟" ہندوستان کیسا ملک ہے؟ تو بولے

"خوب است۔ حلوہ خوردن مفت است۔ سواری خر مفت است۔ فوج طفلاں مفت است۔ نیز ڈم ڈم مفت است۔"

یعنی بڑا اچھا ملک ہے۔ وہاں حلوہ مفت ملتا ہے۔ گدھے کی سواری مفت ملتی ہے۔ بچوں کی فوج مفت اور ڈھول بھی مفت ملتا ہے۔"

گویا خاں صاحب نے اپنی اس سزا کو اپنا جلوس سمجھ لیا۔ ملی تو اس کو سزا۔ مگر اس نے سمجھ یہ لیا کہ یہ میرا جلوس نکالا گیا ہے۔

میرے بھائیو! کچھ اسی قسم کا معاملہ یہاں بھی ہے کہ یہ باغیانِ رسول ہیں تو خدا کی گرفت میں ہیں لیکن نام انہوں نے اس کا آزادی رکھ چھوڑا ہے؟

بریں عقل و دانش بباید گریست!

میرے بھائیو! آؤ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سب رنگ ہسٹریاں پڑھو۔ وہ لوگ آزادی کا مزہ چکھ گئے۔ قیصر و کسریٰ پر اپنا رعب جما گئے۔ بلکہ حیوانات کو بھی اپنا مطیع و فرمانبردار بنا کر دکھا گئے۔ آب و باد، خاک و آتش پر حکمرانی کر گئے۔ شاعر لکھتا ہے ؎

وہ مسلمان کہاں اگلے زمانے والے!
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے

فاروق اعظم اور روم کا ایلچی

مسلمانو! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ سنو! اس واقعہ کو حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں بھی لکھا ہے اور میں آپ کو مثنوی شریف کے اشعار کے اردو منظوم ترجمہ میں یہ واقعہ سناتا ہوں۔

شاہِ روم نے ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا ایک ایلچی بھیجا۔ وہ ایلچی جب مدینہ منورہ پہنچا۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے محل کا پتہ پوچھنے لگا۔ اس نے سمجھا کہ جیسے ہمارے بادشاہ بڑے بڑے محلوں میں رہتے ہیں فاروق اعظم بھی جن کے نام سے بھی ہمارے بادشاہ کانپتے ہیں۔ کسی بہت بڑے محل میں اور بہت بڑے سنگین پہرے میں رہتے ہوں گے۔ چنانچہ وہ مسلمانوں سے حضرت فاروق اعظم کا محل پوچھتا رہا اور ؎

لوگ جب سنتے تھے اس کا یہ کلام!
ہنس کے کہتے تھے کہ اے فرخندہ خام
صبر و شکر اس کے ہیں دو حصن حصین
قصر کی اس شیر کو حاجت نہیں!
ہے امیر المومنین اگرچہ عمرؓ

پر نہیں رکھتا غریبوں سا بھی گھر

اس ایلچی نے جب یہ جواب سنا۔ تو بڑا حیران ہوا کہ یہ عجیب قسم کی حکومت ہے کہ اتنا بڑا بارعب جلالت مآب مسلمانوں کا بادشاہ۔ مگر نہ کوئی محل اور نہ کوئی پہرہ ؎

ہے تعجب فاتح ملک شہاں!
جانِ روشن کی طرح یوں ہو نہاں

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس سادگی کا ذکر سن کر اس کا شوقِ جستجو بڑھا اور ہر ایک سے پوچھنے لگا کہ فاروق اعظم کہاں ملیں گے۔

آخر اک بڑھیا یہ بولی دیکھ کر!
نخلِ خرما کے تلے ہے وہ عمر
ظلِ حق سایہ میں ہے سویا ہوا
یہ عمر ہے جس کا تو جویا ہوا!

بڑھیا کی نشان دہی سے وہ ایلچی کھجور کے درخت کی طرف بڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اللہ کا شیر مسلمانوں کا امیر وہ جس کے رعب و دبدبہ سے دنیائے کفر لرزہ براندام ہے بغیر کسی تکلف کے اکیلا اپنے ہاتھ کا تکیہ بنائے سو رہا ہے ؎

ڈیل میں تھا ایلچی گو فیل تن!
لیکن اس کا کانپ اٹھا تن بدن

سبحان اللہ! سوئے ہوئے اللہ کے شیر کا یہ رعب کہ روم کا ایلچی آپ کو نیند کے عالم میں بھی دیکھ کر کانپ اٹھا اور ؎

دل میں کہتا تھا، الٰہی کیا ہوا!
قیصر و کسریٰ کو دیکھا بارہا
جنگ میں بھی زخم کھائے سینکڑوں
دشمنوں کے سر اڑائے سینکڑوں!
میں نے مارے بیسیوں شیر و پلنگ
پر کبھی بدلا نہ اس چہرے کا رنگ
کانپتا ہے اب تو میرا جوڑ جوڑ

آکے یاں نکلی ہے اب ساری مروڑ

مسلمانو! پھر اس روم کے ایلچی کے منہ سے بے ساختہ نکلا ؎

آسمانی رعب ہے اس شخص کا
ہے خدائی بھید گدڑی میں چھپا

دیکھا آپ نے! یہ تھے آزاد مسلمان کہ آزادی سے سوتے ہیں اور کفر اس سوئے ہوئے بھی اللہ کے شیر کو دیکھ کر کانپ اٹھتا ہے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اور ایک جنگل کا شیر

میرے بزرگو! ان لوگوں کا رعب اور دبدبہ نہ صرف یہ کہ انسانوں پر تھا۔ بلکہ جنگلی درندوں پر بھی ان کا رعب تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سرزمین روم میں اپنے لشکر سے الگ ہو کر، راستہ بھول گئے۔ آپ اپنے لشکر کی تلاش میں تھے کہ راستے میں ایک خطرناک شیر مل گیا اس مشکل کے وقت آپ بالکل نہیں گھبرائے اور اس شیر کو مخاطب فرما کر یوں فرمایا۔

یَا اَبَا الْحَارِثِ اَنَا مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ اے ابا الحارث خبردار! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا غلام ہوں "

حدیث شریف میں آتا ہے یہ سنکر شیر نے کتے کی طرح دم ہلانا شروع کر دی اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی رہنمائی کرتا ہوا ساتھ چل پڑا۔ اور آپ کو لشکر میں ملا کر واپس چلا آیا۔ دیکھئے مشکوٰۃ شریف ص۵۴۳

ایک پنجابی شاعر نے اس موقعہ پر لکھا ہے کہ شیر نے جب یہ سنا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے تو گویا وہ یوں کہنے لگا ؎

شیر کہیا سفینے تائیں کس راہی راہ جاندے
جو غلام رسول اللہ دے اسی غلام اُنہاندے

صحابہ کرام کا اتباع رسول

حضرات! صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ساری زندگیاں اتباع رسول میں گزریں اور انہوں نے حضور کا اتباع

کرکے دکھایا۔ اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ مگر اتباعِ رسول کو نہ چھوڑا۔ حضور نے انہیں جدھر سے روکا وہ رک گئے۔ جدھر جھکایا جھک گئے۔ فتح مکہ کی لڑائی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا کہ جو مشرک سامنے آئے اسے قتل کر دو۔ اگرچہ وہ تمہارا اپنا عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ تو ان متبعینِ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کر دکھایا اور اپنے بیگانے میں کوئی فرق نہ رکھا۔ اگر سامنے باپ آگیا۔ تو اُسے نہ چھوڑا۔ بیٹا آگیا تو اسے معاف نہ کیا بھائی آیا تو اُسے نہ چھوڑا۔ یہی وہ اتباعِ رسول تھا۔ جس کی بدولت وہ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ کے مصداق بن کر اللہ کے محبوب بن گئے۔ اور ساری دنیا ان کے قدموں پر گر گئی۔

کدو سے پیار

میں نے آپ کو بتایا ہے کہ اتباع کے معنی ہیں قدم بہ قدم چلنا بھی ماخوذ ہے۔ محبوب کے حکم وارشاد کے بغیر بھی محبوب کی مرغوب چیز سے رغبت رکھنا اور اُسے اپنانا بہ اتباع ہے۔ چنانچہ اس کی مثال بھی صحابہ کرام میں بدرجہ اُتم موجود تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں ایک دعوت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا۔ صاحب خانہ نے کدو پکا رکھا تھا۔ میں نے دیکھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کدو کو بڑے شوق ورغبت سے تناول فرما رہے ہیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں حضور کی اس رغبت کو دیکھ کر۔

فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ یَوْمَئِذٍ (مشکوٰۃ ص۳۵۶)

اس دن سے میں بھی کدو سے محبت رکھنے لگا۔

دیکھیے حضور نے حکم نہیں دیا کہ اے انس تو بھی کدو کھایا کر اور اس سے ہمیشہ محبت رکھنا۔ مگر یہ اتباعِ رسول تھا کہ محبوب کو کدو کی طرف رغبت فرماتے دیکھا تو اس مبارک عادت کو خود بخود ہی اپنا لیا۔ میرے بھائیو! خوب یاد رکھو! خدا کی محبت ودوستی حاصل کرنے کے لئے یہی اتباعِ رسول درکار ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا وسیرت مبارکہ کو اپنا لیا جائے۔ اور آپ کے ہر حکم وارشاد کی تعمیل کی جائے۔ حضور کے اتباع واطاعت کے بغیر خدا کا پانا ناممکن ہے۔

مسلمانو! یہ تو بھلا صحابہ کرام کی باتیں تھیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی واطاعت نباتات وحیوانات اور جمادات نے بھی کرکے دکھائی۔

درختوں کی اطاعت

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ اگر آپ نبی ہیں تو کوئی معجزہ دکھائیے۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا وہ درخت جو سامنے کھڑا ہے اسے میرا یہ پیغام دو اور اتنا کہہ دو۔ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَدْعُوْكَ۔ تجھے اللہ کا رسول بلاتا ہے۔ وہ اعرابی گیا اور اس نے درخت سے یہ خبر کہہ دی۔ دوستو! حدیث میں آتا ہے۔ اُس درخت نے یہ حکم پاتے ہی اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے گر کر اپنی جڑیں زمین سے اکھیڑیں اور پھر جڑوں کو گھسیٹتا ہوا چلتے چلتے حضور کی خدمت میں پہنچ گیا اور عرض کرنے لگا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اعرابی یہ منظر دیکھ کر کہنے لگا۔ اچھا اب اسے کہئے۔ یہ پھر اپنی جگہ پر چلا جائے اور اسی طرح زمین میں گڑ کر کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ حضور نے اس درخت کو حکم دیا۔ تو وہ چلتا ہوا پھر اپنی جگہ پر جاکر کھڑا ہوگیا۔ اعرابی یہ معجزہ دیکھ کر فوراً مسلمان ہوگیا۔ (رحمۃ اللعالمین صفحہ ۲۲)

مسلمانو! سوچو تو ایک درخت تو حضور کے ارشاد سے پر آ بھی جاتا اور چلا بھی جائے مگر ایک وہ بھلائے نام انسان جو حضور کے حکم پر نہ مسجد میں آتا ہے اور نہ حضور کے روکنے پر منہیات سے رکتا ہے۔ کیا ایسا انسان بھی انسان کہلانے کے لائق ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسے شخص کے لئے تو قرآن پاک کا یہ ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ
قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا
وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا أُولٰٓئِكَ كَالْأَنْعَامِ
بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (پ ۹ ع ۱۲)

اور بیشک ہم نے جہنم کے لئے پیدا کئے بہت
جن اور آدمی۔ وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں،
اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے
سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے
بڑھ کر گمراہ۔ وہی غفلت میں پڑے ہیں۔

بھائیو! آنکھیں کھولو۔ اور خدا کا ارشاد دیکھو۔ کان کھولو اور رسول کا ارشاد سنو! اور اس غفلت کی زندگی کو ترک کرو۔ یاد رکھو۔ آج اگر آنکھیں بند رکھیں تو کل پھر یہ سننا پڑیگا۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ

فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (پ ۲۶ ع ۱۶) بیشک تو اس
سے غفلت میں تھا۔ تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا
تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔

اور یاد رکھو کل قیامت کے دن خداوند کریم نے ایک ایک بات کا سوال فرمانا ہے اور ہمیں جواب دینا پڑے گا۔ یہ کان اللہ نے دیئے ہیں۔ قرآن وحدیث شرعی احکام اور نیک باتیں سننے کے لئے۔ یہ آنکھیں ہمیں دی ہیں۔ نیک اور جائز چیزیں دیکھنے کے لئے۔ یہ عمر ہمیں دی ہیں۔ تاکہ ہم اللہ ورسول کی رضا حاصل کریں۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

حق چو فرماید چہ آوردی مرا!
اندریں مہلت کہ من دادم ترا
عمر خود را در چہ پایاں بردۂ
قوت و قوت در چہ فانی کردۂ
گوہر دیدہ کجا فرسودۂ
پنج حس را در کجا پالودۂ!

یعنی اللہ تعالیٰ کل قیامت کو پوچھے گا۔ کہ اے بندے! میں نے جو تجھے اتنی مہلت دی۔ تو اس مہلت میں تم میرے لئے کیا لائے ہو؟ اور بتاؤ کہ تم نے اپنی عمر کس شغل میں بسر کی۔ اور اپنا زور و زر کس بات میں لگایا۔ اور یہ آنکھوں کا موتی اور اسی طرح اپنی پنج حس کو کہاں صرف کیا؟

بھائیو! سوچو! کہ ان باتوں کا ہم کیا جواب دیں گے۔

غیر شرعی رسمیں

میرے عزیزو! آج ہم میں کئی ایک ایسی رسمیں موجود ہیں۔ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ مگر افسوس کہ ہم مسلمانی کا دعوےٰ کرتے ہوئے بھی ان کو نہیں چھوڑتے۔ شادیوں میں، ملکوں میں ہزاروں رسمیں بُری بُری ایسی کہ جن کے کرنے سے ایمان بھی جاتا رہے یا نقصان میں آجائے۔ کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ باجے گاجے ڈھولک تماشا۔ لڑکیوں کا گانا اور برات آنے پر چھتوں پر چڑھ کر کئی طرح کے بکواس ستمیز گانے گانا وغیرہ وغیرہ سب وہ باتیں ہیں۔ جن سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ مگر ہم ہیں کہ رکتے ہی نہیں۔ مسلمانو! خوب یاد رکھو! اگر خدا کو راضی کرنا

چاہتے ہو تو ہر معاملہ میں اس کے رسول کا اتباع کرو۔ اگر بدیں ہم سے سارا جہان ناراض ہو جائے۔ جہان ناراض ہوتا ہو تو ہونے دو۔ مگر رسول کریم کو ناراض مت کرو یا برادری کو رکھو یا اپنے رسول کو رکھو۔ بھائیو! مگر اتنی بات یاد رکھنا کہ اگر برادری ناراض ہو گئی تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ اور اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے۔ تو کچھ نہیں رہے گا۔ خوب یاد رکھو! جب تک تم اپنے ہر معاملہ میں بیع وشرا میں۔ حرکت وسکون میں۔ شادی وغم وغیرہ میں حضور کی فرماں برداری کا خیال نہ رکھو گے۔ تب تک تم کبھی صحیح معنوں میں مسلمان ہرگز نہیں بن سکتے۔ ویسے نام کے مسلمان ہو تو ہو۔ مگر کام کے مسلمان ہرگز نہیں!

لطیفہ مولانا رومی علیہ الرحمتہ نے ایک لطیفہ لکھا ہے۔ کہ ایک شخص نے بہت بڑا عمامہ باندھ رکھا تھا۔ ایک چور نے دیکھا۔ تو اس نے سوچا کہ اگر یہ عمامہ ہاتھ آجاتے۔ تو گھر بھر کے لئے ململ کی قمیضیں تیار ہو جائیں گی چنانچہ اس نے جھپٹ کر اس کا عمامہ اتار لیا اور دوڑا۔ عمامہ کے مالک نے چور کو آواز دی۔ کہ میاں چور! تم عمامہ کی ظاہری شکل پر بھول گئے۔ ذرا اسے کھول کر تو دیکھو۔ اس کے اندر کیا ہے ؎

کھول کر تو دیکھ اس کا کیا ہے حال
پھر بھی تو لے جائے تو تجھ کو حلال
اس کو کھولا بھاگتے ہیبت کرنے!
دھجیاں اور چیتھڑے گرنے لگے!
ہاتھ میں آخر کو اس کے رہ گیا
اک پرانا پارچہ کمخاب کا!

جیسے چور نے کھول کر دیکھا۔ تو اوپر ایک ہی پیچ ململ کا تھا۔ اندر سب چیتھڑے بھرے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ اسی طرح آج کل کے بے عمل مسلمانوں کا اسلام ہے کہ اوپر کلمہ کا ایک ہی پیچ ہے۔ اور اندر سب ہی کفریہ رسموں کے چیتھڑے بھرے ہیں ؎

از بروں طعنہ زدی بر بایزید!
وز درونت ننگ مے دارد یزید

"باہر سے تو ایسے کہ حضرت بایزید سے بھی اچھے،

اور

اندر سے ایسے کہ یزید سے بھی برے" خداوند تعالیٰ اندر اور باہر سے ہمیں پورا مسلمان بننے کی توفیق دے!

آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دسواں وعظ

خدا کی بندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ

(پ ۲۷ ع ۲)

"اور میں نے جن اور آدمی اتنے لئے ہی بنائے کہ میری بندگی کریں"

حضرات! آج کے میرے وعظ کا عنوان ہے "خدا کی بندگی" اس کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے چند تمہیدی کلمات سن لیجئے:۔

یہ واقعہ حقیقت ہے کہ خداوند کریم نے دنیا میں کوئی چیز بے کار و غیر مفید پیدا

نہیں فرمائی۔ ہر چیز کی پیدائش میں یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت مضمر ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری سمجھ میں وہ حکمت نہ آئے۔ چنانچہ حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے کیمیائے سعادت میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیوار پر ایک چھپکلی کو دیکھا تو اللہ سے سوال کیا۔ الٰہی! تو نے چھپکلی کو کیوں پیدا فرمایا؟ خدا نے اس کے جواب میں فرمایا۔ اے موسیٰ۔ یہی سوال تجھ سے قبل چھپکلی بھی کر چکی ہے کہ الٰہی تو نے موسیٰ کو کیوں پیدا فرمایا؟ اور اے موسیٰ! میں نے کوئی چیز بے کار پیدا نہیں فرمائی۔ میرے بزرگو! معلوم ہوا کہ اللہ نے کوئی چیز بے کار پیدا نہیں فرمائی۔ ہر چیز اپنی اپنی جگہ کارآمد ہے اور کسی نہ کسی حکمت پر ہی پیدا فرمائی گئی ہے۔ فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْا عَنِ الْحِکْمَۃِ۔ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔“

سب کچھ انسان کیلئے

اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ خدا نے ہر چیز کو انسان کے لئے پیدا فرمایا ہے اور ہر شئے کسی نہ کسی حیثیت سے انسان کی خادم نظر آتی ہے۔

ہوا

چنانچہ یہ ہوا ہی دیکھ لیجئے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان کا دم ہوا ہو جائے۔ زندگی محال اور جینا دشوار ہو جائے اور کئی امور جو ہوا سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب رک جائیں اور انسان کے لئے نقصان واقع ہو۔ تو معلوم ہوا کہ ہوا انسان کی خادم ہے اور انسان کے لئے پیدا فرمائی گئی ہے۔

پانی

پانی کو بھی دیکھئے۔ اگر پانی نہ ہو تو ہماری پیاس کیسے بجھے کپڑے کیسے دھلیں۔ لسی۔ چائے۔ شربت و دیگر مشروبات کیسے تیار ہوں؟ آپ کی کھیتوں کو سیراب کون کرے؟ آپ کا کھانا کھلانا۔ پینا پلانا۔ نہانا دھونا اور اسی طرح متعدد کام جو متعلق بالماء ہیں۔ سب ہی کے سب رک جائیں اور انسان کو بے حد نقصان کا سامنا ہو۔ کیا یہ حقیقت نہیں؟

آگ

آگ کی طرف آیئے۔ دیکھ لیجئے۔ یہ بھی آپ ہی کی خادم ہے آپ کا کھانا پکاتی ہے۔ آپ کے لئے چائے تیار کرتی ہے۔ سردیوں میں آپ کے کمرے اور آپ کا بدن گرم کرتی ہے۔ وقس علیٰ ذالک۔ اگر آگ نہ ہو۔ تو انسان کے کئی کام رک جائیں۔

مٹی مٹی بھی انسان کی خادم ہے۔ تمہارے مکانوں کو سر پر لئے کھڑی رہنے والی زمین اگر نہ ہو تو آپ کا چلنا پھرنا۔ اٹھنا بیٹھنا سب ختم ہو جاتے۔ آپ کی کھیتیاں۔ باغات وغیرہ نابود ہو جائیں۔ یہ بارونق شہر اور سیرگاہیں اسی مٹی کی بدولت ہیں یہ نہ ہو تو آدھا جہان ختم ہو جائے۔

اسی طرح چاند سورج ستارے، جمادات نباتات حیوانات وغیرہ غرضیکہ دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے ہے اور انسان ان سب سے اعلیٰ واشرف اور ان سب کا مطاع ہے۔

انسان کے لئے سب اور انسان کس لئے؟

حضرات! جب آپ یہ معلوم کر چکے کہ انسان کے لئے سب کچھ ہے تو اب اس کے برعکس دیکھئے۔ کہ انسان کیا ان چیزوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟ بنظر غور دیکھنے سے جواب "نہیں" کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔ اور وہ اس طرح کہ آپ مان چکے کہ اگر ہوا نہ ہو تو انسان کا نقصان ہے۔ مگر خود ہی سوچئے کہ اگر انسان نہ ہو تو کیا ہوا کا بھی کوئی نقصان ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان نہ ہو تو ہوا کا کچھ بھی نقصان نہیں۔ اسی طرح پانی اگر نہ ہو۔ تو انسان کا نقصان۔ اور اگر انسان نہ ہو تو پانی کا کیا نقصان؟ یونہی آگ مٹی یا چاند سورج وغیرہ ان میں سے اگر کوئی ایک چیز بھی نہ ہو تو انسان کا نقصان ہے۔ اور اگر انسان نہ ہو تو ان میں سے کسی چیز کا کچھ نقصان نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں انسان کے لئے ہیں۔ مگر انسان ان میں سے کسی کے لئے نہیں۔ پھر دیکھنا ہے کہ انسان کس لئے پیدا کیا گیا۔ اس کے جواب میں اگر آپ کہیں کہ صاحب! انسان کو سونے کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ حضرت انسان دنیا میں پہنچکر سونے کی خدمت سرانجام دیا کرے۔ اور دن رات سویا کرے تو ہم کہیں گے۔ اگر یہی بات تھی تو اللہ تعالیٰ انسانوں کی جگہ خرگوش پیدا فرما دیتا۔ اس لئے کہ خرگوش کی نیند مشہور ہے کہ وہ بہت سوتا ہے پھر انسان کیوں پیدا کیا گیا؟ سوال تاحال باقی ہے۔ اگر آپ کہیں کہ اسے کھانے پینے یا خواہشات کی تکمیل کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو ہم کہیں گے کہ کھانے پینے میں انسان سے زیادہ چوپائے ہیں کہ کئی انسانوں کی غذا کی مقدار میں ایک ہی چوپایہ کھا جاتا ہے اور خواہشات کی

تکمیل کے لئے حیوانات کافی تھے۔ ڈارون کی تھیوری کے مطابق ڈارون کی اصل بندر ہے اور بندر خواہشات نفسانیہ کے پورا کرنے میں کچھ کوتاہی نہیں کرتا پھر انسان کی جگہ انہیں حیوانات کو کیوں پیدا نہ فرمایا گیا؟

نئی تہذیب کا جواب میرے بھائیو! اس سوال کے جواب میں نئی تہذیب کا جواب تو یہی ہے۔ جس کا اوپر ذکر ہوا کہ انسان سونے اور کھانے پینے اور خواہشات کی تکمیل کے لئے ہی پیدا ہوا ہے۔ مختصر لفظوں میں نئی تہذیب کا جواب یہ ہے کہ انسان آیا ہے کھانے پینے کے لئے اور کھانا پینا ہے اس کا جینے کے لئے اور جینا ہے پھر کھانے پینے ہی کے لئے۔

قرآن کا جواب مگر قرآن کا جواب وہ ہے۔ جس کا ذکر ابتدائے مضمون میں ہو چکا۔ اور جو آیت زیب وہ مضمون ہے اور جس کا ذکر میں اپنے ان اشعار میں لکھ چکا ہوں کہ ؎

جانور پیدا ہوئے تیری وفا کے واسطے!
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیا کے واسطے
کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
سب جہاں تیرے لئے اور تو خدا کے واسطے

مقصد یہ کہ کھانا پینا اگر زندگی کے لئے ہے تو زندگی خدا کی بندگی کے لئے ہے اور ؎

زندگی بے بندگی شرمندگی!
زندگی با بندگی تابندگی

اشرف المخلوقات انسان کو ذرا اپنے خالق ومالک اور رازق کی مہربانیوں کا خیال کرنا چاہیئے۔ ذرا سوچیئے تو حضرات! بچہ ماں کے پیٹ میں ہے اور رازق اسے وہیں رزق دے رہا ہے اور دنیا میں آنے سے پہلے ہی خدا نے اُس کے لئے دودھ کی نہریں ماں کی چھاتی میں جاری کر دیں۔ پھر پیدائش کے بعد اُسے ماں کی گود اور باپ کی آغوش عطا فرمائی۔ ذرا بڑا ہوا۔ تو سائیکل۔ تانگے۔ گھوڑے اور پھر جو اور ترقی کرلی تو موٹریں، لاریاں، بحری جہاز اس کے لئے مہیا فرما دیئے حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی خدا نے اس کی یوں قدر فرمائی کہ میرا بندہ عمر بھر سواریوں پر سوار ہی رہا۔ اب

مرنے کے بعد اسے قبرستان تک بھی چار آدمیوں کے کندھوں پر سوار کر کے ہی لایا جاتا ہے۔ چنانچہ سوار ہی گیا۔ اور دفن ہوا۔ افسوس صد افسوس کہ ایسے محسنِ حقیقی و ربِ منعم کو بھلا دیا جائے؟ یاد رکھیئے ؎

اڑاؤ عیش کرو عشرتیں بہت پھولو!
پھرو جہاز میں موٹر کی گود میں جھولو
اڑو بلندی پہ اتنا فلک کو بھی چھو لو
خدا کے واسطے لیکن خدا کو مت بھولو

جوتے نے کیا کہا

ایک بزرگ کا جوتا پرانا ہو گیا۔ انہوں نے اسے اتار کر پھینک دیا اللہ والوں سے ہر چیز بات کر لیتی ہے۔ چنانچہ جوتا بولا اور ان سے کہنے لگا۔ جناب آپ نے مجھے کیوں اتار کر پھینک دیا؟ وہ بولے کہ واہ صاحب واہ! ایک ذلیل و حقیر شے ہو کر مجھ سے خطاب؟ خاموش رہ اے جوتے! جوتا بولا۔ ذرا سنیے حضور میں اگر ذلیل بھی ہوا تو اس لئے کہ آپ کا جوتا ہوں۔ اگر آپ کے استاد یا پیر و مرشد کا جوتا ہوتا۔ تو تبرکاً آپ مجھ کو سر پر اٹھاتے۔ آنکھوں سے لگاتے۔ تو یہ حقارت و ذلت بھی تو مجھ میں آپ ہی کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ یہ طعنہ سنکر اس بزرگ کی ندامت کا ٹھکانا نہ رہا۔ بولے اچھا۔ بول کیا کہنا چاہتے ہو؟ جوتا بولا۔ صرف اتنی بات کہ آپ نے جس مقصد کے لئے مجھے خریدا۔ میں نے وہ مقصد آپ کا پورا کیا۔ آپ کا پیر اگر ٹیڑھا ہوا۔ میں نے آپ کے پیر کی خاطر اپنے آپ کو ٹیڑھا کر لیا۔ آپ کانٹوں میں گئے۔ میں نے خود کانٹے کھائے۔ مگر آپ کے پیر کو بچایا۔ نجاست میں گئے۔ خود نجاست میں لتھڑا۔ مگر آپ کے پیر کو نجاست سے بچایا۔ ذرا آپ بھی غور کیجئے۔ کہ جس مقصد کے لئے آپ پیدا کئے گئے کیا آپ نے بھی وہ مقصد پورا کیا؟ اگر کیا تو بہتر۔ ورنہ آپ سے تو میں ہی اچھا رہا۔ یہ سن کر اس بزرگ کی چیخ نکل گئی۔

حضرات! اس حکایت سے نتیجہ یہ نکلا کہ انسان اگر عبادتِ الٰہی سے غافل ہے۔ تو ایسا شخص ایک جوتے سے بھی بدتر ہے۔ یاد رکھیئے! ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اور انسانیت نام ہی خدا کی عبادت کا ہے۔ عبادت سے جو غافل ہے۔ وہ برائے نام انسان ہے اور اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ کا مصداق۔

مشین کا پرزہ

دیکھئے! کسی مشین کا پرزہ جب تک وہ اپنی جگہ پر رہ کر وہ کام دیتا رہتا ہے۔ جس کام کے لئے وہ بنایا گیا ہے تو وہ اپنی حیثیت قائم رکھے گا۔ بہت بڑی قیمت پائے گا۔ مالک کی نظر میں اس کی قدر و وقعت ہوگی۔ مگر جبکہ وہ اپنی جگہ پر پورا ہی نہ آئے اور جس کام کے لئے اسے بنایا گیا ہے وہ کام ہی نہ دے سکے تو آپ جانتے ہیں۔ اس پرزہ کا کیا حشر ہوتا ہے۔ مالک کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت باقی نہیں رہ جاتی وہ اُسے چاہے وہ چار سو کا ہی کیوں نہ ہو۔ چار روپیہ بھر بھی کباڑیوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور یا پھر یونہی پھینک دیتا ہے۔ سمجھے آپ؟ یہ اُس قیمتی پرزے کی اہمیت کم کیوں ہو گئی؟ اتنا بڑا قیمتی پرزہ اتنا سستا کیوں ہو گیا؟ محض اس لئے کہ اس نے اپنا مقصد پورا کرنے سے جواب دے دیا۔ تو اسی طرح یاد رکھئے حضرات! جب تک مسلمان اپنے مقصد حیات کو نہیں بھولا۔ عبادت الٰہی میں سرگرم رہا۔ اس وقت تک خدا نے بھی اس کی عزت و شرافت بلندی و عظمت برقرار رکھی۔ اس نے جس میدان میں ایک قدم بھی اٹھایا۔ خدا نے اس کے ایک قدم اٹھانے کی قیمت میں بڑے بڑے ملک اس کے زیر قدم کر دیئے۔ اس نے اپنی گردن خدا کے آگے جھکا دی۔ خدا نے بڑے بڑے سرکش شہنشاہوں کو اس کے آگے جھکا دیا۔ وہ یاد الٰہی میں رو تا رہا اپنے دل میں یادِ حق کو راہ دی۔ خدا نے خشک پہاڑوں سے اس کے لئے چشمے بہا دیئے۔ اور سمندروں میں اس کے لئے راہ پیدا فرما دی۔ ایسے ہی مسلمانوں کے لئے شاعر لکھتا ہے ؎

مسلماں وہ مسلماں تھے کہ میداں میں نکل آئے
تو کسریٰ اور اس کے ساتھ قیصر کو کچل آئے
جہاں پہنچے زمیں کو آسماں سے کر دیا اونچا
جہاں ٹھہرے در و دیوار کا نقشہ بدل آئے
سمندر میں بھی ان کی دوڑ کی راہیں نکل آئیں
پہاڑوں پر بھی اُن کے فیض کے چشمے ابل آئے

مگر آج مسلمان اپنے مقصد کو بھول چکا۔ غور تو فرمایئے۔ مسلمان عبادت کے لئے ہے۔ مگر مسجد میں اس کا دل نہیں لگتا۔ گویا یہ ایک ایسا پرزہ ہے۔ جو اپنی جگہ پر فٹ ہی نہیں بیٹھتا اور جس کام کے لئے بنایا گیا ہے۔ وہ کام ہی نہیں دیتا۔ حالانکہ اسے عبادت

اس کے مقام پر خوب رونق سے نبھانا چاہتا ہے۔ مگر افسوس انگریزی تہذیب کی رنگینی نے اس
... کے سوا دین داری توڑ پھوڑ کے رکھ دی۔ اور اسے گھسا و سا کر مقامات عبادت کیلئے
رہنے ہی نہ دیا۔ اب یہ پرندہ بجائے مسجد کے سینما میں وقت بیتاتا ہے۔ بجائے کعبہ کے لندن
کے چکر کاٹتا ہے۔ اور بجائے اسلام کے کفر کے گرد گھومتا ہے۔ اسی حالت کا نقشہ،
اکبر الہ آبادی نے ان اشعار میں کھینچا ہے ؎

بتوں سے میل خدا پر نظر یہ خوب کہی!
شب گناہ و نماز سحر یہ خوب کہی
فنڈ نفیس بڑک خوشنما ڈنر ہر شب
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر یہ خوب کہی!

اور اس حالت کا جو نتیجہ نکل سکتا ہے۔ وہ نکلا اور ہم خدا کی نظروں سے گر گئے
ہماری کوئی قدر و قیمت نہ رہی۔ کوڑیوں کے مول بکنے لگے۔ ہمارا کوئی پرسان حال نہ رہا۔
اور یہ سب اپنی ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ آئیے ہم پھر سچے مسلمان بن جائیں۔ خدا کی
عبادت میں سرگرم ہو جائیں۔ ہر حال میں اُسے نہ بھولیں۔ پھر دیکھئے۔

یادِ او گر مونسِ جانت بود!
ہر دو عالم زیرِ فرمانت بود

ایک مثال

میرے بھائیو! جب یہ معلوم ہوا کہ انسان کو عبادت کے لئے پیدا فرمایا گیا ہے۔ اور خدا کی بندگی اس کی ڈیوٹی ہے۔ تو جو شخص اپنے اس
فرض کو نہ پہچانے۔ اور اپنی ڈیوٹی سے غافل رہے۔ اس کا جو ہولناک انجام ہو سکتا ہے۔
اس کی تشریح کے لئے یہ مثال ملاحظہ فرمائیے۔

ایک آدمی ایک بچھڑا خریدتا ہے۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ یہ بڑا ہوگا تو اس سے
ہل جوتنے کا کام لوں گا۔ اسی خیال سے وہ اس کی خوب خاطر کرتا ہے۔ اُسے کھلاتا
پلاتا ہے اور اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ مگر وہ بچھڑا جب جوان ہوا اور مالک نے
اُسے ہل پر جوتنا چاہا۔ تو اس بچھڑے نے جو اب بیل بن چکا ہے۔ ہل کے آگے جُتنے
سے انکار کر دیا اور مالک کی خدمت سے منہ پھیر لیا۔ تو فرمائیے۔ اس کا مالک اس کیساتھ
کیا سلوک کرے گا؟ سب جانتے ہیں کہ ایسے نکمے بیل کو اس کا مالک قصائیوں کے حوالے

کر دے گا۔ جو اس کی گردن پر تیری پھیر دیں گے۔ بلا تشبیہ خوب یاد رکھیئے کہ وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ اور اس کو خوب کھلایا پلایا۔ اور اس کی ہر ضرورت کو پورا فرمایا اور پھر اس کے ذمہ یہ خدمت لگائی کہ تم میری بندگی کرو۔ تو اب جو شخص اس کی بندگی سے انکار کر دے۔ تو فرمایئے وہ مالک حقیقی ایسے شخص پر کب راضی ہوگا؟

میرے بھائیو! ایسے شخص کے لئے بھی اللہ نے ایک گھر مقرر فرمایا ہے۔ جسے دوزخ کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسے شخص کو دوزخ کے حوالے کر دے گا اور اسے اپنے کئے کی سزا وہاں بھگتنی پڑے گی۔

عذاب سے پناہ مانگو

میرے دوستو! خدا کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اس کے عذاب سے پناہ مانگو۔ مگر افسوس کہ بعض ناعاقبت اندیش اس موقعہ پر کہہ دیتے ہیں کہ خدا جہاں چاہے۔ ہمیں بھیج دے۔ ہم خوش ہیں۔ توبہ توبہ!! میرے عزیزو! اتنی دلیری نہ کرنی چاہیئے اس کے عذاب سے ہر وقت ڈرنا چاہیئے اور کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہیئے۔ جو ہمارے لئے موجب عذاب ہو۔ خدا کے عذاب کی ہم میں پل بھر کے لئے بھی قوت برداشت نہیں ہے۔ پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ ہم گویا اس کے عذاب کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ بھیج لے۔ وہ ہمیں جہاں چاہے۔ استغفراللہ العظیم!

ایک چھوٹے لڑکے کا خوف

ہم تو اس بچے سے بھی گئے گزرے جو اللہ کے عذاب کی ہیبت سے رو رہا تھا۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ ایک بار شہر سے باہر نکلے۔ تو آپ نے دیکھا ایک چھوٹی عمر کا لڑکا باہر جنگل میں بیٹھا رو رہا ہے۔ حضرت نے اس سے دریافت فرمایا بچے کیوں رو رہے ہو؟ وہ بولا۔ حضور! میں خدا کے عذاب کے ڈر سے رو رہا ہوں۔ فرمایا۔ وہ کیا خوف ہے بھئی؟ وہ بولا۔ آج معلم نے مجھے قرآن کی یہ آیت پڑھائی ہے:۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ

اُس آگ سے ڈرو۔ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں"

اس آیت میں اللہ نے انسانوں کو بھی دوزخ کا ایندھن بتایا ہے تو حضور!

مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ میں اپنی ماں کو دیکھتا ہوں۔ جب وہ چولھے میں آگ جلاتی ہے تو موٹی موٹی لکڑیاں چولھے میں رکھتی ہے۔ اور اگر ان موٹی موٹی لکڑیوں کو آگ نہ لگے تو ان کے نیچے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھ دیتی ہے۔ تاکہ ان چھوٹی لکڑیوں کے ذریعہ ان بڑی لکڑیوں کو آگ لگ جائے۔ تو میں اس لئے رو رہا ہوں کہ دوزخ میں اگر اللہ نے بڑے بڑے کافر ڈالے اور ان کو آگ نہ لگی تو کہیں اللہ تعالیٰ میرے جیسے چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو دوزخ میں نہ ڈال دے۔"

یہ سنکر حضرت بایزید بہت روئے اور فرمایا۔ بیٹا! تمہاری اس عاقبت اندیشی کا کیا کہنا۔ انشاء اللہ تم عذاب الٰہی سے محفوظ رہو گے!

میرے بھائیو! دیکھو اس چھوٹی عمر کے لڑکے کا خوف حق اور ایک ہم ہیں کہ کچھ پرواہی نہیں۔ اس کا رونا دیکھو کہ اللہ کے عذاب کے ڈر سے وہ رویا اور سوچو کہ کب کبھی ہم بھی خدا کے ڈر سے روئے ہیں؟

اللہ سے ڈر کر رونا

مولانا رومی علیہ الرحمۃ پھر ارشاد فرماتے ہیں؎

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند!
میل ما را جانب زاری کند

جب خدا ہماری مدد فرمانا چاہتا ہے اور ہم پر رحم فرمانا چاہتا ہے۔ تو ہمارا میلان رونے کی طرف کر دیتا ہے۔ یعنی بندہ جب خدا سے ڈر کر روتا ہے تو اللہ کی اس پر رحمت نازل ہونے لگتی ہے۔

اے خنک چشمے کہ آں گریان اوست
نے ہمایوں دل کہ وے بریان اوست
ہر کجا آب رواں سبزہ بود
ہر کجا اشکے رواں رحمت شود!

جہاں پانی جاری ہوتا ہے۔ وہاں پھول اور سبزہ اگتا ہے۔ ورجہاں آنسو بہیں وہاں اللہ کی رحمت برستی ہے۔

میرے بھائیو! غور کرو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ خدا کا عذاب بڑا زبردست ہے اور ایسا ہے کہ اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اللہ کے بندے وہ ہیں۔ جو اللہ سے ڈریں اور

اس کے آگے جھک جائیں۔ دیکھئے۔ ایک مرتبہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے
قرآن کی یہ آیت سُنی۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ۔

فاروقِ اعظم کا خوف

آپ گھوڑے پر سوار تھے۔ قاری سے یہ آیت سنتے ہی خدا
کے خوف سے غش کھا کر سواری سے گر گئے۔ لوگ آپ کو
اٹھا کر گھر لے گئے۔ اور بڑی دیر کے بعد جب آپ ہوش میں آئے تو رونے لگے۔ اسی طرح
اللہ والے اس قسم کی آیات سنتے ہی اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ رونے لگتے اور خدا سے
پناہ مانگنے لگتے تھے۔ دوستو! یہ قرآن پاک کی تاثیر ہے کہ یہ دلوں میں اتر جاتا ہے اور اپنا
اثر دکھانے لگتا ہے۔ خدا نے قرآن میں اپنی کتاب کے لئے فرمایا ہے کہ اگر ہم اس
قرآن کو پہاڑ پر نازل فرماتے (لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللهِ) تو تم پہاڑ
کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا۔

لطیفہ

اس موقعہ پر ایک لطیفہ مجھے یاد آگیا۔ کہتے ہیں۔ ایک انگریز کسی شہر کی
ایک مسجد میں جا پہنچا۔ وہ مسجد بڑی شکستہ تھی اور جگہ جگہ سے اس کی دیواریں
پھٹی ہوئی تھیں۔ انگریز نے نمازیوں سے کہا کہ تم لوگ ہمارا گرجا دیکھو تو حیران رہ جاؤ!
بڑی مضبوط عمارت اور پختہ دیواریں ہوتی ہیں۔ مگر تمہاری مسجد کا یہ حال ہے کہ شکستہ
اور جگہ جگہ سے دیواریں پھٹ رہی ہیں۔ ایک نمازی نے جواب دیا۔ صاحب!
ہماری کتاب قرآن کی یہ شان ہے کہ وہ اگر کسی پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ پہاڑ پھٹ جاتا تو
اس مسجد میں چونکہ وہی قرآن پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی دیواریں اس کی تاثیر
سے پھٹ گئی ہیں۔ تمہاری موجودہ انجیل میں اتنی طاقت کہاں؟ کہ وہ گرجا کی
دیواریں پھاڑ سکے۔

بہرحال اگرچہ یہ ایک لطیفہ ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ قرآن پاک بڑی
طاقت کا مالک ہے۔ مگر افسوس کہ آجکل کے ہمارے دل پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہو
چکے ہیں کہ ہم پر تخویف و تعذیب کا اثر ہی نہیں ہوتا۔

میرے بھائیو! اس پرفتن زمانے میں ہمارے اعمال کچھ ایسے ہو چکے ہیں کہ ان کی شامت
سے آئے دن ہم پر اللہ کے عذاب پر عذاب آنے لگے ہیں۔ آپ اخبارات کا مطالعہ کیجئے
کہیں زلزلے آرہے ہیں کہیں پانی اپنی تیزی و افراط سے بستیاں برباد کر رہا ہے یہ سب کچھ

ہمارے اپنے ہی عمل کی شامت ہے ؎

تب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ مرا احوال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

دوستو! خدا کسی پر ظلم نہیں فرماتا۔ وہ عادل ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ ہمارے اپنے کئے کا پھل ہے۔ گذشتہ دنوں جو ہولناک سیلاب آیا ہے۔ سب یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا سیلاب کبھی نہ آیا تھا۔ مگر یہ بھی سوچا کہ جو کچھ ہم اب کرنے لگے ہیں ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ یہ دغا۔ مکر فریب۔ جھوٹ بلیک۔ رشوت۔ شراب اور زنا کس بات کو آج اختیار نہیں کر لیا گیا۔ ناچ گھر اور سینما تھیٹر آباد ہو رہے ہیں۔ بے حیائی و بے دینی کو ایک مستقل مشغلہ بنا لیا گیا ہے۔ خدا سے منہ موڑ کر شیطان سے رشتہ جوڑ لیا گیا ہے۔ دین و مذہب سے بیزاری عام ہے۔ بے ایمانی و بے غیرتی سے ہی کام ہے۔ اپنے فلسفے اور اپنی عقل — و دانش پر اعتماد ہے۔ خدا پر نظر ہی نہیں۔ وہ جو پنجابی میں کہتے ہیں نا کہ "رب نیڑے کہ گھسن" یعنی رب نزدیک ہے یا گھونسا، تو موجودہ حال کے مد نظر اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ گھونسا نزدیک ہے۔ گویا موجودہ ملحد زمانہ بس گھونسے ہی کو مانتا ہے تو اس بات کے پیش نظر میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بھی اب اپنے عذاب کے گھونسوں سے ہمیں متنبہ فرمانے لگا ہے۔ اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ ایک سیلاب بھی ہے۔ سیلاب کیا ہے۔ پانی کی ایک زبردست رو ہے۔ جو ہمیں غرق کرنے کے لئے آتی ہے اور پانی کیا ہے؟ یہ ہمارا نوکر ہے۔ جو ہمارے ہاتھ پیروں کی میل دور کرتا ہے۔ ہمارے کپڑے دھوتا ہے۔ ہماری غلاظتوں کو دھوتا ہے۔ مگر جب کوئی لڑکا نالائق نکلے۔ تو بعض اوقات باپ اپنے نالائق بیٹے کو نوکروں سے پٹواتا ہے۔ میرے بھائیو! اللہ اب ہم نالائقوں کو ہمارے ہی نوکروں سے پٹوانے لگا ہے۔ پانی گلاس میں آ گئے۔ تو ہم اسے پی جاتے تھے۔ مگر اب اللہ کا اسے یہ حکم ہے کہ اے پانی تو ان نالائقوں کو پی جا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے۔

اللہ کی فوج

آج اس مادی دور میں لوگوں کو اپنی دنیاوی طاقت و قوت پر بڑا ناز ہے۔ اور ہر حکومت اس بات پر فخر کرتی ہے کہ میرے پاس اتنی فوج ہے اتنے ٹینک ہیں۔ اتنے بم ہیں۔ مگر یہ دیکھئے اس احکم الحاکمین نے اپنی فوج کے متعلق ارشاد

ہے۔ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ یعنی اللہ کے لشکر کی تعداد اللہ ہی جانے اس کا اتنا لشکر اور اتنی فوج ہے کہ انسانی شمار میں آ ہی نہیں سکتی۔

مچھر اور مکھیاں

آجکل تہذیب کو اس امر پر بڑا ناز ہے کہ ہم ہر ملک کی آبادی کو جانتے ہیں کہ اس ملک میں آدمی کتنے ہیں اور ان میں سے مرد کتنے اور عورتیں کتنی ہیں۔ پھر کس کس مذہب کے اور کس کس تعداد میں ہیں۔ حتیٰ کہ امریکہ کے بعض شہروں میں گھوڑوں اور کتوں کا شمار بھی ہوتا ہے۔ مگر میں یہ کہتا ہوں اگر تم کو اپنے اس کارنامے پر ناز ہے تو اسی طرح کبھی کسی ایک ملک کی مکھیاں بھی گن کر دکھاؤ۔ مچھر بھی شمار کر کے بتاؤ۔ چلو سارے ملک کی نہ سہی کسی ایک شہر کی۔ شہر کی بھی نہ سہی صرف اپنے گھر ہی میں بتاؤ۔ کہ کتنی مکھیاں ہیں اور کتنے مچھر ہیں؟ یہ جب ٹڈی دل آجاتا ہے اس وقت بھی گن کر بتایا ہوتا؟ کہ یہ مکڑیاں کتنی تعداد میں آئی ہیں؟ مگر یہ کب ممکن ہے۔ یہ خدا کی فوج ہے اسے اللہ ہی جانے کہ ان کی تعداد کیا ہے۔ دیکھئے یہاں سارا علم رکھا رکھا رہ گیا۔ سب فلسفے بے کار ہو گئے اور اللہ کی کمزور مخلوق مکھی اور مچھر نے انسانوں کو شکست دے دی۔

عاجز انسان

میرے بزرگو! اللہ نے انسان کو اختیار بھی دیئے ہیں۔ مگر ان اختیارات کے ساتھ ساتھ اس کا کبر و غرور توڑنے کے لئے اسے اپنی کمزور ترین مخلوق کے سامنے عاجز بھی بنا دیا۔ دیکھئے ایک مغرور انسان مثلاً پستول لئے ہوئے جا رہا ہے۔ اس کے دائیں بائیں اس کے محافظ کچھ لوگ بڑی بڑی لاٹھیاں بھی لئے ہوئے چل رہے ہیں۔ اب اس مغرور کے غرور کو اللہ نے خاک میں کس طرح ملایا کہ اس کی ناک پر ایک مکھی آکر بیٹھتی ہے۔ وہ ہاتھ سے اسے اڑاتا ہے۔ وہ پھر آ بیٹھتی ہے یہ پھر اسے اڑاتا ہے وہ پھر آ بیٹھتی ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مغرور انسان عاجز آ جاتا ہے اور مکھی کو شکست نہیں دے سکتا۔ اب اگر غصہ میں آکر وہ اپنے پستول سے ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی پر فائر کرتا ہے۔ تو مکھی تو اڑ جائے گی۔ مگر اس کی اپنی ہی ناک کی خیر نہیں۔ ادھر مکھی اڑی ادھر ناک اڑی اس کے محافظ اگر اپنی لاٹھیوں سے مکھی پر دھاوا بول دیتے ہیں تو مکھی کا تو کچھ نہ بگڑے گا۔ وہ آدمی ہی نہ بچے گا۔ گویا ہم نے اس قدر اختیار دے کر پھر اسے یوں متنبہ فرمایا کہ دیکھ! غرور میں نہ آ جانا۔ باوجود اتنے اختیارات کے تو اس قدر عاجز ہے کہ ایک مکھی کے

سامنے بھی بے بس ہے۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے بھائیو! معلوم ہوا کہ مکھی اس لئے بھی پیدا فرمائی گئی ہے کہ یہ منزور انسان کا غرور توڑے ۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں چونکہ غرور نہ تھا ۔ اس لئے حضور کے جسم اطہر پر مکھی بیٹھتی ہی نہ تھی۔

ہاں تو میرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی فوج لاتعداد ہے اسے اللہ ہی جانے ۔۔۔ تو میرے بھائیو! یہ پانی اس لاتعداد فوج میں سے اللہ کا ایک سپاہی ہے۔

اللہ کا ایک سپاہی خدا نے اپنی ساری فوج میں سے صرف ایک سپاہی بھیجدیا ۔ اور بھیجا بھی اس طرح کہ نہ تو اسے کوئی بم دیا ۔ نہ کوئی تلوار ۔ بس نہتے سپاہی کو بھیج دیا ۔ اور یہ سپاہی اس طرح آیا کہ ہندو پاکستان کی جملہ فوجیں حیران و پریشان رہ گئیں ۔ یہ اللہ کا سپاہی جس طرف بھی گیا ۔ فوجیں کی فوجیں بیکار ہو کر رہ گئیں اور اس کا کچھ بگاڑ نہ سکیں ۔ خدا فرماتا ہے ۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۔ اللہ کے عذاب کو کوئی نہیں روک سکتا ۔

ہندوستان کے سپاہی آجائیں تو بفضل اللہ پاکستان کا مرد مجاہد ان کا مقابلہ کر سکتا ہے ۔ دشمن کا ہوائی جہاز آجائے تو پاکستان کی طیارہ شکن توپ اسے گرا سکتی ہے ۔ دشمن کا ٹینک آجائے تو برباد کیا جا سکتا ہے ۔ مگر اللہ کا عذاب آجائے تو پھر کچھ نہیں ہو سکتا سب سپاہی توپیں اور بم دھرے رہ بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں ۔ فرمائیے ۔ یہ پانی آیا ہے تو اس کا بم نے کیا بگاڑ لیا ۔ پانی کو لاٹھیاں مار کر دیکھئے ۔ اس کا کیا بگڑتا ہے ۔ بم پھینکئے تو بیں چلائیے ۔ اپنا ہی نقصان ہے ۔ اس کا کیا جاتا ہے؟ یہ صرف اللہ کا ایک سپاہی ہے ۔ جس کا مقابلہ ناممکن ہے اور انسان باوجود اس قدر صنعتی ترقی اور مادی عروج کے پانی کے سامنے بے بس ہے ۔

دیوار اور کیل پانی کے سامنے تو کیا ۔ دراصل یہ اللہ کا عذاب ہے اور اللہ سے مقابلہ ناممکن ہے ۔ عربی کتابوں میں لکھا ہے ۔ ایک مرتبہ دیوار نے کیل سے کہا ۔ لِمَ تَشُقُّنِیْ ؟ اے کیل مجھے کیوں پھاڑتی ہو؟ تو کیل نے جواب دیا ۔

سَلْ مَنْ يَدُقُّنِيْ - اس سے پوچھ جو میرے سر کو ہتھوڑے سے کوٹ رہا ہے یعنے میرا کیا ہے، میں تو بے بس ہوں۔ اسی طرح اس پانی کا کیا ہے، یہ تو وہی ہے جو ہمارا ذکر ہے۔ رجوع ہمیں اس ہستی کی طرف کرنا چاہیئے۔ جس کے قبضہ میں یہ پانی ہے وہی ان دریاؤں کو بصورت عذاب ہم پر مسلط کر رہا ہے اور یہ سب کچھ اسی لئے ہے کہ ہم اس خالق و مالک کو فراموش کر چکے ہیں۔

غفلت

اب یہی دیکھئے کہ اس قدر تباہی و بربادی کے بعد بھی ہم نہیں سنبھلے وہی شرارتیں، وہی لہو و لعب، وہی حرکتیں اور وہی غفلتیں ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنی نافرمانیوں کو دیکھیں کہہ یہ رہے ہیں کہ چونکہ جنگلوں کی کمی ہو گئی ہے۔ اور پانی کے جذب کرنے کو پتے باقی نہیں رہے۔ اس لئے سیلاب آنے لگے ہیں۔ لہذا ہماری حکومت کو جنگلوں کی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔ اور اسی طرح ہمارے فیشن ایبل افراد آئندہ کے لئے سیلاب کو روکنے کے مادی منصوبے تیار کر رہے ہیں مگر

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَالَهٗ مِنْ دَافِعٍ۔ اللہ کے عذاب کو کوئی منصوبہ نہیں روک سکتا۔"

ابن نوح علیہ السلام نے بھی سیلاب سے بچنے کا یہ منصوبہ تیار کیا تھا کہ سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ۔ یعنے میں پانی سے بچنے کے لئے جودی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا تھا۔ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ۔ یعنے اس دن اللہ کے عذاب سے کوئی منصوبہ نہ بچا سکے گا ہاں جس پر اللہ رحم فرمائے!

تو میرے بھائیو! یہ مادی منصوبے بھی تیار کرو۔ مگر اصلی منصوبہ یہ ہے کہ اللہ کو راضی کیا جائے اور اس کے آگے جھکا جائے وہ اپنا رحم فرمائے تو سب کچھ ہو سکتا ہے آؤ ہم کوشش کریں کہ خدا کے قہر و غضب کی آگ کو بجھا دیں اور اس کے رحم و کرم کو جوش میں لائیں۔

ندامت کے آنسو

میرے بھائیو! خدا کے قہر و غضب کی آگ بڑی زبردست ہے۔ یہ وہ آگ ہے کہ جہنم کی آگ سے پناہ مانگتی ہے اور جہنم کی آگ ہاویہ کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔ گویا خدا کے غضب کی آگ بڑی ہی زبردست آگ ہے

مگر آپ یہ سنکر حیران ہوں گے کہ جس قدر یہ زبردست آگ ہے۔ اسی قدر اس کا بجھانا آسان بھی ہے۔ یہ آگ سات سمندروں کے پانیوں سے نہیں بجھ سکتی۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:- اِنَّ دَمْعَۃَ الْعَاصِیْ تُطْفِیُٔ غَضَبَ الرَّبِّ۔

(نزہۃ المجالس) گنہگار کے ندامت کے آنسو غضب

الٰہی کی آگ کو بجھا دیتے ہیں؟

تو اے میرے بھائیو! خدا کے عذابوں سے بچنے کے لئے اپنے گناہوں سے بصدق دل توبہ کرنی چاہیئے۔ اور اشک ندامت بہا کر اس کے غضب کی آگ کو بجھا کر اس کی رحمت کو جوش میں لانا چاہیئے۔ یہی وہ مفید کارگر منصوبہ ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر ہم عذاب الٰہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

ایک نجومی کی حکایت

میرے بھائیو! یاد حق سے غفلت اور اپنی بداعمالیوں کے سبب آج اس پانی کے عذاب کے علاوہ اور دیگر کئی قسم کے عذاب بھی ہم پر نازل ہو رہے ہیں اور اسی صورت حالات سے فائدہ اٹھا کر آجکل کے نجومی اور پیشگوئیاں کرنے والے خبطی افراد آئندہ سے متعلق مختلف قسم کی بھیانک اور ڈراونی پیشگوئیاں شائع کر دیتے ہیں اور ضعیف الاعتقاد لوگ ان پر یقین کر کے پریشان ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی بیشتر پیشگوئیاں غلط ثابت ہوتی ہیں۔ چنانچہ اسی باب کی ایک بہترین حکایت ہے کہ ایک نجومی نے ایک بادشاہ کا ہاتھ دیکھ کر اسے یہ کہہ کر ڈرایا کہ آپ کی عمر صرف آٹھ دن باقی رہ گئی ہے۔ اور آپ آٹھ دن کے بعد مر جائیں گے۔ بادشاہ یہ پیش گوئی سنکر کانپ اٹھا اور بےحد متاثر ہوا۔ حتیٰ کہ اسی وقت مرنے کے قریب ہو گیا۔ وزیر نے جو یہ صورت دیکھی تو نجومی سے کہنے لگا کہ تم ذرا اپنا ہاتھ تو دیکھو اور اپنی عمر کا تو حساب لگاؤ۔ کہ تمہاری اپنی عمر کتنی باقی ہے؟ نجومی نے اپنا ہاتھ دیکھا اور بتایا کہ میں ابھی چالیس سال اور زندہ رہوں گا۔ وزیر نے یہ بات سنکر اسی وقت تلوار نکالی اور وہیں اس کا سر تسلم کر دیا اور پھر بادشاہ سے کہا۔ دیکھا آپ نے اس کی پیشگوئی کا حشر؟ کہ چالیس سال زندہ رہنے والا ابھی ابھی آپ کے سامنے مر گیا۔ تو آپ کے متعلق بھی اس کی پیشگوئی اسی قسم کی ہے۔ یعنی جس طرح اپنے متعلق اس کی پیشگوئی غلط نکلی ہے۔ اسی طرح آپ کے متعلق بھی اس کی پیشگوئی غلط ہی ہے۔ وزیر بامذبیر کی یہ حکمت کارگر ہو گئی اور بادشاہ کا خوف و ہراس دور

اس عالم میں جب وہ گویا بھوکا مرنے لگا - اور اس کا کوئی پرسان حال نہ رہا - تو اس کا دھیان رب کی طرف گیا اور سچے دل سے اپنے رازق حقیقی کی طرف متوجہ ہوا - اور رو کر عرض کرنے لگا ؎

رویا اور کہنے لگا یوں اے خدا!
مدتوں تک تجھ سے میں بھاگا پھرا
سر کے بالوں میں سفیدی آ گئی!
چہرے پر میرے سیاہی چھا گئی!
کھوئے عصیاں میں گئے ستر برس
اب نہیں باقی گناہوں کی ہوس!
عیب میں کرتا رہا بے باک خوب
تو رہا ستار! ستار العیوب!
نفس نے ہر آن جرأت دی مجھے
اتنے دن تو نے بھی مہلت دی مجھے!
لطف میں کوئی کمی تو نے نہ کی!
رزق کی تکلیف اک دن بھی نہ دی

مولانا فرماتے ہیں کہ اس گویئے نے روتے ہوئے سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع کر لیا اور پھر دنیا سے کنارہ کش ہو کر جنت البقیع (مدینہ منورہ کا قبرستان) کی طرف چلدیا۔ اور وہاں پہنچکر بھی بہت رویا اور روتے روتے پھر ایک قبر کے ساتھ تکیہ لگا کر سو گیا ادھر تو یہ سویا اور اُدھر ؎

حضرت فاروق تھے مصروف کار
نیند آئی زور کر کے ایک بار
دل کو اپنے کام میں ڈالا بہت!
ہر طرح سے نیند کو ٹالا بہت
ہو گئے مصروف خواب آخر عمر!
کچھ نہ تن من کی رہی اُن کو خبر

خواب میں ان کو کسی نے یہ کہا
ہے بقیعِ پاک میں اک "باخدا"
سات سو دینار جا کے اس کو دے
اس کی دلجوئی بھی کر ہر طور سے!

مسلمانو: دیکھو اللہ کی رحمت کا جوش۔ کہاں وہ ایک گنہ گار گویا اور کہاں اللہ کے برگزیدہ اور مقبول بندے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ اس گویّے کے لئے حضرت فاروق کو حکم ہو رہا ہے کہ اٹھ اور اسے سات سو دینار دے کر آ۔ اور پھر یہ کہ وہ گناہ گار گویا اب وہ گنہ گار نہیں رہا۔ بلکہ اُسے "باخدا" کا خطاب مل رہا ہے۔ سبحان اللہ! ایک ہی بار سچے دل سے توبہ کرنے سے رحمت حق نے اُسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دیکھا تو آپ اٹھے اور سہ

وہ اسی دم لے کے ہمیانی گئے
اور قبرستان میں پھرتے رہے
پیر چنگی ایک تھا سویا ہوا!
اور وہاں اس کے سوا کوئی نہ تھا
دل میں وہ شیرِ خدا کہنے لگا!
پیر چنگی اور پھر ہو باخدا!

حضرت فاروق اعظم جنت بقیع میں اس گویّے کے سوا کسی دوسرے کو نہ پاکر بڑے حیران ہو گئے اور دل میں سوچنے لگے کہ گویا باخدا کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر سوچا کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اور خدا بڑا بے نیاز ہے کیا عجب کہ اللہ نے اِسے ہی اپنا مقبول بنا لیا ہو۔ یہ سوچ کر سہ

بیٹھے اس کے سامنے باصد ادب!
اور تعظیماً نہ کھولے اپنے لب
ناگہاں اک چھینک اُن کو آ گئی
آنکھ جس سے پیر چنگی کی کھلی
دیکھ کر فاروق کو بیٹھا ہوا!

خوف سے وہ پیر چنگی کانپ اٹھا

اس گویے نے جب اپنے سرہانے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو بیچارہ تو خوف سے کانپ اٹھا اور سوچنے لگا کہ میرے گانے اور رباب و چنگ کے باعث فاروق اعظم شاید مجھے سزا دینے آئے ہیں۔ مسلمانو! ذرا اس نظارے کو دیکھنا۔ فاروق اعظم وہ فاروق اعظم جن کی ہیبت کے ڈنکے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں بج رہے ہیں ـــ آج وہی فاروق اعظم بڑے ادب کے ساتھ ایک گویے کے حضور بیٹھے ہیں۔ گویا ڈر رہا ہے کہ فاروق اعظم شاید مجھے سزا دینے آئے ہیں۔ مگر یہاں تو بات ہی کچھ اور تھی۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم نے اس سے فرمایا۔ بڑے میاں! مجھ سے ڈرو مت سنو

مژدہ تیرے دوست کا لایا ہوں میں!
صرف خدمت کے لئے آیا ہوں میں

اللہ اکبر! فاروق اعظم اور اس پیر چنگی کی خدمت! دیکھا آپ نے رحمت حق نے کیا کرشمہ دکھایا۔ حضرت فاروق نے فرمایا ؎

حق تعالیٰ تجھ کو کہتا ہے سلام!
یہ صلہ بھیجا ہے تم کو اور پیام
لے صلہ میں یہ رقم اور خرچ کر!
ہم کے کی جب تو دے گا پھر عمر
کر توکل ہم پہ اور گا ذوق سے!
چنگ تیری ہم سنیں گے شوق سے

سبحان اللہ! سبحان اللہ! خدا فرماتا ہے۔ اے گویے تو ہم پر توکل رکھ اور تیرا گانا اور یہ چنگ و رباب ہم سنیں گے۔ دیکھا آپ نے خدا کی رحمت نے کس طرح اس کو ڈھانپ لیا۔ اور وہ کس طرح اس کی ڈھارس بندھا رہی ہے۔ اللہ کے اس رحمت بھرے پیام کا نتیجہ یہ نکلا ؎

یہ بشارت پیر چنگی نے سنی!
گر کے سجدے میں خدا سے عرض کی

اور لاکھوں کا مال تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اسے دیکھو! حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کا طوفانِ عظیم اور اس میں ایک خدا یاد بڑھیا کا قصہ سنو!

طوفانِ نوح اور ایک بڑھیا

حضرت نوح علیہ السلام کے وقت ایک خدا یاد بڑھیا تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب بحکم الٰہی کشتی بنانا شروع فرمائی۔ تو اس بڑھیا نے حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ یہ اتنی بڑی کشتی کیوں بنا رہے ہیں؟ فرمایا کہ ایک بہت بڑا طوفان اور سیلاب آنے والا ہے۔ اس طوفان میں بجز اُن مومنین کے جو میری اس کشتی پر سوار ہوں گے اور کوئی نہ بچ سکے گا۔ بڑھیا نے عرض کی حضور! جب طوفان آئے تو مجھے بھی خبر کیجئے گا اور اپنے ساتھ کشتی پر چڑھا لیجئے گا۔ فرمایا۔ اچھا! اس کے بعد جب سیلاب عظیم آیا۔ تو دنیا بھر میں پانی ہی پانی ہو گیا۔ بڑے بڑے پہاڑ پانی میں ڈوب گئے اور سارے کافر اس طوفانِ عظیم میں غرق ہو گئے۔

اس طوفانِ عظیم میں حضرت نوح علیہ السلام کی ہی ایک کشتی تھی۔ جو محفوظ تھی اور جو مومن اس پر سوار تھے۔ صرف وہی بچ سکے۔ اور کوئی نہ بچ سکا۔ یہ طوفان جب تھما تو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام کو وہ بڑھیا یاد آئی۔ اور آپ نے بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ اس بڑھیا کو تو کشتی پر چڑھانا یاد ہی نہ رہا۔ پھر آپ اس سمت کو تشریف لے گئے۔ جس طرف اس بڑھیا کی جھونپڑی تھی۔ وہاں جا کر دیکھا تو اس بڑھیا کی جھونپڑی ویسی کی ویسی ہی سرسبز کھڑی تھی۔ آپ بڑے حیران ہوئے کہ اتنے بڑے تباہ کن طوفان میں اس جھونپڑی کو تو پانی نے چھوا تک نہیں ہے۔ اندر تشریف لے گئے تو دیکھا۔ بڑھیا بیٹھی ہے۔ بڑھیا نے حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھا۔ تو بولی کیوں حضور! کیا طوفان آنے کا وقت آگیا ہے؟ اور آپ مجھے کشتی پر سوار کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ بڑی بی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ طوفان تو آ بھی چکا اور دنیا بھر کو غرق کر کے چلا بھی گیا۔ بڑھیا حیران رہ گئی اور بولی۔ اے اللہ کے پیغمبر! مجھے تو پتہ بھی نہیں کہ طوفان کب آیا اور کب گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ میں جان گیا۔ تو بغیر کشتی پر سوار ہونے کے بھی اللہ کی حفاظت میں رہی ہے۔ اور اللہ نے کشتی کے بغیر ہی تجھے بچا لیا ہے۔ (روح البیان صفحہ ۸۵ ج ۲)

دیکھا میرے بھائیو! جو اللہ کو نہیں بھولتا۔ خدا بھی اُسے نہیں بھولتا۔ اور خوب یاد رکھو کہ ہم اگر خدا کو فراموش کر دیں گے۔ تو پھر اللہ بھی ہمیں ممکن ہے کہ نظر رحمت سے گرادے۔ چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے کہ جو خدا کو بھول چکے ہیں۔ کل قیامت کے دن جب وہ عذاب الہٰی میں گرفتار ہوں گے اور واویلا کریں گے تو جواب یہ ملے گا کہ

اَلْیَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا۔ آج ہم بھی تمہیں یاد نہیں فرمائینگے جس طرح تم نے اس دن کے لئے ملنے کو بھلا دیا تھا۔

لہٰذا اے مسلمانو! اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے کبھی منہ نہ موڑو اور ہر گھڑی اس کی یاد میں لگے رہو بقول شاعر کہتا ہے ؎

خدا کی یاد سے ہرگز نہ رکھ دل کو کبھی خالی
وہاں پر بوم رہتا ہے جہاں کوئی نہ بستا ہو
تو آیا تھا تو روتا تھا تجھے سب دیکھ ہنستے تھے
اب ایسی کار کر بندے یہ روتے ہوں تو ہنستا ہو

یعنی جب تم پیدا ہوئے تھے تو سارے عزیز خوش تھے کہ ہمارے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ مگر اس وقت تم روتے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔ تم رو رہے تھے اور ارد گرد سب ہنس رہے تھے اور اب اے بندے! ایسا کام کر! اور ایسے نیک اعمال اختیار کر کہ جب تو مرے تو یہ ہنسنے والے ارد گرد سب رونے ہوں اور تو ہنستا ہوا جائے ایسا نہ ہو کہ تو آیا بھی روتا ہوا تھا اور جائے بھی روتا ہوا۔

عبادت الٰہی کا ثمرہ

حضرات! خدا کی بندگی اور اس کے احکام کی تعمیل سے اخروی فوائد کے علاوہ اس دنیا میں بھی بہت سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ جو خدا کا ہو جاتا ہے۔ خدا بھی اس کا ہو جاتا ہے۔ یہ جو آجکل ہمیں پانی سیلاب کی شکل میں تنگ کر رہا ہے اور کبھی آگ ہمارے لئے عذاب بنکر ہمارے مکانوں دکانوں اور سامانوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور کبھی ہوا طوفان کی شکل میں آکر ہمیں پریشان کر دیتی ہے۔ جب مسلمان اللہ کی عبادت میں منہمک رہتا تھا۔ اور اس کی یاد میں محو نظر آتا

تھا۔ یہ پانی ۔ آگ اور بادو خاک سب اس کی تابع تھیں ۔ اور اس کا حکم ان چیزوں پر چلتا تھا۔

ایک بت پرست بادشاہ اور ایک مسلمان عورت

چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمتہ نے ایک بت پرست بادشاہ کی حکایت لکھی ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ ایک بت پرست بادشاہ نے ایک بہت بڑی خندق کھدوائی اور اس میں آگ جلائی ۔ اور خود مع وزیروں کے خندق کے کنارے بیٹھ گیا۔ اور سامنے ایک بت رکھ لیا۔ اور شہر میں اعلان کر دیا۔ کہ سب حاضر ہو کر اس بت کو سجدہ کریں ۔ جو سجدہ نہ کرے گا۔ اُسے اس خندق کی آگ میں ڈال دیا جائیگا۔ چنانچہ اس مردود کے اس حکم سے کئی بزدل اس بت کو سجدہ کر گئے ۔ لیکن ایک مسلمان عورت کو جس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ بھی تھا۔ جب سامنے لایا گیا تو ؎

گفت اے زن پیش ایں بت سجدہ کن!
ورنہ در آتش بسوزی بے سخن!

بادشاہ نے کہا ۔ اے عورت اس بت کو سجدہ کر ۔ ورنہ آگ میں جلنا پڑیگا۔

؎ بود آں زن پاک دین و مومنہ!
سجدۂ آں بت نکرد آں موقنہ

وہ عورت مومن اور پاک دین تھی ۔ اس نے اس بت کو سجدہ نہ کیا ؎

طفل زو بستید در آتش فگند!
زن بترسید و دل از ایماں بکند

کافروں نے اس سے اس کا بچہ چھین کر آگ میں پھینک دیا۔ عورت بچاری بچے کا یہ حشر دیکھ کر ڈر گئی ۔ اور بت کو مجبوراً سجدہ کر لینے پر آمادہ ہو گئی ؎

خواست تا او سجدہ آرد پیش بُت
بانگ زد آں طفل انی لم امُت!

وہ عورت سجدہ کرنے لگی ہی تھی ۔ کہ خندق سے اُس کے بچے کی آواز آئی "اے ماں! میں مرا نہیں ؎

اندر آ مادر کہ من اینجا خوشم
گرچہ در صورت میانِ آتشم

اے ماں! تو بھی خندق میں آ! اور دیکھ میں یہاں کس قدر خوش ہوں اگرچہ بظاہر میں آگ میں ہوں سے

قدرت آں سگ بدیدی اندر آ!
تا بہ بینی قدرت فضل خدا

ماں! اس بت پرست کافر کتے کی تو نے قدرت دیکھ لی - اب ذرا اس میں آکر فضل خدا کی قدرت بھی دیکھ سے

اندر آ و دیگراں را ہم بخواں
کاندر آتش شاہ بنہاد ست خواں

اے ماں تو بھی آ اور دوسروں کو بھی یہاں آنے کی دعوت دے اور کہہ دے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آگ میں سب کے لئے اپنی رحمت کا دسترخوان بچھا رکھا ہے

یہ سنتے ہی ماں نے خندق میں چھلانگ لگا دی اور پھر وہ بھی بچے کی ہمزبان ہو کر کہنے لگی۔ لوگو! اندر آجاؤ اور بت کو ہرگز مت پوجو۔ یہ آواز سنکر سب لوگ خندق میں کود گئے اور پھر ایک شعلہ اس خندق سے اس بار آمد ہوا۔ جس سے وہ سب کافر جل گئے اور مسلمان سب بچ گئے۔

دیکھا میرے بھائیو! یہ آگ بجائے جلانے کے مسلمانوں کے لئے باغ و بہار بن گئی۔

پانی پر حکومت

اسی طرح حضرت امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی، یہ واقعہ ہے کہ آپ کے عہد میں جب مصر فتح ہوا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس کے گورنر مقرر ہوئے۔ تو ایک بار دریائے نیل خشک ہو گیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے لوگوں سے پوچھا۔ تو پتہ چلا کہ یہ دریا ہر سال اسی طرح خشک ہو جاتا ہے۔ اور جب تک ایک کنواری خوبصورت لڑکی کو بھینٹ نہ چڑھا دیا جائے۔ جاری نہیں ہوتا۔ حضرت عمرو بن العاص کو سال بسال ایک قتل ناحق کی یہ جاہلانہ رسم بری معلوم ہوئی۔ اور فرمایا صبر کرو۔ دیکھو خدا کو کیا منظور ہے۔ آپ نے اسی وقت بارگاہ خلافت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط لکھا۔ جس میں دریا خشک ہو جانے اور ہر سال ایک کنواری لڑکی کے قتل ناحق کا مفصل واقعہ لکھ دیا۔ ان کا یہ خط جب فاروق اعظم کے پاس پہنچا اور آپ نے کیفیت معلوم کی تو اسی وقت ایک خط گورنر مصر حضرت

عمرو بن العاص کے نام اور دوسرا خط دریائے نیل کے نام تحریر فرمایا۔ مسلمانو! سنا آپ نے کہ ایک خط تو گورنر کی طرف اور ایک خط دریا کی طرف۔ کرنل صاحب! کبھی ایسی حکومت بھی دیکھی سنی۔ کہ پانی کے نام احکام جاری کئے جا رہے ہیں۔ دیکھئے جو خط آپ نے دریا کے نام لکھا۔ اس کا مضمون یہ ہے:۔

مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ عُمَرَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلٰی نِیْلِ مِصْرَ اَمَّا بَعْدُ۔ اِنْ کُنْتَ تَجْرِیْ مِنْ قِبَلِکَ فَلَا تَجْرِ وَاِنْ کَانَ اللّٰہُ یُجْرِیْکَ فَاَسْأَلُ اللّٰہَ الْوَاحِدَ الْقَہَّارَ اَنْ یُّجْرِیَکَ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۰) یہ خط اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے دریائے نیل کے نام ہے۔ اے دریا! اگر تو خود مختار ہے اپنی مرضی سے بہتا ہے اور اپنی ہی مرضی سے رک جاتا ہے تو ہمیں تیری کچھ پرواہ اور ضرورت نہیں ہے تو مت جاری ہو۔ اور اگر تمہیں اللہ جاری کرتا ہے تو ہم اللہ ہی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تمہیں جاری کر دے۔

پھر حضرت فاروق اعظم نے گورنر مصر کے نام یہ حکم لکھا کہ بجائے عورت کی بھینٹ کے یہ میرا خط دریا کے اندر خشک ریت میں ڈال دینا۔ امیر المومنین کا یہ انوکھا ارشاد سنکر سارے مصر میں دھوم مچ گئی۔ لاکھوں آدمی یہ منظر دیکھنے کے لئے دریا پر جمع ہو گئے۔ مجمع کثیر کے ساتھ گورنر مصر بھی حضرت فاروق اعظم کا یہ خط لے کر دریا پر پہنچے۔ اور پھر دریا کے نزدیک جا کر فاروق اعظم کا حکم نامہ دریا کو پہنچا کر وہاں سے باہر چلے آئے۔ چند لمحوں کے بعد دریائے نیل خود بخود اس زور سے جاری ہوا کہ کبھی بھینٹ دے کر بھی ایسا جاری نہ ہوا تھا اور ہر سال سے اس سال چھ گز پانی زیادہ اونچا آیا۔ پھر اس دن سے ایسا جاری ہوا کہ آج تک بند ہونے کا نام نہ لیا۔

دیکھا آپ نے کہ اللہ کے آگے جھک جانے والے فاروق کے حکم کے آگے پانی بھی جھک گیا۔ وہاں پانی آیا۔ تو ایک لڑکی کی جان بچانے کی خاطر اور اب جو پانی آتا ہے۔ تو

سینکڑوں جانیں دے جانے کی خاطر۔ آخر یہ اتنا بڑا فرق کیوں ہے؟ اسی لئے کہ وہ لوگ خدا کے بنے اور ساری خدائی ان کی ہوگئی۔ آج ہم خدا کے نہ رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا کوئی نہ رہا اور ہم کہیں کے نہ رہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اور ایک شیر سوار

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ میں نے جنگل میں ایک آدمی کو دیکھا۔ جو شیر پر سوار تھا۔ میں حیران رہ گیا کہ یہ شخص شیر پر کس طرح سوار ہوا اور شیر اس کا مطیع و فرمانبردار کیسے ہوگیا؟ فرماتے ہیں اس آدمی نے میری طرف دیکھا اور کہا ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ!
کہ پیچد نہ گردن ز حکم تو ہیچ

یعنے اللہ کے حکم سے تو منہ نہ موڑ تو تیرے حکم سے کوئی چیز بھی منہ نہ موڑے گی ——

بھائیو: یہ ہے اللہ کے ہوجانے کی برکتیں۔ تم خدا کا کہا مانو تو خدائی تمہارا کہا مانے گی اور اگر تم نے خدا کا کہا نہ مانا۔ تو پھر اگر تمہاری بیوی تمہارا کہا نہ مانے۔ تمہاری اولاد تمہارا کہا نہ مانے تو گھبراتے کیوں ہو۔ آخر تم بھی تو ہو۔ جو اپنے مالک کا کہا نہیں مانتے۔ اگر تم نافرمان ہوکر رہنا چاہتے ہو۔ تو اپنی بیوی بچوں کو بھی نافرمان بن کر رہنے دو۔ اور اگر ان کی نافرمانی تمہیں بری لگتی ہے تو تمہاری نافرمانی کیوں بری نہ ہوگی۔ یہ جو آجکل اولاد کی نافرمانی عام ہے۔ چھوٹے اپنے بڑوں کی پرواہ نہیں کرتے بڑوں کے احکام کی چھوٹوں کی نظر میں وقعت نظر نہیں آتی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ آجکل اللہ کی نافرمانی عام ہے۔ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو وہ گھوڑا شوخی کرنے لگا۔۔۔ فرمانے لگے۔ ہم سے آج ضرور کوئی گناہ ہوا ہے۔ اسی وجہ سے یہ گھوڑا ہماری نافرمانی کرتا ہے بھائیو! تم خدا کے ہوجاؤ تو خدا ساری خدائی کے دلوں میں تمہارا رعب پیدا کردے گا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقوٰے گزید!
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

ازالۂ شبہ

میرے بزرگو! عبادتِ الٰہی کے ثمرات بے شمار ہیں۔ لیکن بظاہر اگر ہمیں کوئی مزہ نظر نہ بھی آئے تو اس بات سے یہ وہم بھی نہ لانا چاہئیے کہ عبادت کا کیا فائدہ؟ اس لئے کہ عبادت تو ہمیں محض اللہ کی خاطر کرنی ہے، کہ دوسرے کسی مزہ

کی لالچ سے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرنا بجائے خود ایک بہت بڑا انعام ہے۔ عبادت کی توفیق مل جانا ہی ایک بہت بڑی نعمتِ الٰہی ہے۔ چنانچہ ایک نیک خاتون کا واقعہ مذکور ہے۔

ایک تہجد گزار بیوی اور اس کا شوہر

کہ وہ تہجد کے وقت نماز پڑھ کر حسب ذیل لفظوں میں دعا مانگ رہی تھی۔

"اے مولا! تجھے اس محبت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے۔ مجھ پر اپنی رحمتوں کا نزول فرما۔"

اس کا شوہر پاس ہی سو رہا تھا۔ اس نے یہ الفاظ سنکر کہا۔ بڑا فخر ہے تجھے اپنے آپ پر۔ کہنا تو یوں چاہیے کہ تجھے اس محبت کا واسطہ جو مجھے تجھ سے ہے۔ مگر تو کہہ یوں رہی ہے۔ کہ تجھے اس محبت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے۔ بھلا تجھے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ خدا کو تجھ سے محبت ہے؟ بیوی نے اپنے شوہر کی یہ بات سنکر اسے جواب یہ دیا۔ کہ اگر خدا کو مجھ سے محبت نہ ہوتی۔ تو وہ اس رحمت کے وقت مجھے جگا کر اپنی عبادت کے لئے کھڑا ہونے کی کبھی توفیق نہ دیتا۔ آپ کو تو اس نے سلائے رکھا اور مجھے جگا کر اپنی عبادت کے لئے کھڑا کر دیا ہے۔ یہی دلیل ہے اس بات کی کہ اُسے مجھ سے محبت ہے۔ تو میرے بھائیو! خدا کی عبادت کی توفیق مل جانا یہ خود ہی ایک بہت بڑا انعام الٰہی ہے۔ لہذا عبادت الٰہی میں خوب دل لگاؤ اور شیطان کے مختلف وسوسوں کا شکار مت ہو۔ ہمارا کام اللہ کی عبادت کرنا ہے اور اس عبادت کو قبول فرمالینا اللہ کا فضل وکرم ہے۔ عبادت سے ثمرات کا قصد کبھی نہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ پھر تو یہ ایک قسم کی مزدوری ہو گئی۔ ہاں یہ بھی اللہ کا ایک فضل وکرم ہے۔ کہ اپنی عبادت قبول بھی فرمالے اور اس کے دیگر ثمرات بھی عطا فرمائے۔ ہمارا کام تو محض اس کی رضا جوئی کے لئے اس کی عبادت کرنا ہے۔ اور خوب یاد رکھئے۔ بالفرض ہمیں پتہ بھی چل جائے کہ ہماری عبادت قبول نہیں ہوئی تو بھی ہمارا کام اس کی عبادت ہی کرنا ہے۔ اس لئے کہ اس کی عبادت کو چھوڑ کر پھر اور دروازہ ہی کون سا ہے۔ جس کے بھروسے پر ہم یوں کہہ سکیں کہ چلو اگر اس دروازہ سے قبولیت نہیں ملی تو دوسرے دروازہ پر سہی!

ایک عارف کی حکایت

چنانچہ ایک عارف کو غیب سے آواز آئی کہ تمہاری عبادت قبول نہیں ہوئی۔ انہوں نے اس پر بھی عبادت کو نہ چھوڑا۔ بلکہ بدستور اسی طرح پر پھر بھی عبادت کرتے رہے۔ کسی نے ان سے کہا کہ جب آپ کی عبادت قبول نہیں ہوئی تو پھر اس کے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے کیا اچھا جواب دیا۔ بھائی اگر کوئی اور دروازہ ہوتا تو اس کو چھوڑ کر اس طرف چلے جاتے۔ جب دوسرا دروازہ ہی نہیں پھر اور کہاں جائیں اور کیا چارہ کریں ؎

توانی ازاں دل بپرداختن!

کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

بس فوراً غیب سے آواز آئی کہ جب ہمارے سوا تمہارا اور کوئی نہیں تو خیر جیسی کچھ ہے ویسی قبول ہے ؎

قبول است گرچہ ہنر نیستت!

کہ جز ما پناہے دگر نیستت

لطیفہ میرے بھائیو! آج وقت ہے اللہ کی عبادت کر کے اپنی عاقبت سنوار لو۔ اور کل قیامت کے دن اگر اللہ کے ہولناک عذاب دیکھ کر پھر یہ درخواست کی کہ الٰہی ہمیں پھر دنیا میں بھیج۔ تاکہ ہم تیری عبادت کریں تو پھر یہ درخواست منظور نہ ہوگی... اور یہ وقت ہاتھ نہ آسکے گا۔ وقت کی قدر کرو اور جو کرنا ہے آج کر لو۔ ورنہ کل قیامت کے دن پچھتانے سے کچھ نہ ہوگا۔ چنانچہ ایک لطیفہ ہے کہ ایک آدمی گھوڑا خریدنے کیلئے منڈی گیا۔ راستے میں اُسے ایک دوست ملا اور اس نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو تو وہ بولا۔ منڈی جا رہا ہوں۔ گھوڑا خریدوں گا۔ دوست نے کہا۔ میاں جب کوئی کام کرنے کا ارادہ ہو تو ساتھ ان شاء اللہ ضرور کہنا چاہیے۔ لہٰذا یوں کہو کہ ان شاء اللہ گھوڑا خریدوں گا۔ وہ بولا۔ واہ بھئی واہ اپنے خیال کے آدمی ہی نکلے۔ ان شاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت پیسے میرے پاس موجود ہیں اور گھوڑا منڈی میں موجود ہے۔ منڈی پہنچنے کی دیر ہے۔ بس گھوڑا خریدا ہی سمجھو۔ اس کے دوست نے کہا۔ بھئی یہ تمہاری غلطی ہے کچھ بھی ہو ان شاء اللہ ضرور کہنا چاہیے۔ اس نے کہا۔ تم کچھ بھی کہو۔ میں تو ان شاء اللہ نہ کہوں گا۔ چنانچہ وہ منڈی پہنچ گیا۔ اور گھوڑا خریدنے سے پہلے کھانا کھانے کو ایک ہوٹل میں داخل ہوا۔ ہوٹل

میں کسی گرہ کٹ نے اس کی جیب تراش لی اور بٹوہ نکال لیا۔ اسے کچھ پتہ نہ چلا۔ حتّٰی کہ جب اس نے منڈی میں گھوڑے کا سودا کرکے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ تو بٹوہ غائب پایا۔ اب اُسے پتہ چلا کہ میں تو لٹ گیا۔ چنانچہ خالی ہاتھ واپس لوٹا۔ اتفاقاً راستے میں پھر وہی دوست ملا اور اس نے پوچھا۔ کیوں دوست! گھوڑا نہیں لائے۔ تو وہ بولا۔ بھئی کیا بتاؤں؛ جب منڈی پہنچا انشاء اللہ! تو بھوک لگ گئی انشاء اللہ اور میں ہوٹل میں گیا انشاء اللہ اور کھانا کھایا انشاء اللہ۔ تو اس عرصہ میں انشاء اللہ کسی گرہ کٹ نے؛ انشاء اللہ میری جیب کاٹ لی انشاء اللہ گھوڑے کا سودا کیا انشاء اللہ اور جیب میں ہاتھ ڈالا انشاء اللہ تو جیب میں کچھ نہ تھا۔ انشاء اللہ! دوست نے کہا۔ میاں اب انشاء اللہ کہنے کا کیا فائدہ۔ اسی وقت جب میں نے کہا تھا۔ اگر ایک بار بھی انشاء اللہ کہہ دیتے تو کام بن جاتا اور اب چاہے ہزار مرتبہ کہو بیکار ہے۔

تو اے میرے بھائیو! یہ وقت ہے اللہ کی عبادت اور اس کی یاد کا۔ اس وقت کی عبادت کام آئے گی اور کل اگر ہزار بار بھی اس کی بندگی کا اعلان و اقرار کروگے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ لہٰذا ؎

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ اُن سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

دُنیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

(پ ۲۱ ع ۳) (ترجمہ) "اور یہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور بے شک آخرت کا گھر ضرور وہی سچی زندگی ہے کیا اچھا تھا۔ اگر جانتے ہو"

حضرات! آج میں دنیا کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لئے میں نے قرآن پاک کی وہ آیت پڑھی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ میرے بھائیو! دیکھ لو۔ خدا تعالیٰ نے اس دنیا کو کھیل کود فرمایا ہے چونکہ کھیل اور تماشا وقتی طور پر خوش کن ہوتا ہے۔ اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے شیدائیوں کو خوش کر دیتا ہے۔ پھر خود بھی باقی نہیں رہتا اور نہ وہ خوشی اور لذت باقی رہتی ہے جو تھوڑی دیر کے لیے حاصل ہوئی تھی۔ اس لئے اللہ نے اس دنیا کو بھی ایک کھیل اور تماشا بیان فرمایا ہے۔ جو تھوڑے عرصہ کے لئے قائم ہے۔ پھر یہ خود بھی فنا ہو جائے گی اور وہ ساری خوشیاں جو اس کے شیدائیوں کو حاصل ہوئیں وہ بھی فنا ہو جائیں گی۔ اس کے بعد پھر طالب دنیا بجز اس کے کہ کف افسوس ملے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

میرے بزرگو! اس دنیا میں کئی قسم کے کھیل تماشے ہوتے ہیں مثلاً ریچھ بندر کا تماشا۔ ناٹک کا کھیل۔ سرکس کے کرتب وغیرہ یہ تماشے گھنٹہ دو گھنٹہ بھر کے لئے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہاں نہ تماشا کرنے والے نظر آتے ہیں اور نہ تماشا دیکھنے والے۔ اسی طرح یہ دنیا کا کھیل ہے کہ ختم ہو جانے کے بعد نہ یہ کھیل رہے گا اور نہ کھیل والے اور یہ دنیا کا کھیل اگرچہ بظاہر سینکڑوں سال زندگی کا ہو مگر مرنے کے بعد اور قیامت آ جانے پر یہ حقیقت کھلے گی کہ یہ ہماری لمبی زندگی بھی دراصل کچھ نہ تھی۔ اصل زندگی تو یہ آخرت کی زندگی ہے۔ چنانچہ لمبی عمر پانے والے مجرمین کل قیامت کے دن یوں کہیں گے اور قسم کھا کر کہیں گے کہ

مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ (پ ۲۱ ع ۹) "نہ رہے

تھے مگر ایک گھڑی"۔

دیکھا آپ نے یہ اتنی طویل طویل عمریں کل یوں معلوم ہوں گی جیسے ایک پل اور ایک گھڑی۔ تو میرے دوستو! دنیا ایک کھیل اور فانی چیز ہے۔ اس میں جو کچھ ہے، سب کچھ ایک دن فنا ہونے والا ہے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

آنچہ دیدی برقرار خود نماند!
آنچہ بینی ہم نماند برقرار

نادان عاشق | میرے بھائیو! قرآن مجید نے فرمایا ہے کہ دنیا کی زندگی ایک کھیل اور

تماشا ہے۔ اور دیکھ لیجئے بعض کھیل اور تماشے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ صرف ایک سایہ کی طرح کچھ آتی جاتی چیزیں معلوم ہوتی ہیں جیسے بائیسکوپ میں سوائے لیمپ کی روشنی اور کاغذی تصویروں کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ مگر تماشائیوں کو یہ نظر آتا ہے کہ بڑی جنگ ہو رہی ہے۔ ہزاروں کا خون ہو رہا ہے۔ کہیں شاہی دربار ہے۔ کہیں لاکھوں آدمیوں کا ہجوم ہے کہیں غمی اور کہیں شادی ہے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ روشنی گل کر دی جائے تو کچھ بھی نہ رہے لیکن اسی غیر اصل اور محض عکس و سایہ ہی کے مناظر پر تماشائی عاشق ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے مناظر کی حقیقت ہے اور یہی حال دنیا کے نادان عاشقوں کا ہے اور اسی طرف مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے اشارہ فرمایا ہے ؎

ہمچو آں ابلہ کہ تاب آفتاب!

دید بر دیوار و حیراں شد شتاب

عاشق دیوار شد کایں با ضیا است

بیخبر کایں عکس خورشید سما است

فرماتے ہیں۔ جس طرح ایک بے وقوف نے کسی دیوار پر سورج کی روشنی یعنی دھوپ دیکھی تو اس نے سمجھا کہ یہ دیوار ہی روشن ہے اور اس کو دل دے بیٹھا۔ نادان نے یہ نہ سمجھا کہ دیوار ہرگز ایسی نہیں۔ یہ تو سورج کا عکس ہے ؎

چوں باصل خویش پیوست آں ضیا

دید دیوارے سیہ ماندہ بجا

پھر جب وہ روشنی اپنے اصل سورج سے مل گئی یعنے دھوپ جاتی رہی۔ تو دیوار ویسی کی ویسی رہ گئی۔ مولانا رومی کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح دیوار پر روشنی دیکھکر نادان یہ جانتے ہیں کہ دیوار میں کچھ ہے لیکن پھر تھوڑی دیر کے بعد دیوار کو بے نور اور سیہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ اسی طرح اہل دنیا، دنیا کو قیامت کے دن مثل سیہ و بے نور دیوار کے دیکھ کر بڑے حیران ہوں گے۔ اپنی نادانی پر پچھتائیں گے!

دنیا اچھی ہے

میرے بزرگو! یہ جو میں نے بیان کیا ہے یہ تو ہے دنیا کی حقیقت مگر یہ دنیا ہستا یا بذاتہ بری نہیں ہے۔ یہ بری اس وقت ہے جبکہ

انسان اپنے خالق کو بھول کر اسی میں محو ہو جائے اور اسی سے دل نہ ہٹے ایسے شخص کے لئے دنیا دنیا ہے اور بُری دنیا ہے اور جب کہ انسان اپنے خالق و مالک سے دل لگائے رہے اور اس کی ایک دین و عطا سمجھ کر دنیا کو استعمال کرے اور اپنے اللہ کی مرضی کے مطابق اس کو خرچ کرے تو پھر یہ دنیا دنیا نہیں رہتی۔ بلکہ یہ دنیا بھی دین ہے اور بڑی اچھی دنیا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن!
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا کیا ہے؟ خدا سے غافل ہو جانے کا نام دنیا ہے۔ جس قدر خدا سے غافل کر دینے کے سامان ہیں وہ سب دنیا ہیں۔ یہ چاندی و سونا، بیوی بچے ان کا نام دنیا نہیں ہے۔ ہاں اگر ان کی وجہ سے خدا کو بھلا دیا جائے۔ تو پھر یہ سب کچھ دنیا ہے اور اگر خدا کو نہ بھلایا جائے تو پھر چاہے چاندی و سونے کے انبار لگے ہوں وہ ہرگز دنیا نہیں ہے چنانچہ بزرگانِ دین میں سے ایسے ایسے بھی گزرے ہیں جو بڑے بڑے مال دار اور امیر تھے حضرت سلیمان علیہ السلام جو پیغمبر و نبی تھے۔ ایک عظیم الشان حکومت کے مالک تھے اور اس قدر دنیوی مال و متاع رکھتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو اپنے لشکر عظیم کے لئے ہر روز پانچ ہزار اونٹ۔ پانچ ہزار گائے اور بیس ہزار بکریاں ذبح فرماتے تھے (دیکھئے حیوٰۃ الحیوان صفحہ ۳۰۵ جلد ۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بڑے امیر تھے۔ اللہ نے آپ کو مال و اولاد سب کچھ عطا فرما رکھا تھا۔ مگر ان میں سے کوئی چیز یادِ حق کی راہ میں حائل نہ تھی۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وقت آنے پر اپنا سب کچھ راہِ حق میں قربان فرما کر دکھا دیا کہ دنیا ہوتے ہوئے بھی جو اللہ والے ہیں۔ اپنے خالق کو کبھی نہیں بھولتے اور خالق و مالک کے آستانہ پر اور اس کی رضا کی خاطر دنیا کی ہر چیز قربان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لقب "خلیل" کے متعلق علمائے نے لکھا ہے۔ کہ آپ کا یہ لقب اللہ نے اسی لئے رکھا کہ

إِنَّهُ سَلَّمَ نَفْسَهُ إِلَى النِّيرَانِ وَمَالَهُ إِلَى
الضِّيفَانِ وَوَلَدَهُ إِلَى الْقُرْبَانِ وَقَلْبَهُ إِلَى

امتحان۔ اس لئے کہ آپ نے اپنی جان کو،
رضائے حق کی خاطر آگ میں ڈال دیا اور مال کو راہ
خدا میں مہمانوں پر خرچ کر دیا اور اپنے بیٹے کو
خوشنودیٔ حق کے لئے قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے
اور اپنا دل اللہ کی سپرد کر دیا۔"

ایک مرتبہ چند فرشتے بشریت کے لباس میں سائل بنکر در اقدس پر حاضر ہوئے اور سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ۔ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَالْعَظَمَۃِ وَالْهَیْبَۃِ وَالْقُدْرَۃِ وَالْكِبْرِیَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ الخ پڑھ کر اللہ کی راہ میں کچھ مانگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے محبوب حقیقی کا نام سنکر بے حد مسرور ہوئے اور فرمایا مجھے میرے محبوب حقیقی کا پیارا ذکر پھر سناؤ۔ فرشتوں نے جو بشریت کے لباس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سخاوت کو دیکھنے آئے تھے، جواب دیا۔ اگر آپ ہمیں کچھ دیں تو ہم پھر وہی پیارا نغمہ سنائیں گے ورنہ نہیں۔ فرمایا میرا بکریوں کا عظیم ریوڑ موجود ہے۔ آدھا ریوڑ لے لو اور مجھے میرے محبوب حقیقی کا نام پھر سناؤ۔ چنانچہ فرشتوں نے پھر وہی نغمہ چھیڑا۔ آپ نے پھر فرمایا۔ ایک مرتبہ اور سناؤ۔ جواب ملا کہ باقی کا آدھا ریوڑ بھی دے دیجئے تو سنائیں گے ورنہ نہیں۔ فرمایا اچھا جاؤ۔ سارا ہی ریوڑ تمہارا۔ تم میرے پیارے کا نام پھر لو اور اسی نغمہ سے پھر مجھے مسرور کرو۔ چنانچہ فرشتوں نے پھر وہی نغمہ چھیڑا اور حضرت خلیل کو مسرور کیا۔ حضرت نے پھر فرمایا کہ ایک بار اور۔ جواب ملا کہ اب تو آپ کے پاس ریوڑ میں سے کچھ باقی نہیں رہا۔ اب آپ کیا دیں گے؟ فرمایا اس ریوڑ کی نگہبانی کے لئے مجھی کو ساتھ لے چلنا۔ مگر محبوب کا نام ضرور سناؤ۔ فرشتوں نے یہ ایثار دیکھا تو جھٹ بول اٹھے کہ حضور! مان لیا۔ واقعی آپ خلیل اللہ ہیں۔ ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ ہم تو آپ کے ایثار کا جلوہ دیکھنے آئے تھے

بزرگو! دیکھا آپ نے۔ یہ دنیا ہے۔ مگر کیسی مبارک دنیا۔ جو اللہ کی راہ میں قربان ہو رہی ہے۔ تو ایسی دنیا برائے نام دنیا ہے۔ ایسی دنیا کو فنا بھی نہیں۔ یہ دنیا کل قیامت کو بھی کام آئے گی۔ یعنی جو کچھ یہاں اللہ کی راہ میں دے دیا۔ وہ اگرچہ بظاہر یہاں سے مٹ جائے گا۔ مگر وہ دراصل باقی رہے گا اور کل قیامت میں کام آئے گا۔ اور ایک ہماری دنیا بھی ہے جس پر ایک لطیفہ یاد آیا۔

لطیفہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک مولوی صاحب کے درس میں سنا کہ جو اللہ کی راہ میں ایک دے گا۔ دس پائے گا۔ اس شخص کی جیب میں ایک روپیہ تھا۔ اس نے باہر نکل کر وہ روپیہ کسی فقیر کو دے دیا اور خود گھر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ کوئی آئے اور دس روپے دے جائے۔ اب اسی انتظار میں جب کوئی آتا ہوا نظر نہ آیا تو لگا مولوی صاحب کو برا بھلا کہنے کہ خواہ مخواہ میرا روپیہ نقصان کرا دیا۔ اسی غم میں اسے پیچش بھی لگ گئی حاجت ہوئی تو باہر جنگل میں گیا۔ وہاں اتفاقاً کسی کا گرا ہوا بٹوا دیکھا اسے اٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ تو اس میں سے دس روپے نکلے یہ دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور دوسرے دن مولوی صاحب کے درس میں جا کر کہنے لگا۔ مولوی صاحب مسئلہ پورا سنایا کرو۔ مولوی صاحب نے کہا۔ مگر میں نے آدھا مسئلہ کون سا سنایا ہے وہ بولا وہ کل سنایا تھا نا کہ جو اللہ کی راہ میں ایک دے گا دس پائے گا۔ اس کا اگلا حصہ بھی سنایا ہوتا۔ مولوی صاحب نے کہا تو اگلا حصہ کیا ہے؟ تم ہی بتادو۔ وہ بولا اگلا حصہ یہ ہے کہ "اسے پیچش بھی لگ جاتی ہے"

دیکھا میرے بھائیو! ایک دنیا یہ بھی ہے۔ جس میں ایسا دل محو ہے کہ ایک روپیہ جانے سے بھی پیچش لگ جاتی ہے۔ خوب یاد رکھو کہ دنیا ہو تو اس میں ایسا دل مشغول نہ ہو کہ اللہ کے احکام پس پشت ڈال دیئے جائیں اور اس کی مرضی کو فراموش کر کے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ لیا جائے۔ اس قسم کی دنیا، دنیا ہے اور بری دنیا اور ایسی دنیا ہی کو اللہ نے کھیل کود فرمایا ہے۔

مُردار دنیا اور ایسی ہی دنیا کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مردار اور اس کے طالب کو کتا فرمایا ہے اور محدثین نے اس ارشاد نبوی کی بڑی حکیمانہ تفسیر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضور نے طالب دنیا کو کتا فرمایا ہے۔ حالانکہ مردار کو کوا بھی کھاتا ہے پھر حضور نے طالب دنیا کو کتا ہی کیوں فرمایا ہے؟ فرماتے ہیں کوا مردار کا صرف گوشت ہی کھاتا ہے اور ہڈیاں چھوڑ جاتا ہے۔ مگر کتا مردار کو ہڈیوں سمیت رگڑ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا عاشق بھی چونکہ دنیا کی ہڈی تک نہیں چھوڑتا۔ اس لئے طالب دنیا کو کتا فرمایا گیا ہے دوسری بات یہ ہے کہ کوا مردار پر دن کو جھپٹتا ہے رات کو نہیں آتا۔ مگر کتا دن بھی اور رات بھی مردار کے پاس سے نہیں ہٹتا۔ اسی طرح دنیادار بھی دن رات مردار دنیا کو اپنائے رکھتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ کوا مردار دیکھ کر شور مچاتا ہے اور اپنے بھائیوں کو بھی بلا لیتا

ہے۔ اور اس مردار کو سب مل کر کھاتے ہیں۔ مگر کتا جہاں پہنچا۔ دوسرے اپنے کسی بھائی کو بھی قریب نہیں آنے دیتا۔ اسی طرح دنیادار بھی اکیلا ہی دنیا کا مالک بننا چاہتا ہے کسی اپنے بھائی کو قریب نہیں بھٹکنے دیتا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ کوّا اپنے مردہ بھائی کوّے کا گوشت نہیں کھاتا تو کتا اپنے بھائی کتے کی لاش کو بھی رگڑ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیادار بھی اپنے بھائی کا مال بھی کھا جانے میں دریغ نہیں کرتا۔ یہ وجہ ہے جو حضور نے طالب دنیا کو کتا فرمایا ہے۔

میرے بھائیو! ایسی دنیا واقعی مردار ہے اور قابل اجتناب ہے۔ آج جو غافل لوگ ناعاقبت اندیشی سے کام لے کر حصول دنیا میں منہمک ہیں۔ وہ ہوش کریں اور سوچیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ یہ دنیا چند روزہ ہے اور فانی ہے۔ اس کیلئے آج جو جو جتن کئے جاتے ہیں۔ ذرا غور تو کرو کہ وہ کہاں تک جائز ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ دنیا کے ذرائع واسباب کو چھوڑ دیا جائے اور مال و دولت کو پاس نہ آنے دیا جائے۔

بھائیو! کہنا تو یہ ہے کہ دائرۂ شریعت میں رہ کر جس قدر بھی دنیوی سامان پا سکتے ہو پاؤ۔ جس قدر بھی امیر بن سکتے ہو بنو۔ سب کچھ حاصل کرو۔ مگر خبردار! شریعت کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکلنے پائے۔ جہاں شریعت سے قدم ہٹا۔ یہ دنیا ملعون و مردار ہوئی۔ آج رونا ہی اس بات کا ہے کہ لوگ دنیا کے حصول کی خاطر شریعت کو ملحوظ نہیں رکھتے بلیک، رشوت، سود، غبن اور بڑی ذخیرہ سب مردار اور ملعون ہے اور یاد رکھو کہ آج جو جو بھی ایسی حرکتیں کی جاتی ہیں۔ کل ان سب کا حساب دینا پڑے گا۔ آج تم کہیں اندر چھپ کر کسی سے رشوت لے لو۔ لوگوں کی نظروں میں دھول ڈال کر غبن کر لو خیانت کر لو۔ مگر کل قیامت کے دن یہ سب خفیہ حرکتیں اور پوشیدہ خیانتیں سامنے آجائیں گی

نامۂ اعمال

اور نامۂ اعمال تمہارے سامنے پیش کرایا جائے گا۔ جس میں ہر چھوٹی بڑی ظاہر و باطن اور عیاں و نہاں حرکت لکھی ہوگی اور یہ نامۂ اعمال پیش کر کے کہا جائے گا:۔

اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (پ۱۵ ع۲) اپنا نامہ پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے:

اور دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے:۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ
مِمَّا فِيهِ (پ ۱۵ ع ۱۸) اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا۔
تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اُس کے لکھے سے ڈرتے
ہوں گے۔"

ڈرتے اس لئے ہوں گے کہ اپنا سب کا سب کارنامہ اُس اعمال نامہ میں درج ہوگا۔ حتےٰ کہ جو گنہ مخلوق سے چھپ چھپاکر کیا ہوگا۔ وہ بھی اُس میں لکھا ہوگا۔ چنانچہ جب مجرم اپنے نامۂ اعمال کو دیکھے گا اور اس میں ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی پائے گا۔ تو سب کہے گا

يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً
وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا
حَاضِرًا (پ ۱۵ ع ۱۸) ہائے خرابی ہماری اس نوشتہ
کو کیا ہوا نہ اُس نے کوئی چھوٹا گنہ چھوڑا نہ بڑا جسے
گھیر نہ لیا ہو اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے
پایا۔"

نامۂ اعمال پیش کر کے خدا تعالیٰ پھر فرمائے گا۔ کیوں اے بندے! اس نامۂ اعمال میں جو جو کچھ لکھا ہوا ہے کیا تم نے یہ حرکتیں نہیں کیں؟ مجرم عرض کرے گا۔ الٰہی! شاید میرا یہ نامۂ اعمال نہ ہو۔ خدا فرمائے گا۔ نہیں یہ بات نہیں۔ بلکہ یہ نامۂ اعمال تیرا ہی ہے میرے فرشتے جو میں نے تیرے اعمال لکھنے کو تیرے ساتھ مقرر کر رکھے تھے وہ غلطی نہیں کرتے۔ یہ نامۂ اعمال بالکل صحیح ہے اور تیرا ہی ہے۔ مجرم عرض کرے گا۔ الٰہی اُس پر کوئی گواہ بھی ہونا چاہیئے۔ خدا فرمائے گا۔ اچھا لو گواہ بھی پیش کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ حصۂ زمین جس پر مجرم نے گنہ کیا ہوگا۔ اُس سے کہا جائے گا۔ اے زمین تو شہادت دے کیا اس نے تجھ پر یہ حرکتیں کیں یا نہیں؟ چنانچہ زمین کا وہ حصہ بولے گا اور کہے گا۔ الٰہی! جو کچھ اُس نامۂ اعمال میں لکھا ہے۔ صحیح ہے۔ واقعی اُس بندے نے مجھ پر یہ حرکتیں کی ہیں۔ زمین کی اس گواہی کا ذکر اس آیت میں ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ
لَهَا۔ (پ ۳۰ ع ۲۴) "اُس دن وہ (زمین) اپنی

خبریں بتائے گی۔ اس لئے کہ تمہارے رب نے اُسے
حکم بھیجا۔"

اور اسی حدیث شریف میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ:۔

مَا مِنْ يَوْمٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا اِلَّا يَقُوْلُ بِلِسَانِهٖ
يَا ابْنَ اٰدَمَ اَنَا يَوْمٌ جَدِيْدٌ وَّ اَنَا عَلٰى مَا تَعْمَلُ
فِيَّ شَهِيْدٌ۔ یعنے دنیا کے دنوں میں سے ہر ایک دن
اپنی زبان میں یوں کہتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے
میں ایک نیا دن ہوں۔ اور مجھ میں جو جو کام بھی تو
کرے گا۔ میں اُن کا گواہ بن جاؤں گا۔"

اس کے بعد خدا تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ اے بندے! اگر تو مزید گواہی چاہتا ہے
تو لے یہ تیرے اپنے اعضاء ہی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تو نے بیشک یہ حرکتیں کیں۔
چنانچہ خدا تعالیٰ مجرم کے منہ پر خاموشی کی مہر لگا کر اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کو حکم فرمائے گا۔ کہ
تم بولو اور گواہی دو۔ کہ اس نے تمہارے ساتھ یہ یہ کام کئے یا نہیں؟ چنانچہ قرآن میں آتا ہے

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ
وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (پ ۲۳ ع ۴)
آج ہم اُن کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور اُن کے ہاتھ
ہم سے بات کریں گے۔ اور ان کے پاؤں اُن کے
کئے کی گواہی دیں گے۔"

اس کے بعد مجرم حیران رہ جائے گا اور جھنجھلا کر اپنے اعضاء سے مخاطب ہو کر کہے گا
کہ میں تمہارے ہی بچاؤ کے لئے تو اتنے حیلے کر رہا تھا۔ مگر تم نے بھی میرے خلاف سچی شہادت
دے دی۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن پاک میں آتا ہے۔

شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ
بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ
شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْ
اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (پ ۲۴ ع ۱۷) اُن کے کان اُن کی

آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر ان کے کئے کی
گواہی دیں گے۔ اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے۔ تم
نے ہم پر کیوں گواہی دی۔ وہ کہیں گی۔ ہمیں اللہ نے بلوایا
ہے جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی ہے"

اس کے بعد خداوند کریم فرمائے گا۔ کیوں اے بندے! اب کیا خیال ہے اور دیکھ ان گواہوں کے علاوہ تیری بداعمالیوں پر میں خود بھی گواہ ہوں۔ بتلا اب تو کیا کہتا ہے؟ بھائیو! سوچ لو کہ اس وقت پھر مجرم کا کیا حال ہو گا؟

مادہ پرستوں کو جواب

یہاں مادہ پرست یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صاحب! ہاتھ پاؤں اور چمڑے کا بولنا سمجھ میں نہیں آتا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہاتھ پاؤں اور چمڑہ بول سکے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تم ذرا اپنے گراموفون ریکارڈ ہی کو دیکھ لو۔ وہ ریکارڈ کیا ہے؟ ایک مٹی اور مصالحہ ہی تو ہے۔ مگر جب تمہاری سائنس کی سوئی اس پر لگتی ہے تو وہ مٹی اور مصالحہ کا بے جان ٹکڑا بولنے لگتا ہے۔ گاتا ہے، چلاتا ہے اور طرح طرح کے شعر اور تقریریں سناتا ہے تو بتاؤ اس مٹی کے ٹکڑے میں یہ قوت گویائی کیسے پیدا ہو گئی؟ اگر تمہاری سائنس میں یہ طاقت ہے کہ وہ ایک چھوٹی سی سوئی کے ذریعہ ایک مٹی کے بے جان ٹکڑے کو بلا سکتی ہے تو خداوند قادر و توانا میں کیا طاقت نہیں کہ وہ اپنی قدرت کی سوئی سے ہاتھ پیر اور چمڑے کو بلا سکے؟ ہے اور یقیناً ہے۔ مگر افسوس کہ ایسے لوگ شانِ ایزدی سے بے حد غافل ہیں۔

انگوٹھے کی مثال

میرے بزرگو! ایک مثال اور سنو! یہ جو منی آرڈر فارموں پر بجائے دستخط کے انگوٹھے کا نشان لگایا جاتا ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ دراصل اس بات کی تصدیق کا نشان ہے کہ منی آرڈر فارم پر درج شدہ رقم فلاں صاحب نے وصول کر لی۔ اب ذرا خیال فرمایئے کہ ایک شخص نے رقم وصول کر لی اور اپنا نشان انگوٹھا لگا دیا۔ مگر بعد میں وہ انکار کر گیا کہ میں نے رقم نہیں لی تو اب اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے گواہی کس سے لی جائے گی۔ سب جانتے ہیں کہ گواہی اسی انگوٹھے سے لی جائے گی یعنی اس کے انگوٹھے کا نشان اس امر کی شہادت دے گا کہ اس نے رقم وصول کر لی ہے۔ یہ جو انکار کر رہا ہے غلط کہہ رہا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے رقم وصول کر لی ہے۔ گویا وہ انگوٹھا بولے گا اور اس

انکار کنندہ کو مجرم ثابت کر دے گا اور فیصلہ بھی انگوٹھے کی گواہی پر ہی کیا جائے گا تو بھائیو! آج اگر تمہارا انگوٹھا کسی تنازعہ میں گواہی دے سکتا ہے تو کل اللہ کے حکم سے یہ گواہی کیسے نہ دے سکے گا؟

شاہد نبی

مسلمانو! سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہماری سب حرکتیں ہمارے آقا و مولے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ خدا تعالیٰ نے حضور کو فرمایا ہے:۔ يَآاَيُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (پ ۲۲ ع ۹)

اے پیارے نبی! ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔

اور شاہد کہتے ہیں حاضر کو۔ دیکھ لیجئے۔ نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا الخ

یعنی اے اللہ بخشدے ہمارے زندہ اور مردہ کو۔ اور

ہمارے حاضر اور غائب کو۔

اور شاہد دیکھنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ دیکھ لیجئے یوں کہا جاتا ہے۔ میں نے فلاں چیز کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ یعنے دیکھ لیا ہے تو گویا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی اور ہمارے اعمال و حرکات کو ملاحظہ فرما رہے ہیں پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم برے کاموں کا ارتکاب کریں اور حضور سے مطلق نہ شرمائیں ؎

دن لہو میں کھونا تجھے، شب صبح تک سونا تجھے!!

شرم نبی، خوف خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ایک انگریز اور ایک بھکاری

مجھے یہاں دہلی کی جامع مسجد کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ یہ واقعہ میں نے ایک اردو رسالہ میں پڑھا تھا۔ آج سے تقریباً سو سال پہلے ایک انگریز دہلی کی جامع مسجد دیکھنے کے لئے آیا۔ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ایک بھکاری بیٹھا تھا۔ جس نے انگریز سے براہ خدا کچھ مانگا۔ انگریز نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بٹوا نکالا۔ اور بٹوے میں سے ایک چونی نکال کر بھکاری کو دی۔ اور پھر جلدی سے مسجد کے اندر چلا گیا۔ بھکاری نے دیکھا کہ انگریز نے جلدی میں بٹوا تو جیب میں ڈالا تو وہ بٹوا بجائے جیب کے نیچے گر پڑا ہے اور سیڑھیوں پر پڑا ہے۔ بھکاری اٹھا اور بٹوا اٹھا کر انگریز کو دینے کے لئے اس کے پیچھے دوڑا۔ مسجد کے اندر گیا تو معلوم ہوا۔ کہ

کہ وہ انگریز مسجد کو دیکھ کر دوسرے دروازے سے نکل کر چلا گیا ہے۔ بھکاری نے بہتیری تلاش کی۔ مگر وہ انگریز نہ مل سکا۔ چھ مہینہ کے بعد وہی بھکاری سیڑھیوں پر اپنی جگہ بیٹھا تھا کہ وہی انگریز بازار میں جاتا ہوا اسے نظر آیا۔ بھکاری فوراً اٹھا۔ اور اس انگریز کے پاس پہنچکر وہی بٹوا پیش کرتے ہوئے بولا۔ کہ صاحب! آج سے چھ ماہ قبل آپ جامع مسجد دیکھنے کو آئے تھے اور مجھے بھیک دیتے ہوئے آپ نے یہ بٹوا نکالا تھا۔ اور پھر جلدی میں جو جیب میں ڈالا تو یہ نیچے گر گیا تھا۔ میں نے آپ کی اسی دن بڑی تلاش کی تھی مگر آپ نہ مل سکے تھے۔ آج اتفاقاً آپ نظر آگئے اور میں آپ کی امانت لیکر حاضر ہو گیا ہوں۔ انگریز حیران رہ گیا اور بٹوہ جو کھول کر دیکھا۔ تو ساری نقدی اس میں محفوظ تھی۔ وہ اور بھی متعجب ہوا اور پوچھا تم چاہتے تو اسے رکھ بھی سکتے تھے۔ مجھے تو علم ہی نہ تھا۔ کہ تم نے اسے اٹھایا ہے۔ پھر اس امانت و دیانت کی کیا وجہ ہے؟ بھکاری نے جواب دیا۔ بات یہ ہے صاحب! آپ عیسائی ہیں۔ اور میں مسلمان ہوں۔ آپ کے پیغمبر عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر اللہ کے پاس ہیں۔ اور میرے پیغمبر حضور علیہ السلام بھی اللہ کے پاس ہیں۔ مجھے بٹوہ اٹھاتے ہوئے اور کسی نے تو نہ دیکھا تھا۔ مگر اللہ نے ضرور دیکھا تھا۔ میں نے سوچا۔ کہ اگر میں نے یہ بٹوہ رکھ لیا تو اللہ تعالےٰ میرے پیغمبر سے فرمائے گا دیکھ لے محمد! (صلے اللہ علیہ وسلم) تیرے امتی نے عیسےٰ (علیہ السلام) کے ایک امتی کا بٹوہ رکھ لیا ہے۔ تو میرے پیغمبر کو اس شکایت سے رنج و ملال ہوگا اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے سامنے انہیں ندامت ہوگی۔ بس اسی خیال سے میں یہ بٹوہ اسی روز سے سنبھالے ہوئے ہوں۔

دیکھئے حضرات! ایک زمانہ تو یہ تھا۔ کہ ہمارے بھکاری امانت دار تھے۔ اور آج وہ زمانہ ہے کہ بڑے بڑے بھی خائن ہیں۔ اگر آج کوئی ایسی چیز مل جائے تو اسے مال غنیمت سمجھ کر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ عربی زبان میں "بیت المال" کا معنی ہے "مال کا گھر"۔ مگر آج کل ہمارے "امینوں" نے اس کا معنی یہ کر رکھا ہے "گھر کا مال"۔ چنانچہ اسی چیز کو میں نے ایک رباعی میں لکھا ہے کہ ؎

آپ کا افسوس کیسا اور شکایت کس لئے!
اپنی اپنی ہے سمجھ اور اپنا اپنا ہے خیال
کب ہوا گر مال بیت المال میں پہنچا نہیں!
معنی "بیت المال" کا لیڈر نے سمجھا "گھر کا مال"!

بہرحال بھائیو! اس دنیا میں منہمک ہو کر خلاف شرع حرکات کا ارتکاب کر کے اس

بات سے مطمئن نہ ہو جاؤ۔ کہ تمہیں ان حرکات کا جواب نہ دینا پڑے گا۔ اور تمہاری ایسی حرکات پر اگر تمہاری چاہ کیوں سے یہاں گرفت نہیں ہو سکی۔ تو کل بھی گرفت نہ ہو گی۔ یاد رکھو کل کا دن حساب کا دن ہے۔ جو کام یہاں کرو گے اچھا یا بُرا۔ کل اس کا انجام ضرور دیکھو گے یہ دنیا مثل، ایک کھیتی کے سمجھو۔ آج اس میں جو بھی بوؤ گے۔ کل وہی کاٹو گے چنانچہ ایک پنجابی شاعر کہتا ہے ؎

دنیا کھیتی آخرت سیتی خود حضرت فرماوے
جیہا اس وچہ بیجے کوئی تیہا ہی پھل پاوے
جے توں اس وچہ محنت کر کے بیجیں اج دانے
بھلکے تیرے تائیں ہرکس بوہل تے کھلوارے
بیج صدق دا بیتا پائیں، جسنگی کریں بیائی
جو کچھ بیجیں چنگا بجیں بُرا نہ بیجیں بھائی

دنیا میں دل نہ لگاؤ

حضرات! یہ دنیا جسے رب نے نہایت قلیل کو بیان فرمایا ہے اس میں اپنا دل نہ لگاؤ۔ اس میں اس طرح دل لگا لینا کہ خدا یاد ہی نہ رہے بہت برا ہے اور اس کا نتیجہ بڑا ہی ہولناک ہے۔ دنیا کو حاصل کرو اور اسے استعمال کرو۔ مگر خدا کو کسی حال میں بھی نہ بھولو۔ دنیا بری نہیں ہے اسے برا بنا لیا جاتا ہے۔ اگر شریعت کے مطابق اسے حاصل کیا جائے اور خرچ کیا جائے تو دنیا اچھی دنیا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کشتی کے لئے پانی ضروری ہے۔ پانی نہ ہو تو کشتی کا تیرنا مشکل ہے مگر یہ پانی کشتی سے باہر باہر رہے تو اسے تیرائے گا اور اگر یہی پانی کشتی کے اندر آ جائے تو اسے لے ڈوبے گا۔ اسی طرح دنیا انسان کے لئے بھی درکار ہے۔ اگر روپیہ پیسہ نہ ہو۔ تو حج کیسے کیا جائے زکوٰۃ کیسے دی جائے غرباء و مساکین کی خدمت کیسے کی جائے۔ گویا یہ روپیہ پیسہ ان نیک کاموں کے پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مگر یہ روپیہ پیسہ اگر دل سے باہر باہر رہا تو نسن کو تیر گیا۔ اور اگر مثل قارون کے اس کی محبت دل کے اندر سما گئی تو سمجھو بیڑا غرق ہوا۔

عربی اشعار

بھائیو! اس دنیائے فانی میں محو ہو کر عاقبت کو بھول جانا سب سے بڑی غفلت ہے۔ موت ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ مرنے کا خیال تک بھی باقی نہ رہا اور اس دنیائے فانی کو ہی سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے۔ حضرت

ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

یَامَنْ بِدُنْیَاہُ اشْتَغَلْ قَدْ غَرَّہٗ طُوْلُ الْاَمَلْ
اَوَلَمْ یَزَلْ فِیْ غَفْلَۃٍ حَتّٰی دَنٰی مِنْہُ الْاَجَلْ
اَلْمَوْتُ یَاْتِیْ بَغْتَۃً وَالْقَبْرُ صَنْدُوْقُ الْعَمَلْ

مطلب ان اشعار کا یہ ہے۔ کہ اے دنیا میں مشغول و منہمک ہوجانے والے اور حرص و آز کی تمنا میں مغرور و غافل ہوجانے والے تیری غفلت کی بھی کوئی انتہا ہے۔ موت قریب ہے اور تو غفلت میں پڑا ہے۔ یاد رکھ! موت اچانک آجانے والی ہے اور قبر میں تجھے جانا پڑے گا۔ جس میں عمل ہی کام آئیں گے۔"

عبرت ناک اشعار ایک شاعر کہتا ہے کہ مجھے ایک بار میری خواہش و حرص نے یہ کہا کہ تیرے پاس مال دنیا کثرت کے ساتھ ہے اٹھ اور عیش عشرت کی دنیا بسا۔ یہ عاقبت کا خیال اور انجام کی فکر چھوڑ اور خوب مزے اڑا۔ واعظوں کے پند و نصائح کو پس پشت ڈال اور ہر قسم کا فکر و غم دل سے نکال۔ جام مے کو ہاتھ میں لے اور سرور و کیف کی دنیا میں کھو جا۔ چنانچہ وہ شاعر لکھتا ہے۔ ؎

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا زمین طوس اور کیا سرزمین سکس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجے زندگی
اس طرف آواز طبل اور دھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہو مے گلگوں کا دور!
شب ہوئی تو ماہ رویوں سے کنار و بوس ہے

شاعر کہتا ہے کہ میری حرص و ہوس نے جب مجھے عیش و عشرت اور ناعاقبت اندیشی و غفلت پر ابھارا اور میں اس کے لئے تیار ہوگیا۔ تو ؎

ناگہاں عبرت پکاری اک تماشہ میں تجھے!
چل دکھاؤں تو تو قید آز کا محبوس ہے

عبرت نے میرے کان پکڑ لئے۔ اور مجھ سے کہا کہ عیش و عشرت کی زندگی اختیار کرنے سے پہلے تو میرے ساتھ چل۔ میں تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں گی۔ وہ منظر و تماشہ دیکھ لینے کے

بعد کو تجھے اختیار ہے، جو چاہے کرنا۔ شاعر کہتا ہے۔ میں نے کہا اچھا۔ میں نے چل ے

لے گئی یکبار گی گورِ غریباں کی طرف

جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے

مرقدیں دو تین دکھلا کر مجھے کہنے لگی!!

یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمتِ دنیا سے آج

کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

شاعر کہتا ہے کہ میں نے یہ عبرت ناک نظارہ دیکھا اور بے حد متاثر ہوا اور اپنے عیش و عشرت اور غفلت کے ارادہ سے باز آگیا۔

مسلمانو! خوب یاد رکھو یہ دنیا فانی ہے اور ایک دن اسے چھوڑ کر مرنا ہے۔ اپنی عاقبت کی فکر کرو۔ اور دنیا کے عیش و آرام میں پڑ کر موت اور خدا کو مت بھولو۔ یہ غفلت بہت بری ہے۔ اور اس کا نتیجہ بڑا ہولناک ہے۔

مغربی قومیں

ممکن ہے۔ نئی تہذیب کے شیدائی اس موقع پر یہ کہنے لگیں کہ یہ مولوی بھی عجیب خیال کے لوگ ہیں۔ مغربی قوموں کو دیکھو۔ کس طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور پھر ترقی و عروج بھی انہیں حاصل ہے مگر یہ مولوی ہمیں اس دنیا کی عیش و عشرت سے روکتے ہیں۔ بھائیو! تمہیں عیش و آرام کی زندگی سے کون روکتا ہے مولوی تو یہ کہتے ہیں کہ شریعت کے دائرہ میں رہ کر جو جائز عیش ہے وہ حاصل کرو۔ آرام کی زندگی بسر کرو۔ مگر دائرہ شریعت سے باہر مت نکلو۔ مولوی تمہیں شریعت کی پابندی کی تاکید کرتے ہیں۔ شریعت کا دامن چھوڑ کر جو بھی عیش و عشرت ہے وہ ناجائز ہے۔ اور موجب تباہی و بربادی ہے۔ یہ بلیک و رشوت، سود اور بچگیاں سب شریعت کے خلاف ہیں۔ ان چیزوں کو مغربی قومیں اگر اپنا تی ہیں تو اپنائیں۔ مگر جو مسلمان ہے اسے ان چیزوں سے اجتناب کرنا ہی پڑے گا۔ اور پھر ایک اور بات بھی ہے کہ جس طرح سب کی شکلیں الگ الگ اور عادات و اطوار الگ الگ ہیں۔ اسی طرح مزاج بھی سب کے الگ الگ ہیں۔ کافر کا مزاج اور ہے اور مسلمان کا مزاج اور ہے۔ ترقی و عروج پانے کے لئے ہم کافروں کی ہی طرف کیوں دیکھیں کہ ان لوگوں نے ترقی کیسے پائی۔ اپنے بزرگوں کی طرف کیوں نہ دیکھیں۔ جنہوں نے شریعت کے دائرہ میں رہ

کر ترقیاں حاصل کیں۔ یہ بلیک رشوت سود اور سود وغیرہ حرام چیزیں کافر کے لئے موجب ترقی ہوں تو ہوں۔ مگر مسلمان کے لئے یہ چیزیں ہرگز موجب ترقی نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ ایک لطیفہ سنئے:۔

لطیفہ

ایک حکیم جی کا کسی گاؤں میں گزر ہوا۔ تو دیکھا ایک گنوار نے چنے کی موٹی موٹی روٹیاں سات آٹھ کھائیں اور ان پر ایک بہت بڑا لسی کا بھرا ہوا پیالہ غٹاغٹ پی لیا حکیم صاحب نے کہا۔ اب تیری خیر نہیں۔ لسی کو تو میان میں پینا چاہیئے تھا۔ یہ سنکر گنوار نے روٹی لانے والے کو آواز دی کہ ارے چار روٹ اور دے آ۔ حکیم یوں کہتا ہے کہ لسی کو بیچ میں کر لے۔ میں بیچ میں کر لوں۔ چنانچہ چار موٹی موٹی روٹیاں اور آگئیں اور گنوار نے وہ بھی صاف کر دیں اور حکیم صاحب سے کہا "بس اب تو لسی بیچ میں ہو گئی" حکیم جی یہ منظر دیکھ کر کہنے لگے۔ بھائی تو جا۔ بیچ کر یا اوپر۔ حکمت کا قاعدہ تیرے لئے نہیں۔ جس کا معدہ ہی اس قسم کا ہو۔ اس کے لئے سب جائز ہے۔ مگر کوئی شہری ایسا نہیں کر سکتا" بعینہٖ اسی طرح کافر کا مزاج ہی اس قسم کا ہے کہ بلیک رشوت، سود سور وغیرہ سب حرام چیزیں اسے راس آجاتی ہیں۔ مگر مسلمان کا مزاج مزاجِ لطیف ہے۔ اس قسم کی حرام چیزیں اس کے لئے بجائے فائدے کے نقصان دہ ثابت ہوں گی اور یہ شریعت کے قاعدے کافر کے لئے نہیں مسلمان کے لئے ہیں۔ پھر جو لوگ ان حرام چیزوں کے استعمال کرنے کے عادی ہیں وہ سوچ لیں کہ وہ مزاج مسلمانوں کا رکھتے ہیں یا کافروں کا۔

ترقی کا ہیضہ

میرے بھائیو! مغربی قوموں نے جو برائے نام ترقی حاصل کی ہے یہ ترقی کیا ہے۔ دراصل ترقی کا ہیضہ ہے۔ عورت کو اس طرح آزاد کر دینا کہ جس کے ساتھ چاہے چلی جائے۔ کلب میں رات بھر ناچتی رہے۔ خاوند کی پروا تک نہ کرے کیا یہ ترقی ہے؟ نہیں نہیں یہ تو انتہائی بے غیرتی ہے۔ یورپ کی اس قسم کی ترقی آج برائے نام مسلمان بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ترقی تو ترقی کا ہیضہ ہے۔ مریضِ ہیضہ کی حرارت کم اور نبض سست پڑ جاتی ہے۔ مریضِ ترقی کی بھی اسلامی حرارت کم اور دینی نبض سست پڑ جاتی ہے۔ مریضِ ہیضہ کو اسہال لگ جاتے ہیں۔ اور قے آنے لگتی ہے۔ مریضِ ترقی کو بھی الحاد کے اسہال لگ جاتے ہیں۔ اور ارتداد کی قے لگنے لگتی ہے۔ مریضِ ہیضہ کی پیاس نہیں بجھتی۔ مریضِ ترقی کی بھی پیاس نہیں بجھتی۔ حتےٰ کہ رمضان شریف میں بھی پیتا ہے۔ اور غریبوں کا لہو بھی پیتا ہے۔ مریضِ ہیضہ پلنگ پر تڑپتا ہے۔ اور مریضِ ترقی کلب میں ناچتا ہے۔ مریضِ ہیضہ چیختا

چلتا ہے۔ مرضِ ترقی بھی نانے ہوتا ہے۔ مریضِ ہیضہ ایک متعدی قسم کا مرض ہے۔ مرضِ ترقی بھی ایک متعدی مرض ہے۔ چنانچہ میاں کو یہ مرض لگ جائے تو بیوی بچے بھی اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ۔

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً اس ترقی کی وبا سے

بے وفا دنیا

بھائیو! یہ دنیا بڑی بے وفا ہے۔ چنانچہ ایک حکایت ہے کہ بہت بڑا امیر آدمی جو کہ دولت میں بڑا مشہور تھا، عید کا دن ہوا تو عید کے روز اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا۔ تو دروازے پر ایک سائل آیا جس نے بڑی عاجزی سے سوال کیا اور کہا۔ دو دن سے بھوکا ہوں۔ آج عید کا دن ہے۔ خدا کے لئے مجھے کھانا کھلاؤ۔ امیر آدمی اس سائل کی آواز سن کر بڑا غصے میں آگیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ سائل کمبخت عید کے دن بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ پھر نوکر کو بلایا۔ اور اس سے کہا کہ اس فقیر کو دھکے دے کر دروازے سے نکال دو۔ چنانچہ نوکر نے ایسا ہی کیا اور فقیر کو دھکے دے کر نکال دیا۔ اس امیر کی یہ مغرورانہ حرکت خدا کو پسند نہ آئی اور خدا کی غیرت جوش میں آئی۔ کچھ دنوں کے بعد اس امیر آدمی کے کاروبار میں نقصان واقع ہونا شروع ہوا۔ اور اس کی تمام جائیداد اسی خسارے کے کام آنے لگی آج یہ دکان ہاتھ سے نکلی۔ تو کل وہ دکان قبضہ سے گئی۔ حتیٰ کہ کچھ دنوں کے بعد اس شخص کی ساری جائیداد نیلام و قرق ہو گئی۔ اور وہ پائی پائی کا محتاج ہو گیا۔ خدا کی شان چند روز پہلے بڑا امیر آدمی تھا۔ آج مفلس و قلاش ہو گیا۔ اور اسے فاقے پر فاقے آنے لگے۔ ایک دن اس کی بیوی نے کہا کہ اب تو آپ اپنی روٹی بھی مہیا نہیں کر سکتے۔ پھر مجھے کیوں ساتھ لگائے پھرتے ہیں مجھے طلاق دے دیجئے۔ تاکہ میں کسی دوسرے سے نکاح کر کے اپنی زندگی تو آرام سے گزاروں چنانچہ اس شخص نے اپنی بیوی کو بھی طلاق دے دی۔ اور اب وہ بالکل تنہا رہ گیا۔ اس بیوی نے عدت گزار کر کسی دوسرے امیر آدمی سے نکاح کر لیا۔ ایک سال کا عرصہ گزر گیا اور پھر عید کا دن آیا۔ اور یہ عورت اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھی۔ خدا کی شان یہی عورت پچھلے سال کی عید کے دن پہلے خاوند کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔ اور آج اس عید کے دن دوسرے خاوند کے ساتھ بیٹھی کھانا کھاتی نظر آئی۔

اتفاق دیکھئے کہ ان کے دروازے پر بھی ایک فقیر آگیا۔ اور اس نے بڑی عاجزی سے

کہا کہ میں چار روز سے بھوکا ہوں۔ خدارا مجھے کھانا دیجئے۔ اس دوسرے شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ پہلے اس فقیر کو کھانا بھجواؤ۔ ہم پھر کھائیں گے۔ چنانچہ بیوی اٹھی اور اتفاقاً اس کی نظر دروازہ پر کھڑے ہوئے فقیر پر پڑ گئی۔ اور سے دیکھتے ہی چیخ مار کر گر گئی اور بے ہوش ہو گئی۔ شوہر دوڑا اور منہ پر پانی کے چھینٹے دے کر اسے ہوش میں لایا۔ اور اس سے پوچھا کہ تم بے ہوش کیوں ہو گئی۔ اور یہ کیا قصہ ہے؟ بیوی نے روتے ہوئے جواب دیا۔ یہ جو باہر فقیر کھڑا ہے۔ یہ پچھلے سال میرا شوہر تھا۔ اور میں اس کی بیوی۔ گذشتہ سال کی عید کے دن ہم دونوں کھانا کھا رہے تھے کہ ہمارے دروازے پر ایک فقیر آگیا۔ اس نے نشۂ دولت میں آکر اسے دھکے دے کر نکلوا دیا تھا۔ آج یہ اپنے اس غرور کی سزا بھگت رہا ہے کہ خود در بدر کی بھیک مانگ رہا ہے۔ شوہر بولا۔ اچھا یہ بات ہے۔ تو تو اللہ کی شانِ بے نیازی کا ایک اور بھی نظارہ کر لو مجھے پہچانو۔ میں کون ہوں؟ دیکھو میں وہی فقیر ہوں۔ جسے تمہارے خاوند نے دھکے دے کر نکلوا دیا تھا۔ خدا نے تمہارے خاوند کی جگہ مجھے بٹھا دیا ہے۔ اور میری جگہ تمہارے اس پہلے خاوند کو بٹھا دیا ہے۔

دوستو! دیکھا آپ نے اس دنیا کی ناپائیداری اور بے وفائی کو۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کُش!
کس مردار پہ تو بہکایا، دنیا دیکھی بھالی ہے

سلطان ابراہیم ابن ادھم کی حکایت

حضرات! دنیا میں انہماک اور مال و دولت میں محویت سے خدا کا پانا بہت مشکل ہے۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں سلطان ابراہیم بن ادھم کی حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بر سرِ تختے شنید آں نیک نام
طقطقے و ہائے ہوئے شب زبام

یعنی تخت پر لیٹے ہوئے سلطان ابراہیم نے کوٹھے پر رات کے وقت کھٹ پٹ اور شور و غل سنا ؎

گام ہائے تند بر بام سرا
گفت با خود ایں چنیں زہرہ کرا

گھر کے کوٹھے پر بہت زور سے قدم سنے تو اپنے دل سے کہنے لگے کہ اتنی مجال کس کی،
ہے مطلب یہ کہ ایک مرتبہ رات کو حضرت ابراہیم ابن ادھم شاہی مسند پر سو رہے تھے تو آدھی

نے چھت پر کسی کے پاؤں کی آواز سنی کہ خوب زور زور سے کھٹ پٹ کرتے۔ چھت پر پھر رہا ہے تو انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ ارے یہ کون ہے اور کس کی ہمت ہے کہ میں بادشاہ وقت ہوں اور پھر یہ رات کو اس طرح چھت پر بے دھڑک پھر رہا ہے ؎

بانگ زد بر روزن قصر او کہ کیست

ایں نباشد آدمی مانا پریست!

انہوں نے محل کی کھڑکی میں سے آواز دی کہ کون ہے یہ آدمی نہیں شاید جن ہے۔ ؎

سر فرو کردند قومے بوالعجب

ما ہمی گردیم شب بہر طلب!

ایک عجیب قوم یعنی فرشتوں نے سر لٹکایا۔ اور کہا کہ ہم رات کو تلاش میں پھر رہے ہیں حضرت سلطان ابراہیم نے دریافت کیا ؎

ہیں چہ مے جوئید گفتند اشتراں!

گفت اشتر بام بر کہ جست ہاں

کیا ڈھونڈ رہے ہو۔ تو وہ بولے کہ اونٹ ڈھونڈ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ارے اونٹ کو کوٹھے پر کس نے ڈھونڈا ہے۔ مطلب یہ کہ اونٹ کوئی کوٹھے پر بھی ڈھونڈتا ہے وہ یہاں کیسے مل سکتا ہے۔ بالکل بے جوڑ سی بات ہے ؎

پس بگفتندش کہ تو بر تخت وجاہ

چہ ہمی جوئی ملاقات الٰہ !

انہوں نے جواب دیا کہ تم جاہ و دنیا کے تخت پر خدا کی ملاقات کی کس طرح تلاش کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ اگر ہمارا اس جگہ اونٹ تلاش کرنا بے جوڑ ہے تو اسی طرح تمہارا تخت سلطنت اور مال و دولت میں رہ کر خدا کی تلاش کرنا بھی ایسا ہی بے جوڑ ہے۔ یہاں کوئی صاحب یہ شبہ نہ کریں کہ خدا کو پانے کے لئے تخت و تاج اور مال و دولت کا نہ ہونا ضروری ہے۔ نہیں یہ بات ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ دنیا وہ برتن ہے جس میں تم خدا کو بھول جاؤ اور اگر مال رہ کر خدا کی یاد دل میں بدستور قائم رہے۔ تو وہ دنیا بری نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بادشاہت تھی مقصود یہ ہے کہ تخت و تاج میں انہماک اور مال و دولت میں محبت یہ وصول حق کے خلاف ہے۔ غرض اس کے بعد حضرت سلطان ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ آپ نے تخت و تاج کو چھوڑ

کر یکسوئی کے ساتھ طلبِ حق شروع کر دی۔ اور پھر آپ اپنے مقصد میں اس حد تک کامیاب ہوئے کہ ایک خدائی پر آپ کی روحانی حکومت قائم ہوگئی۔ اور بحر و بر میں آپ کا روحانی سکہ چلنے لگا چنانچہ آپ ایک دن دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور اپنی پرانی گدڑی درست کر رہے تھے۔ اتفاقاً اس طرف سے آپ کا جو کبھی وزیر رہ چکا تھا۔ آنکلا۔ آپ کو اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور عرض کیا ؎

ترک کردہ ملک ہفت اقلیم را
میزند بر دلق سوزن چوں گدا

آپ ہفت اقلیم کی سلطنت کو ترک کر کے اب گدڑی کو فقیروں کی طرح سی رہے ہیں

؎ شیخ سوزن زود در دریا فگند
خواست سوزن را بآواز بلند!

حضرت ابراہیم ابن ادھم نے یہ بات سنکر اپنی سوئی دریا میں پھینک دی۔ پھر آواز دی۔ میری سوئی لاؤ"!

وہ وزیر یہ بات دیکھ کر دل میں کہنے لگا کہ لو یہ نئی بات اور سنو! بھلا سوئی دریا میں گری ہوئی کبھی واپس بھی ملی ہے؟ لیکن اس نے دیکھا کیا؟ مولانا فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں ماہی اللہے!
سوزنِ زر بر لبِ ہر ماہیے
سر برآوردند از دریائے حق
کہ بگیر اے شیخ سوزنہائے حق

ہزاروں مچھلیاں آپ کی آواز سنتے ہی اپنے مونہوں میں سونے کی سوئیاں لے کر آئیں اور باہر گردن نکال کر کہا۔ حضرت سوئی لیجئے"!

وہ وزیر یہ عجیب نظارہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پھر حضرت ابراہیم نے اُس وزیر کو دیکھا اور کہا۔ ؎

رو بدو کرد و بگفتش اے وزیر!
ملکِ حق بہ یا چنیں ملکِ حقیر

آپ نے اس وزیر کو دیکھ کر فرمایا۔ اب بتاؤ کہ یہ روحانی و حقانی بادشاہت اچھی

ہے یا وہ فانی بادشاہت ؟

دیکھا آپ نے ؟ حضرت ابراہیم بن ادھم نے خدا کی محبت میں کس دنیوی حکومت کو ترک فرمایا۔ تو خدا نے ان پر کس قدر انعام فرمایا کہ اب دریا کی مچھلیوں پر بھی حکم چلنے لگا۔

الغرض

میرے بھائیو! دنیا میں انہماک اور ناعاقبت اندیشی کو ترک کر دو اور اللہ کی یاد میں اپنے دن رات گزارو۔ اس دنیا میں رہو۔ لیکن اپنے خالق کو نہ بھولو — یہ دنیا فانی ہے۔ فانی چیز سے دل لگایا۔ تو نہ یہ چیز رہے گی۔ نہ تم رہو گے۔ رب باقی سے دل لگایا۔ تو اس کی یاد کے صدقہ میں تم بھی حیات ابدی حاصل کر لو گے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو بھی اور مجھے بھی اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائے اور اس دنیا کی ایسی محبت سے جس سے خدا فراموشی پیدا ہو بچائے۔

آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بارھواں وعظ

تکمیل اسلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا
اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (پ۴ ع۲)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے
ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان"۔

حضرات! اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب فرماکر، دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ ایک تو اس بات کا کہ خدا کا خوف اور ڈر پیدا کیا جائے۔ دوسرے

اس بات کا کہ مسلمان زندہ رہے تو مسلمان بنکر اور مرے بھی تو مسلمان ہی رہ کر گویا آیت مذکورہ میں، تقوے اور اسلام ان دو چیزوں کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

بھائیو! مسلمان کا ایمان ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق و مالک موجود ہے۔ جس نے سارے عالم کو پیدا فرمایا ہے۔ وہ بڑی طاقت کا مالک ہے۔ انسان کو اس نے چند روزہ عمر عنایت فرماکر اس دنیا میں بھیجا ہے۔ اور اس کی ہدایت کے لئے اپنے آخری رسول حضور سیدالانبیاء محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ جو خدا کی آخری کتاب قرآن پاک ساتھ لائے ہیں اللہ نے اس آخری رسول وآخری کتاب کے ذریعہ انسان کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ خدا کی مرضی کیمطابق اپنی چند روزہ زندگی گذار دے تاکہ خدا اس پر راضی ہو۔ اور اس کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھائے تاکہ وہ ناراض نہ ہو۔ اور اس حقیقت کا اعلان فرما دیا ہے کہ اس چند روزہ عمر کے بعد موت آنے والی ہے۔ اور مرنے کے بعد اپنے خالق کے حضور پیش ہو کر اپنی عمر کے ایک ایک دن کا حساب دینا پڑے گا۔ بھائیو! جب یہ حقیقت ہے اور مسلمان کا اس حقیقت پر ایمان ہے۔ تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی اس مختصر سی عمر میں کوئی ایسا کام نہ کرے۔ جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔ اور کل قیامت کے دن جس کی وجہ سے ندامت اٹھانی پڑے۔ اور سزا بھگتنی پڑے۔ اللہ کے حضور پیش ہونے کے خیال سے ہر وقت اللہ سے ڈرتا رہے۔ اور کوئی لمحہ ایسا نہ گذارے جس میں خدا کا خوف شامل حال نہ ہو۔ خدا تعالےٰ نے آیت مذکورہ میں پہلے اسی بات کا ارشاد فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔ جیسا ڈرنے کا حق ہے۔

کمالِ تقویٰ

"جیسا ڈرنے کا حق ہے" اس جملہ سے کمال تقویٰ کا درس دیا ہے۔ یعنی برائے نام ڈرنا نہ ہو۔ بلکہ پورا پورا اور کامل طور پر ڈرنا پایا جائے۔ جیسے کسی کمرہ صاف کرنے والے سے کہا جائے۔ دیکھو میاں! کمرہ ایسا صاف کرنا جیسا صاف کرنے کا حق ہے۔ یعنی کمرہ میں کوئی تنکا تک باقی نہ رہ جائے۔ یا جیسے کوئی جنٹلمین نائی سے یوں کہے دیکھو میاں داڑھی یوں مونڈنا جیسے داڑھی مونڈنے کا حق ہے۔ یعنی چہرے پر ایک بال بھی نظر نہ آئے۔ چنانچہ داڑھی منڈانے والے جنٹلمینوں کے رخ دیکھ لیجئے کیا کوئی ایک بال بھی نظر آتا ہے؟ داڑھی کا یا مونچھ کا؟ بالکل نہیں۔ بالکل صاف اور فارغ البال" ۔

ابھی نجریت ہے کہ کوئی بانخوارہ ہے　　　مردوں بھی نہ رکھا جس نے داڑھی کا پتہ باقی

مریدوں پر جو پھیرا دستِ شفقت پیر نیچر نے　نہ رکھا دونوں گالوں پر پتا بھی بال کا باقی
پھر لطف یہ کہ منہ پر "اک بال" بھی نہیں اور مانگتے اقبال ہیں۔ میں نے ایک رباعی میں لکھا ہے ۔

اقبال نہیں ملتا جو تجھے کچھ ضد ہیں تجھ سے قدرت کو
اقبال کے قابل ہی لیکن اب تیرے رہے اعمال نہیں
ہر بال سے ہو اسلام عیاں پھر کیوں نہ ملے اقبال تجھے
اقبال کی رٹ ہے منہ سے بہت چہرے پہ مگر اک بال نہیں

الغرض کسی بات کو کماحقہٗ کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ اسے کامل طور پر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے کہ ڈرو اللہ سے جیسا ڈرنے کا حق ہے۔ یعنی کامل طور پر ڈرو۔

علماء کرام

میرے بزرگو! خدائے برتر و توانا سے خوف و خشیت ایک بہت بڑی اہم چیز ہے۔ اور یہ چیز علم والوں میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتا ہے کہ

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (پ ۲۲ ع ۱۶)۔

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں

دیکھ لیجئے۔ خدا خود اس بات کا اعلان فرما رہا ہے کہ علماء کرام خدا سے ڈرنے والے ہیں مگر افسوس کہ آج طبقہ جہلا علماء کرام پر پھبتیاں کستا ہے اور علماء کرام کو برا بھلا کہتا ہے حالانکہ خدا سے ڈرنے والے یہی لوگ ہیں اور خشیت الٰہی انہی کا حصہ ہے اور یہی لوگ ہیں جو دوسرں کو اللہ سے ڈرنے کا درس دیتے ہیں۔ مگر ظالم اور بے خوف لوگ جب اللہ ہی سے نہیں ڈرتے پھر کیوں نہ علماء کرام کو برا بھلا کہیں۔

میرے بزرگو! یہ جو آجکل بلیک۔ رشوت۔ سود۔ غبن۔ بدمعاشی۔ عیاشی۔ بداخلاقی و فحاشی اور عریانی عام ہے یہ سب خدا سے نہ ڈرنے کے نتائج بد ہیں۔ اور آپ تجربہ کر لیجئے کہ ان سب امور کا ارتکاب وہی کرتے ہیں جو عالم نہیں ہیں۔ "مولوی" خدا کے فضل سے کبھی فحاشی و عیاشی میں سر پڑا ہے نہ پڑے گا۔ کیا کبھی آپ نے کسی مولوی کو بھی اپنی بیوی کو ننگے منہ پھرلاتے اپنے دوستوں سے ملاقات کراتے اور کلب میں نچاتے دیکھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو شایانِ شان مسٹر ہی ہے۔ جس کے متعلق میں نے ایک نظم میں لکھا ہے ۔

اُدھر وائف رہی شب بھر کلب میں!　اِدھر صاحب رہے گھر میں اکیلے

وہی لڑکی تہذیب آج کل ہے ! جو دیکھے کھیل اور پو نو بھی کھیلے!

لطیفہ میں جس زمانہ میں راولپنڈی آرسنل میں خطیب تھا. ایک شب مری روڈ پر تقریر کر رہا تھا کہ ایک رقعہ آیا جس میں لکھا تھا کہ اس محلہ میں ایک نوجوان کنواری لڑکی ہے. جو آرسنل میں ملازم ہے اور ہر روز بن ٹھن کر بے حجاب آرسنل میں جاتی ہے۔ اس کے متعلق بھی کچھ کہیں۔ میں نے یہ رقعہ پڑھ کر کہا کہ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ اس لڑکی کا نکاح کر دیا جائے۔ مگر کسی مولوی کے ساتھ کیا جائے کسی آزاد خیال مسٹر سے نہیں۔ اس لئے کہ مولوی تو اس کا کفیل بن کر اسے ملازمت سے ہٹا لے گا۔ اور اسے بے حجاب نکلنے نہ دے گا۔ اور اگر کسی مسٹر سے کیا۔ تو بات ویسی کی ویسی ہی رہے گی۔ اس لئے کہ مسٹر اپنی آزاد خیال اور بے حجاب وائف پر فخر ہی کرے گا۔ اور اسے بے حجاب نکلتے اور تنخواہ لاتے دیکھ کر خوش ہی ہو گا. تو اس کا واحد علاج یہی ہے کہ اسے کسی مولوی کی بیوی بنا دیا جائے۔

میرے دوستو! علماء کرام کا دل میں وقار پیدا کرو۔ اور اس مادر پدر آزادی سے بچو۔ اور خوب یاد رکھو کہ علماء کرام کے دشمن اپنی عریانی و فحاشی کی راہ میں "مولوی" کو ایک روڑا سمجھتے ہوئے اسے مٹا دینے کے درپے ہیں۔ مگر انشاء اللہ یہ لوگ اس ناپاک مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ علماء کرام کے دلوں میں خدا کا خوف ہے۔ اور خدا کی رحمت ان کے شامل حال ہے۔ اہل حق کو مٹانے والے خود ہی مٹ جائیں گے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

اسلاف کا خوف حضرات! اپنے بزرگوں کو دیکھئے۔ ان کے دلوں میں کس قدر خوفِ خدا تھا۔ اور وہ کس طرح ہر وقت اپنے اللہ سے ڈرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی :۔

اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِیْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ ہے اور کھانا ہے گلے میں اٹکنے والا اور عذاب ہے دُکھ دینے والا۔"

حضرت عمران رضی اللہ عنہ یہ آیت سن رہے تھے۔ خدا کا خوف طاری ہوا اور غش کھا

کر گر گئے۔ اور انتقال فرما گئے (اخلاق الصالحین) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سورۃ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ کو پڑھنا شروع کیا۔ جب وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ پر پہنچے۔ تو غش کھا کر گر پڑے۔ اور بہت دیر تک زمین پر لیٹتے رہے۔ (اخلاق الصالحین)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فجر کی نماز پڑھائی۔ تو آپ نے سورۃ یٰسین پڑھی اور جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ اِنْ کَانَتْ اِلَّا صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا ھُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ۔ تو ان کا شاگرد علی رحمۃ اللہ علیہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اور سورج طلوع ہونے تک انہیں ہوش نہ آیا۔ (اخلاق الصالحین)

زرارہ بن اوفیٰ نے فجر کی نماز پڑھی اور فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ پڑھتے ہوئے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اور وصال پا گئے۔ بعض سلف جب آگ دیکھتے یا چراغ جلاتے تو جہنم کو یاد کر کے صبح تک روتے رہتے (اخلاق الصالحین) امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو ہنستے ہوئے دیکھا۔ تو اس سے پوچھا کہ اے جوان! کیا تو پل صراط سے گزر چکا ہے؟ اس نے کہا۔ نہیں۔ پھر فرمایا کیا تجھے علم ہے کہ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے یا جنت؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا۔ پھر یہ ہنسنا کیسا؟ اس کے بعد وہ شخص پھر کبھی نہ ہنسا۔ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے میں اپنی ناک ہر روز کئی مرتبہ اس خوف سے دیکھتا ہوں کہ میرا منہ سیاہ نہ ہو گیا ہو۔ حضرت یزید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر و بن العزیز رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ تو حضرت عمر و بن العزیز نے فرمایا۔ مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ فرمایا اے امیر المومنین! تو وہ پہلا خلیفہ نہیں ہے۔ جو مرے گا۔ یعنی تجھ سے پہلے بھی کئی خلفاء انتقال کر گئے۔ اور تو بھی انتقال کر جائے گا۔ حضرت عمر و بن العزیز نے رونا شروع کیا۔ اور کہا کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا کہ تیرے اور آدم علیہ السلام کے درمیان تیرے آباء میں سے کوئی زندہ نہیں رہا۔ عمر و بن العزیز اور بھی زیادہ روئے اور کہا کچھ اور بھی فرمایئے۔ فرمایا جنت اور دوزخ کے درمیان کوئی اور مقام نہیں۔ یعنے یا جنت یا دوزخ۔ اس پر حضرت عمر و بن العزیز اس قدر روئے کہ غش کھا کر گر پڑے (اخلاق الصالحین)

اللہ اکبر! یہ تھے ہمارے اسلاف عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ بھائیو! ان پاک لوگوں کے خوف و خشیت کو دیکھو اور پھر سوچو کہ کیا تمہیں بھی کبھی آیات عذاب سن کر رونا آیا ہے۔ کبھی خوف خدا سے غش آیا ہے۔ کبھی کلام سنکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوئے ہیں؟ اگر نہیں تو بھائیو! اپنی قساوت قلبی کا علاج کرو۔ اور اللہ کے کسی مقبول بندے

کی غلامی اختیار کرو۔

سلطان الاعضاء دل

میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو. آج جو خدا کی نافرمانی ہو رہی ہے اور بے خوف انسان اپنے ہاتھ پاؤں. آنکھوں اور کانوں سے خدا کی نافرمانی کر رہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ کہ دل میں خدا کا خوف نہیں۔ یہ دل تمام اعضاء کا بادشاہ ہے اور ہاتھ پاؤں آنکھ کان وغیرہ سب اعضاء اس کے گویا لشکری و سپاہی ہیں سب اعضاء اسی کی مرضی دیکھ کر اپنا اپنا کام کرتے ہیں اور اسی کی مرغوب چیز کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ دیکھیے مثلاً شاہ دل اگر سیب کھانا چاہے تو فوراً سب کے سب لشکری اپنے بادشاہ کی خواہش کی تکمیل کے لئے آمادہ کار ہو جاتے ہیں۔ پاؤں بازار کو دوڑتے ہیں۔ آنکھ سیب کو دیکھتی ہے۔ زبان اس کا سودا کرتی ہے۔ ہاتھ اس کو پکڑ کر منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ دانت اسے چبا کر۔ پھر حلق کر دیتے ہیں۔ اور حلق اسے نگل کر اپنے بادشاہ کی مرضی پوری کر دیتا ہے اور اگر ایسی چیز جو چاہے لذیذ بھی ہو۔ دل پسند نہ کرے اور کھانا نہ چاہے تو آنکھ اسے دیکھتی بھی نہیں۔ ہاتھ اس کی طرف بڑھنے سے انکار کر دیتے ہیں منہ بند ہو جاتا ہے۔ گویا سب لشکری اس سے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ سلطان دل اگر کسی شئے سے ڈرنے لگے۔ تو اس کے سب لشکری بھی اس شئے سے ڈرنے لگتے ہیں۔ اور اگر یہ جرأت سے کام لے تو ساری فوج بھی دلیر ہو جاتی ہے۔ مثلاً دل اگر سانپ کو دیکھ کر ڈرنے لگے تو پاؤں سانپ کی طرف اٹھنے سے انکار کر دیں گے۔ آنکھ اسے دیکھنے سے بیزار ہو جائے گی۔ ہاتھ میں ہمت نہ رہے گی کہ کوئی پتھر اسے دے مارے اور اگر دل بے خوف ہو تو پھر دیکھئے۔ آنکھ سانپ کو دیکھتی ہے گی۔ پاؤں فوراً اس کی طرف دوڑیں گے اور ہاتھ کسی پتھر سے اس کا سر کچل دیں گے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کا اظہار اس ارشاد میں فرمایا ہے کہ آدمی کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ایسا ہے کہ اگر وہ سنور جائے تو سارا بدن سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ اور وہ دل ہے۔

ارشاد رومی

اور مولانا رومی نے اس حقیقت کا اظہار ان شعروں میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

شہ چوں حوضے داں حشم چوں لولہا
آب از لولہ رود در کولہا !

یعنی یہ شاہ دل ایک حوض ہے۔ اور اس کا لشکر اعضاء اس کی ٹونٹیاں ہیں۔ اور

حوض کا پانی انہیں ٹونٹیوں سے گڑھوں میں گرتا ہے ؎

چونکہ آب جملہ از حوضے است پاک!
ہر یکے آبے دہد خوش ذوق ناک!

حوض کا پانی اگر صاف و پاک ہے تو ہر ٹونٹی سے بھی پانی صاف و پاک ہی بہیگا۔ ؎

ور دراں حوض آب شور است و پلید!
ہر یکے لولہ ہماں آرد پلید!!

اور اگر حوض کا ناپاک ہے تو ہر ٹونٹی ناپاک پانی ہی دے گی۔

حاکم ملک اور اسکے کارندے

مولانا کے ان اشعار کی یہ تشریح بھی ہوسکتی ہے کہ ملک کا حاکم ایک حوض ہے اور اس کے ارکان دولت ٹونٹیوں کی مانند ہیں اس حوض یعنی حاکم ملک کے اخلاق کا پانی پہلے ان ٹونٹیوں یعنے ارکان دولت کو پھر ان ٹونٹیوں سے رعایا کو ملتا ہے۔ لہذا حاکم اگر حسن اخلاق کا ٹک شریعت مصطفویہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا پابند اور اسلام کا گرویدہ و غلام ہے۔ تو لامحالہ اس کے ارکان سے بھی رعایا اسی حسن اخلاق اور اسلامی سیرت و کردار ہی کی صاف و شفاف دھاریں بہتی پائے گی اور اگر اس کا حوض دہی یورپ کے گندے پانی کے نل سے بھرا ہوا ہوگا تو یقیناً عمال سلطنت کی ہر ٹونٹی سے بھی وہی ناپاک قطرے بہیں گے یہی باعث ہے کہ عہد اسلامی کے زریں دور کے خلفائے عظام کی مقدس سوانح حیات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان اللہ والوں کے دور حکومت میں ملک کا ہر کارندہ خدا ترس اور رعایا پرور تھا۔ وہ لوگ کسی قسم کے جور و ستم جبر و ظلم سے واقف تک نہ تھے۔ اسلامی کردار و گفتار کے حامل، اور اسلام پر پورے پورے عامل تھے۔ اور یہی حال رعایا کا بھی تھا۔ وہ دین و دنیا میں خوشحال و دینی و دنیوی دولت سے مالامال تھے یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ حوض ان کا میرا ایمان و اسلام کا مظہر و بنا ہوتا تھا۔ مگر اس برعکس، دور میں "وزیرے چنیں شہریارے چناں" کے مصداق اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تک معاملہ ہی برعکس ہے۔ موجودہ یورپین تہذیب نے دنیا کے حوضہائے حکومت کچھ ایسے گندے اور ناپاک پانی سے بھر دیئے ہیں کہ ہر چھوٹی بڑی ٹونٹی سے گندے اور ناپاک پانی ہی بہتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

دل میں خدا کا خوف

حضرات! میں یہ کہہ رہا تھا کہ دل تمام اعضا کا بادشاہ ہے اور اعضاء سب اس کے لشکری ہیں۔ اور بادشاہ جس چیز سے ڈرے لشکری بھی

اس سے ڈرتے ہیں۔ لہٰذا دل میں اگر خدا کا خوف پیدا ہو جائے۔ تو سارے اعضا بھی اللہ سے ڈرنے لگیں گے۔ اور یہ ہاتھ پاؤں وغیرہ کبھی کوئی خلاف شرع حرکت کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے اور اگر دل خدا کے خوف سے خالی ہوگا۔ تو سارے اعضا بھی خلاف شرع حرکات کرنے سے نہیں ڈرینگے اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہوگا۔ خدا تعالیٰ ساری خدائی کے دل میں اسکا خوف پیدا فرما دیگا۔ یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ ساری خدائی اس سے ڈرتی ہے۔ چنانچہ حیوٰۃ الحیوان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ لکھا ہے کہ آپ شہر میں سے گذر رہے تھے تو آپ نے بازار میں ایک ہجوم دیکھا۔ وجہ دریافت فرمائی تو پتہ چلا کہ ایک شیر جنگل سے آکر راستے میں بیٹھ گیا ہے۔ اٹھتا نہیں ہے اور لوگ ڈر کے مارے آگے نہیں جاتے حضرت عبداللہ بن عمر آگے بڑھے اور شیر کے پاس پہنچکر اس کے کان پکڑ لئے اور فرمایا: اٹھ اور جنگل میں چلا جا۔ تجھ سے وہ ڈرے جو خدا سے نہ ڈرے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ شیر اٹھا اور واپس جنگل میں چل گیا۔ بزرگو! ایک تو وہ مسلمان تھے اور ایک ہم بھی ہیں۔ جو چوہے سے بھی ڈر جاتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ دل میں خدا کا خوف نہیں ہے۔ اس کا خوف نکلا تو ہزاروں خوف سما گئے ؎

ڈرنا ہے تو ایک اللہ سے ڈر ۔۔۔ مرنا ہے تو اس کی راہ میں مر

رکھ اس کی رضا پر اپنی نظر! ۔۔۔ پھر ساری یہ دنیا تیری ہے!

آزادی

افسوس آج اللہ سے بے خوفی کا نام لوگوں نے آزادی رکھ لیا ہے۔ یعنی خدا کے حکم سے بے خوف ہو کر جو جی میں آئے آزادی سے کرو۔ یہ آزادی ہے۔ حالانکہ یہ آزادی سراپا بربادی ہے۔ آزاد وہ لوگ تھے۔ جو گرفتار خوفِ حق اور بہ غم آخرت تھے۔ اُن پاک لوگوں کے قلوب میں صرف اللہ کا خوف تھا۔ اور دنیا اور اس کے ماسوا سے وہ یکسر بے نیاز تھے۔ انہیں لوگوں کے لئے اللہ نے لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ فرمایا ہے۔ آج ذرا غور تو فرمائیے۔ کونسا دل ہے جو مطمئن ہے۔ ہر دل میں خوف ہے کہ خدا جانے کل کیا ہوگا؟ جنگ کا خوف۔ قحط کا خوف۔ سیلاب کا خوف۔ بیماریوں کا خوف۔ نقصان و اتلاف جان کا خوف۔ مگر جو اللہ والے ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف ہے۔ وہ ہر حال میں مطمئن ہیں۔ ع

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور آئینہ چینی

دیکھئے آج ہمیں مال دنیا حاصل نہ ہو تو غم۔ اور اگر مل جائے تو اس کے چلے جانے کا خوف۔ کسی

پہلو اطمینان نہیں۔ مگر اللہ والوں کا یہ عالم ہے کہ دنیا نہ آئے تو کوئی غم نہیں اور آ کر چلی جائے تو کوئی فکر نہیں۔ چنانچہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک مرید نے ہزاروں روپیہ کی قیمت کا ایک چینی آئینہ بھیجا۔ حضرت نے اسے قبول فرما کر ایک خادم سے فرمایا۔ اسے رکھ دو۔ خادم کے ہاتھ سے اتفاقاً وہ آئینہ چھوٹ گیا اور ٹوٹ گیا۔ اور وہ ڈرتے ڈرتے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ ع

از قضا آئینۂ چینی شکست!

یعنے حضور وہ چینی آئینہ تقدیراً میرے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹوٹ گیا ہے۔ حضرت غوث اعظم نے جواب دیا۔ ع

خوب شد اسبابِ خود بینی شکست

یعنے بہت اچھا ہوا۔ خود بینی کا ذریعہ ٹوٹ گیا۔ یعنی میں خدا بین ہوں اور یہ آئینہ انسان کو اپنا آپ دکھاتا ہے۔ بڑا اچھا ہوا کہ اپنے آپ کو دیکھنے کا ایک سبب جاتا رہا۔ دیکھا آپ نے؟ اتنے بڑے قیمتی آئینے کے نہ آنے کی خوشی اور نہ جانے کا غم۔ ہم چونکہ ایک روپیہ بھی آجائے تو خوش ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر وہ گم ہو جائے۔ تو خوشی کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ تو میرے دوستو! "آزادی" کے حامل تو وہ لوگ تھے۔ یہ ہماری آزادی ایک برائے نام آزادی ہے۔ ورنہ ہزاروں مصائب و آلام کے ہم اسیر ہیں اور یہ مصائب و آلام ہمارے اعمالِ بد کا نتیجہ ہیں۔ اور اعمالِ بد خدا کا خوف نہ ہونے کے باعث ہیں۔

مولوی آزادی کے مخالف نہیں

حضرات علماء کرام آزادی کے مخالف نہیں ہیں۔ مگر ایسی آزادی کو جس میں اللہ و رسول کے احکام سے آزادی مل جائے یقیناً وہ برا سمجھتے ہیں۔ آزادی یا ترقی پانے کے لئے مسلمان کے لئے بہرحال سب سے پہلے اسیر شرع ہونا ضروری ہے اور اگر دین و مذہب ہی نہ رہا تو پھر کفار کی برائے نام آزادی و ترقی اور مسلمان کی آزادی و ترقی میں فرق کیا رہا؟

یہ دنیاوی عہدے کس کام کے جبکہ دینی کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
پھر اسکی کیا خوشی کوئی ڈپٹی ہے کوئی جج ہے!

عاقبت کا خوف

مسلمان تو اس دور آزادی میں لگ عاقبت کے خوف سے بھی آزاد ہو چکے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہمارے اسلاف دل میں عاقبت کا خوف رکھتے تھے۔

سلیمان علیہ السلام اور ہدہد

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کا قصہ قرآن پاک میں مذکور ہے کہ جب ایک مرتبہ اپنی بھری کچہری میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو غیر حاضر پایا تو بڑے جلال میں آکر آپ نے فرمایا۔

مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ (پ ۱۹ ع ۱۷) کیا ہوا کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا۔ یا واقعی وہ حاضر نہیں۔ ضرور میں اسے سخت عذاب کروں گا۔ یا ذبح کر دوں گا۔ یا کوئی روشن سند میرے پاس لائے"

یہ فرما کر پھر عقاب کو حکم دیا کہ وہ اڑ کر دیکھے کہ ہدہد کہاں ہے۔ چنانچہ عقاب اڑا اور بہت اوپر پہنچ کر ساری دنیا کو اس طرح دیکھنے لگا جس طرح آدمی اپنے ہاتھ کے پیالے کو دیکھتا ہے حضرات! یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ بلکہ کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ دمیری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب حیوۃ الحیوان کی دوسری جلد کے صفحہ ۲۰۵ پر صاف یوں لکھا ہے کہ

فَارْتَفَعَ فِی الْهَوَآءِ فَنَظَرَ اِلَی الدُّنْيَا كَالْقَصْعَةِ فِیْ يَدِ الرَّجُلِ۔ یعنی عقاب ہوا میں اتنا بلند ہوا کہ ساری دنیا کو اس طرح دیکھنے لگا جس طرح آدمی اپنے ہاتھ کے پیالے کو دیکھتا ہے"

میرے بھائیو یہ ایک جانور کی نظر ہے۔ پھر جو شخص انبیاء و اولیاء کرام کی وسعت نظر کا انکار کرے اور خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ حضور کو (معاذ اللہ) دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہ ہوتی تھی۔ تو ایسے گمراہ کی گمراہی اور کم نظری کا آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے ہمارا تو ایمان ہے کہ یہ دنیا ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے اور آپ ساری دنیا کو یوں ملاحظہ فرما رہے ہیں جیسے اپنے کف دست کو۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر

نے ساری دنیا میرے لئے اٹھائی اور میرے سامنے کر دی۔ فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ۔ (مواہب لدنیہ)

پس میں ساری دنیا کو اور اس میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے ان سب امور کو اس طرح دیکھ رہا ہوں۔ جس طرح اپنی اس ہتھیلی کو۔"

علامہ زرقانی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

اِنَّہٗ نَظَرٌ حَقِیْقَۃً دُفِعَ بِہٖ اِحْتِمَالُ اِنَّہٗ اُرِیْدَ بِالنَّظَرِ الْعِلْمُ (شرح المواہب ص۲۳۴ ج ۷) یعنی حضور نے واقعی اور حقیقی طور پر ساری دنیا کو دیکھا اور یہ خیال و احتمال کہ دیکھنے سے مراد صرف علم ہے مدفوع و مردود ہے۔"

اس حدیث سے صاف صاف یہ بات ثابت ہو گئی کہ ساری دنیا اور اس میں جو کچھ ہونے والا ہے۔ ہمارے حضور کے سامنے ہے۔ اور حضور واقعی اور حقیقی طور پر سب دنیا و ما فیہا کو دیکھ رہے ہیں۔

اولیاء کی نظر

میرے بھائیو! یہ تو حضور کی بات ہے حضور کے صدقہ میں اولیاء کرام کی نظر میں اتنی وسعت ہے کہ یہ ساری دنیا ان کے سامنے مثل اس دستر خوان کے ہے جو سامنے بچھا ہوا ہے۔ اور جس کی ہر شے نظروں کے سامنے ہو۔ چنانچہ حضرت جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ می فرمودند کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ والرضوان ے گفتہ اند کہ زمین در نظر ایں طائفہ چوں سفرہ ایست و ما می گوئیم چوں روئے ناخن است ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست۔" (نفحات الانس ص۳۹۴) یعنی حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ یہ زمین اولیاء کرام کی نظر میں مثل دستر خوان کی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ مثل ناخن کی ہے۔ کہ کوئی چیز بھی ان کی نظر

سے غائب نہیں"

بایزید علیہ الرحمتہ کی نظر

میرے بزرگو! یہ زمانہ جو برائے نام روشنی کا زمانہ ہے دراصل تاریکی وظلمت کا زمانہ ہے۔ انبیاء و اولیاء کرام کی وسعت نظر ایک مسلم حقیقت ہے مگر افسوس کہ اس نئی روشنی کے دور میں اس مسلم حقیقت کا انکار کیا جارہا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اولیاء کرام کی وسعتِ نظر کا یہ عالم ہے کہ ساری دنیا ان کے سامنے ہے اور نہ صرف یہی دنیا بلکہ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

لوحِ محفوظ است پیش اولیاء　　　ازچہ محفوظ است محفوظ از خطا!

یعنی لوحِ محفوظ جس میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے۔ ان اولیاء کرام کے ہر وقت سامنے رہتی ہے" تو فرمایئے جنکی نظروں کے سامنے لوحِ محفوظ رہے۔ اُن سے کیا چیز غائب رہ سکتی ہے۔ ان اولیاء کرام کی شان اور ان کی وسعتِ نظر دیکھنے کے لئے حضرت بایزید علیہ الرحمتہ کا قصہ بھی ملاحظہ فرمایئے یہ واقعہ مولانا رومی علیہ الرحمتہ نے مثنوی شریف میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید علیہ الرحمتہ نے اپنے مریدوں میں حضرت ابوالحسن خرقانی کی ولادت سے پہلے ہی کئی سال ان کی ولادت کی خبر دے دی تھی اور فرمایا تھا کہ مجھے سرزمین خاقان سے ابوالحسن کی خوشبو آرہی ہے اور پھر نہ صرف یہ کہ حضرت ابوالحسن خرقانی کی پیدائش ہی کی قبل از وقت خبر دے دی۔ بلکہ ان کی شکل وصورت اور رنگ اور نام کی بھی اطلاع دے دی۔ چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

گفت زیں سو بوئے یارے می رسد
کاندریں دہ شہر یارے مے رسد!

یعنے بایزید نے فرمایا کہ مجھے اس (خرقان کی) طرف سے یار کی خوشبو آرہی ہے اس قصبہ سے ایک شہریار پیدا ہونے والا ہے ؎

بعد چندیں سال مے زائد شہے!
مے زند بر آسماں باخرگہے!!

اور اتنے سالوں کے بعد وہ پیدا ہوگا"۔ گویا میعاد بتا کر سنہ ولادت کی بھی خبر دے دی ؎

چیست نامش گفت نامش بوالحسن
حلیہ اش واگفت زابرو و ذقن!

نام پوچھا گیا۔ تو فرمایا۔ اس کا نام ابوالحسن ہوگا۔ اور پھر ان کا سارا حلیہ بھی مکمل طور پر

بیان فرما دیا ؎ قد او و رنگ او و شکل او

یک بیک وا گفت از گیسوئے او

ان کا قد، ان کا رنگ اور شکل اور گیسو یک بیک بات صاف صاف بیان فرما دی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ مریدوں نے حضرت بایزید کی یہ باتیں لکھ لیں۔ اور وہ سنہ و تاریخ بھی لکھ لی۔ چنانچہ فرمایا ؎ برنوشتند آں زماں تاریخ را

از کباب آراستند آں سیخ را

یعنی مریدوں نے سنہ اور تاریخ سب کچھ لکھ لیا ؎

چوں رسید آں وقت واں تاریخ راست

زاں زمین آں شاہ پیدا گشت و خاست

جب وہ زمانہ اور تاریخ آئی تو بالکل اسی خبر کے مطابق اس سرزمین سے ابو الحسن پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

لوحِ محفوظ است پیش اولیاء

از چہ محفوظ است محفوظ از خطاء

یعنی وہ لوح محفوظ جو ہر خطا سے محفوظ ہے اور جس میں ساری دنیا کی اور غیب کی باتیں لکھی ہیں، وہ ہر وقت ان اولیاء کرام کے سامنے رہتی ہے۔ پھر ان سے کوئی چیز چھپی کیسے رہے؟

حضرات! پوچھو ان شرک و بدعت کے تقسیم کرنے والوں سے کہ اب کیا کہتے ہو مولانا رومی کے حق میں؟ جنہوں نے یہ غیب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے لئے بھی ثابت فرما دیا اور حضرت بایزید کا واقعہ لکھ کر یہ ظاہر کر دیا۔ کہ حضور تو حضور ہیں۔ آپ کے صدقہ میں آپ کے غلاموں کی یہ شان ہے کہ آنے والی باتوں کو وہ حرف بحرف اور ہو بہو جانتے ہیں۔ ذرا غور تو فرمائیے کہ حضرت ابو الحسن ابھی شکم مادر میں بھی نہیں آئے۔ اور حضرت بایزید ان کی پیدائش کی خبر دے رہے ہیں۔ اور نہ صرف ان کی پیدائش کی خبر بلکہ ان کے شہر کی ان کے حلیہ و نام کی بھی خبر دے رہے ہیں۔ بھائیو! جس ذات بابرکات کے غلاموں کا یہ علم ہے۔ اس ذات بابرکات علیہ افضل التحیات کے اپنے علم کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ جس کے غلاموں کے سامنے لوح محفوظ رہتی ہو اس کی نظر سے کوئی چیز غائب کیسے رہ سکتی ہے؟ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے ؎

دلِ فرش پہ ہے تری نظر، سرِ عرش پہ ہے تری گذر!
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

بتائیے! یہ اولیاء کرام کے تمام علوم حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے علم پاک کی شاخیں ہیں اور بقول شاعر" اسی دریا سے یہ نہریں ہوئیں سب جاری ساری" یہ سب علوم اسی دریائے علم کی نہریں ہیں۔ پھر آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ جو گستاخ حضور ہی کے علم پاک کے منکر ہیں اور علم غیب مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلیم نہیں کرتے۔ کس قدر جاہل اور دشمن حق ہیں اور حقیقت سے بے خبر ہیں۔

محمد آدمی کے دل کی باتیں جان جاتے ہیں

ایک روایت یاد آئی۔ جو تفسیر مظہری کے صفحہ ۲۰۷ جلد دوم نبوت کے ثبوت پر موجود ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں سے تاوان طلب فرمایا۔ تو ان قیدیوں میں حضور علیہ السلام کے چچا حضرت عباس بھی تھے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے چچا سے بھی تاوان طلب کیا۔ تو چچا نے جواب دیا۔ لَقَدْ تَرَكْتَنِي نَفِيرَ قَوْمِي۔ یعنی آپ نے مجھے عمر بھر اس حال میں چھوڑا تھا۔ کہ میں ساری قوم سے غریب تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ چچا! اور وہ جو تم اپنی بیوی ام فضل کو علیحدگی میں سونے کی ڈلیاں دے کر آئے ہو سے

وہ سب دولت جو ام فضل کی تحویل میں ابتک
یہ جرمانہ ادا کر دو، چھپاؤ گے بھلا کب تک!
جناب حضرت عباس پر سکتہ ہوا طاری
کہ پیغمبر تو رکھتا ہے دلوں کی بھی خبرداری،
خیال آیا مسلماں نیک و بد پہچان جاتے ہیں
محمد آدمی کے دل کی باتیں جان جاتے ہیں!
پکار اٹھا بعالم وجد میں ایمان لے آیا!
بجا ہے، راست ہے جو کچھ رسول اللہ نے فرمایا

یہ دیکھئے حضرت عباس نے آتے وقت علیحدگی و پوشیدگی میں جو سونے کی ڈلیاں اپنی بیوی کو دیں وہ سب حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر عیاں ہو گئیں۔ تو فرمائیے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دلوں کے بھید کی چیزوں سے بے خبر بتانے والے کس قدر خود ہی بے خبر اور

گمراہ ہیں۔ ؎

یا رسول اللہ! تو دانائے ماکان او رمایکون ہے

مگر بے خبر، بے خبر دیکھتے ہیں

ہدہد کا قصہ

ہاں میں کہہ یہ رہا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو نہ پا کر جب، عقاب کو پتہ لانے کے لئے بھیجا اور عقاب اڑا۔ تو اس نے ہدہد کو یمن کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا عقاب فوراً اس کے پاس پہنچا۔ وہ کہا تیری ماں تجھے روئے، اپنی فکر کرلو۔ اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام نے تمہارے لئے قسم کھائی ہے۔ کہ میں ہدہد کو سخت سزا دونگا"

ہدہد نے ڈرتے ہوئے کہا اور اللہ کے نبی نے اس قسم میں کسی بات کا استثنا بھی فرمایا ہے یا نہیں؟ عقاب نے کہا۔ ہاں فرمایا ہے کہ یا کوئی روشن سند میرے پاس لائے" ہدہد نے کہا تو پھر میں نجات پا گیا۔ میں ان کے لئے ایک بہت بڑی خبر لایا ہوں۔ پھر عقاب اور ہدہد دونوں بارگاہ سلیمانی میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمان نے جلال میں آکر فرمایا۔ ہدہد کو حاضر کرو۔

ہدہد بچارہ اپنی دم نیچے کئے ہوئے زمین پر ملتا ہوا اللہ کا نپتا ہوا حضرت کے قریب آیا۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ اس وقت ہدہد نے کہا۔

اُذْکُرْ وُقُوْفَکَ بَیْنَ یَدَیِ اللہِ۔ حضور! اللہ کے سامنے اپنی حاضری کو بھی یاد کر لیجئے"

ہدہد کا اتنا کہنا تھا کہ اللہ کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات سن کر ایک دم ہدہد کو چھوڑ دیا اور رونے لگے۔ اور پھر فرمایا۔ اے ہدہد! جا میں نے تجھے معاف کر دیا۔ اس کے بعد پھر اس سے غیر حاضری کی وجہ پوچھی اور ہدہد نے ملکہ بلقیس کا سارا قصہ بیان کیا۔

میرے بھائیو! اس قصہ سے مجھے بتانا یہ ہے کہ دیکھئے ایک پیغمبر کا دل اللہ کے خوف سے کس قدر معمور ہے۔ باوجود معصوم ہونے کے وہ خدا کا خوف رکھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہم سرتا پا گنہگار ہونے کے باوجود اللہ کے خوف سے عاری ہیں۔ میرے بھائیو! اللہ سے ڈرو اور اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ آیت مذکورہ میں اللہ نے یہی درس دیا ہے۔ اور پھر اسکے بعد فرمایا ہے کہ:۔

تکمیل اسلام

تم مرو تو مسلمان ہی رہ کر مرو۔ یعنی زندہ رہو۔ تو مسلمان بن کر اور مرو بھی تو مسلمان ہی رہ کر مرو۔ میرے بزرگو! ہمارا اسلام اس قسم کا نہ ہونا چاہیئے۔ کہ

سٹیج پر آئیں تو خدم اسلام اور کوٹھیوں میں جائیں تو الحاد و زندقہ کی مکمل تصویر بن جائیں۔ جیسے کہ آجکل کے "جنٹلمینوں" کا اسلام ہے۔ نام کے مسلم اور کام کے غیر مسلم۔ یاد رکھو۔ کامل مسلمان وہ ہے۔ جس کی ہر ہر ادا اسلام میں رنگی ہوئی ہو۔ جس کی چال ڈھال اور سیرت و صورت، مکمل مسلمانوں کی سی ہو۔ نہ ایسی کہ جسے دیکھ کر بقول اقبال یہودی بھی شرما جائیں۔ وہ کہتا ہے نا!

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

دوستو! یہ شعر کسی مولوی کا نہیں۔ بلکہ یہ اقبال کا شعر ہے اور وہ آجکل کی مسلمانی کا رونا رو رہا ہے۔ اور بتا رہا ہے کہ آجکل کی مسلمانی کیا ہے۔ صورت میں عیسائی اور سیرت میں ہندو۔

ہرچہ خواہی پوش

بھائیو! یہاں جنٹلمینوں نے ایک مصرع یاد کر رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ ع

"در عمل کوش ہرچہ خواہی پوش"

یعنی لباس کا کیا ہے۔ کسی طرح کا بھی پہن لو۔ کوئی بھی وضع ہو۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر "ہرچہ خواہی پوش" ایسا عام ہے تو ذرا مہربانی کرکے زنانے کپڑے بھی پہن کر چلئے اور بیگم صاحبہ کو اپنے مردانے کپڑے بھی پہنا دیجئے۔ اور کبھی زنانہ وضع اختیار کرکے خود کانٹے بھی پہن کر نکلئے۔ اور بیوی صاحبہ کو پگڑی بندھا کر دکھائیے۔ اگر آپ ایسا کرلیں تو ہم بھی وضع کی نسبت فتویٰ دینا چھوڑ دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسلام کو کچھ ایسا ماڈرن قسم کا اسلام بنا لیا ہے کہ عیسائیت اور اس میں کچھ فرق ہی باقی نہیں رہ گیا۔

برقِ کلیسا

چنانچہ اس باب میں اکبر الہ آبادی نے ایک مزیدار نظم برق کلیسا کے نام سے لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے ؎

رات اس مس سے کلیسا میں ہوا میں جو دوچار
ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ ابھار!

یعنے رات کو گرجا میں محبوبہ سے جو سامنا ہو گیا۔ تو اس کے حسن و شوخی کا عالم میرے لئے وجہ اضطراب بن گیا!! اکبر نے اس پہلے شعر ہی میں آجکل کے "ماڈرن مسلمانوں" پہ چوٹ کی ہے۔ گویا یہ ماڈرن مسلمان مسجدوں میں تو نہیں آتے اور گرجے میں جاتے ہیں۔

اکبر پھر اس شوخ مس کے ناز و انداز کا نقشہ کھینچتا ہے ؎

دلکشی ناز میں ایسی کہ ستارے رک جائیں   سرکشی چال میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

اس قدر ناز و انداز کے پرکالے کو دیکھ کر اکبر کا کیا حال ہوا؟ سنیئے ؎

پس گیا ٹوٹ گیا دل میں سکت ہی نہ رہی
سُر تھے تمکین کے جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی

اکبر کہتا ہے کہ اس عالم میں میں نے دل کو بہت سنبھالا۔ مگر ؎

ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا!
یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا!

اس کے بعد اکبر صاحب کہتے ہیں۔ کہ دل سے مجبور ہو کر میں نے اس مس سے کہہ ہی دیا کہ ؎

تو اگر عہد وفا باندھ لے میری ہو جائے
ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے!

اس کے جواب میں اس مس نے جواب جو دیا وہ بھی سنیئے۔ وہ بولی ؎

غیر ممکن ہے مجھے انس مسلمانوں سے!
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے انسانوں سے

یعنی اے اکبر! تو مسلمان ہے اور یہ قوم تو بڑی مجاہد اور دین کی خاطر خون بہا دینے والی قوم ہے میں ایسی قوم کے کسی فرد سے انس رکھوں؟ یہ ممکن نہیں۔ پھر کہتی ہے ؎

لُن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر!
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر!

یعنی یہ مسلمان تو نمازی بھی ہیں اور غازی بھی۔ لہذا میں تم سے انس پیدا نہیں کر سکتی۔ اکبر نے اس مس کی زبان سے مسلمانوں کے اوصاف گنوا کر پھر عجیب رنگ میں آجکل کی ماڈرن مسلمانی کا تذکرہ کیا ہے اور اس مس کو جواب دیا۔ کہ ؎

مجھ سے کچھ وجہ شکایت تمہیں اے جان نہیں
نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلمان نہیں

یعنی اے مس! کیوں گھبراتی ہے۔ وہ مسلمان اگلے زمانے والے اب کہاں ہیں جو اوصاف تو نے بیان کئے ہیں۔ یہ تو پہلے مسلمانوں کے تھے اور اب جو ہم لوگ ہیں یہ تو محض نام ہی کے مسلمان ہیں۔ لہذا ؎

مرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو!
ہنس کے بولی وہ کہ پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو!

یعنی جب اکبر نے کہا کہ میرے اسلام کو ایک قطرۂ مانی سمجھو۔ تو بتوں نے جواب دیا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر مجھ کو بھی رامنی سمجھو۔

دوستو! کچھ سمجھے آپ؟ اکبر نے عجیب رنگ میں آجکل کے ماڈرن اسلام کا پول کھولا ہے منشا اس کی یہ ہے کہ یہ جنٹلمین اسلام "عیسائیت سے ملتا جلتا ہے۔ اور آجکل کے برائے نام مسلمان "دو اسلام" جیسی کتابیں لکھ پڑھ کر اصلی اسلام سے دور رہ کر کسی دوسرے ہی اسلام کے دلدادہ ہیں۔ یاد رکھو۔ اس قسم کا برائے نام اسلام اسلام نہیں۔ اسلام وہی ایک پرانا اسلام ہے۔ جسے صحابہ و تابعین اور بڑے بڑے اولیاء اور جمہور نے اپنایا۔ یہ دو اسلام والا نیا اسلام اس نئی روشنی کا ایک کرشمہ ہے۔ جو مسلمانوں کو اسلام سے دور کر رہا ہے۔ میرے بھائیو! خدا کا ارشاد ہے کہ تم مسلمان ہو مسلمان ہی جیو۔ اور مرو بھی تو مسلمان ہی مرو۔ چونکہ اس دور میں بڑے بڑے فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ اور یہ دین و مذہب کے لئے بڑا ہی خطرناک دور ہے۔ ذرا سی لغزش سے آدمی گمراہ ہو سکتا ہے اور مرتے دم ایمان سے خالی جا سکتا ہے اس لئے لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ خدا کے ارشاد کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اور اسی فکر میں رہنا چاہیئے کہ مرتے ہوئے ہم ایمان لے کر مریں۔

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا قطعۂ عید

میرے بھائیو! انجام کی بہتری ہی پر سب بھلائی منحصر ہے۔ اگر مرتے دم ایمان سے کر مرے تو سمجھئے بیڑا پار ہے۔ ورنہ سمجھ لیجئے کہ عمر بھر کی پونجی ضائع ہو گئی۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس مخدوم چند بچے حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ حضور۔ کل عید ہے۔ ہمیں کوئی عید کا قطعہ لکھ دیجئے۔ آپ نے حسب ذیل رباعی لکھ کر دے دی ؎

خلق گوید کہ فردا روز عید است　　خوشی در روح ہر مومن پدید است

دراں روزے کہ با ایماں بمیرم　　مرا در ملک خود آں روز عید است

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کل عید ہے اور ہر مسلمان خوش ہے۔ مگر جس دن میں ایمان کے ساتھ مرونگا۔ میرے لئے تو وہ دن عید کا ہوگا"

سبحان اللہ! اتنے بڑے غوث اور مقبول حق۔ مگر ہمیں اپنے انجام کی فکر کرنے کے لئے کس عجیب پیرائے میں درس دے گئے۔ گویا ہمیں سبق دے گئے کہ مسلمانوں امر و تو مومن مسلمان ہی رہ کر مرو۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہی ہے۔ کہ ایمان سلامت رہے۔ دوستو! اسی واسطے

آدمی جب نزع کے عالم میں ہو تو حکم یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر کلمہ شریف پڑھو مگر اسے یوں نہ کہو کہ کلمہ پڑھ اس لئے کہ وہ نزع کے عالم میں ہے۔ اور تکلیف میں ہے اگر اسے کہا گیا کہ کلمہ پڑھ تو ممکن ہے کہ وہ کہہ دے کہ نہیں پڑھتا۔ تو اسطرح وہ بے ایمان ہو جائے گا۔ ہاں اس کے پاس بیٹھ کر کلمہ پڑھتے رہو۔ تاکہ وہ بھی سنکر پڑھنے لگے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اگر جیو تو مسلمان ہی رہو۔ اور مرتے دم تک مسلمان رہو۔ اور مرو بھی تو مسلمان ہی رہ کر۔ اسلام کو ادھورا نہ چھوڑ دینا۔ بلکہ تکمیل اسلام یہ ہے کہ اسلام ہی پر خاتمہ ہو۔ آجکل لوگوں میں لہو ولعب کا بڑا شوق ہے۔

لہو ولعب

سینما وتھیٹر کا شوق۔ جوئے وسٹے کا شوق۔ گھوڑ دوڑ وبٹیر بازی کا شوق مے خواری وعیاری کا شوق۔ کیا کیا عیاشیاں اور ناعاقبت اندیشیاں نہیں ہیں! بھائیو! ایسا نہ ہو کہ کھیل دیکھتے ہوئے دم نکل جائے۔ جوا وسٹہ کی بازی لگاتے ہوئے ہارٹ فیل ہو جائے۔ شراب پیتے ہوئے موت آجائے۔ توبہ کرو اور ایسی زندگی اختیار کرو کہ اللہ اللہ کرتے ہوئے موت آئے۔ درود شریف پڑھتے ہوئے دم نکلے۔ ذکر حق کرتے ہوئے جان نکلے۔ ایسی موت آئے۔ تو خدا بھی خوش اور خدائی بھی آفرین وتحسین کے پھول برسائے گی۔ دیکھو جن اللہ والوں کی خدا کی یاد میں عمر تمام ہوئی ہو۔ آجتک کس طرح ان کے مزار بھی مرجع خلائق ہیں۔ مگر جو بدمعاشی اور عیاشی میں مرتے ہیں۔ خدا بھی ناخوش اور خدائی بھی انہیں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتی۔

موت کو یاد رکھو

میرے بھائیو! مرنا تو سب نے ہے ہی۔ موت سے کس کو مفر ہے۔ اسی واسطے موت کو ہر وقت یاد رکھنے کا حکم ہے۔ دیکھئے قرآن پاک میں ہے کہ جب تم گھوڑے یا کسی دوسری سواری پر سوار ہونے لگو۔ تو یہ آیت پڑھو۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ
وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ (پ ۲۵ ع ۷) پاکی ہے
اُسے جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں کر دیا اور
یہ ہمارے ہونے کی نہ تھی۔ اور بے شک ہمیں اپنے
رب کی طرف پلٹنا ہے۔"

اس آیتہ کریمہ کا پہلا حصہ تو سواری کے مناسب نظر آرہا ہے مگر آگے جو فرمایا گیا ہے۔ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ اور بے شک ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔" اس کو بظاہر پہلے مضمون سے کوئی مناسبت نہیں معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ بزرگان دین نے اسکو سمجھا کہ یہ اسطرف

اشارہ ہے کہ خدا کے بندو! اس جب نور پر سوار ہونے سے دوسری سواری کو بھی یاد رکھو اور سمجھ لو کہ تم کو کسی ... نہ پاؤ۔ بانس پر بھی سوار ہونا ہے۔ جس میں تم کو رکھ کر چار آدمی لے جائیں گے۔ اصل سواری تو یہی ہے کہ جس پر سوار کر کے تم کو خدا کے ہاں پہنچا دیں گے۔ تو اے بھائیو! جب جانور پر سواری کرتے وقت بھی موت کو یاد کرنے کا حکم ہے۔ تو کسی میت کو دیکھ کر یا قبرستان میں پہنچکر موت کو یاد کرنے کا حکم کیوں نہ ہوگا۔ مگر افسوس آج ہم پر اس قدر غفلت طاری ہے کہ قبرستان میں بیٹھے ہیں اور ہنسنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم موت سے ڈرتے بھی بہت ہیں چونکہ اسی دنیا کو ہم نے اپنا گھر سمجھ رکھا ہے۔ اس لئے یہاں سے جدا ہونے کا رنج و غم ہوتا ہے۔ ورنہ جب آدمی سفر میں ہوتا ہے تو جتنا گھر سے قریب ہوتا جاتا ہے خوشی بڑھتی جاتی ہے۔ اور یہاں یہ حالت ہے کہ جوں جوں مرنے کے دن قریب آتے ہیں۔ روح فنا ہوتی ہے اور یہ حالت دنیاداروں ہی کی ہے۔ کیونکہ وہ دنیا ہی کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ بخلاف اللہ والوں کے کہ انہیں نہ لپٹے مرنے کی پرواہ نہ اولاد کے مرنے کی پرواہ ہوتی ہے۔ وہ موت کو بمصداق "اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ" ایک ایسا پل سمجھتے ہیں جو اس کنارے سے اس کنارے پر لے جا کر دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت خلیل علیہ السلام اور ملک الموت

چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس جب ملک الموت حاضر ہوا۔ تو حضرت خلیل نے اسے فرمایا۔ جان قبض کرنے سے پہلے میری طرف سے خدا کو جا کر کہو کہ دوست کیا اپنے دوست کی جان بھی لیتا ہے؟ ملک الموت نے خدا کے حضور یہ پیغام خلیل عرض کیا۔ تو خدا نے فرمایا تم جا کر میری طرف سے یہ جواب دو کہ دوست دوست کو بلائے تو کیا دوست آنے سے انکار بھی کرتا ہے؟ ملک الموت نے یہ بات حضرت خلیل سے کہی۔ تو آپ کو بڑا لطف حاصل ہوا۔ اور خوشی سے فرمایا کہ چلو ہم چلتے ہیں۔ اور جان قبض کرنے کی اجازت دے دی۔

دیکھا آپ نے! یہ اللہ والے موت کو ایک ذریعہ وصال سمجھتے ہیں ع

شیخ المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ جب میں اپنے استاد حدیث شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب الوری قدس سرہٗ سے دورہ حدیث پڑھ رہا تھا۔ اور بخاری شریف میں جب یہ حدیث آئی کہ قبر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ ان کے متعلق کیا

کہتے ہو" اس موقعہ پر پہنچے۔ تو شیخ المحدثین حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ یہ حدیث پڑھتا ہوں تو ابھی مر جانے پر دل چاہتا ہے تاکہ حضور کا دیدار ہو۔ اسی باب میں اعلیٰ حضرت کا یہ شعر بھی ہے ؎

جان تو جاتے ہی جائے گی، قیامت یہ ہے، !
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا !

حضرت مولانا آسی علیہ الرحمتہ کا بھی ایک شعر سن لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسیؔ !
ہے اس گل کی ملاقات کی رات جس کے جویاں تھے

اور میرے بھی اشعار سن لیجئے ؎

وہ تنہائی، تاریکی تنگی لحد کی — یہ سنکر مرے دل کی حالت بُری تھی
مگر اس خبر نے مجھے دی تسلّی! — کہ واں مصطفیٰ کا بھی دیدار ہوگا

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنْ یہ جو حدیث میں آتا ہے۔ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنْ۔ دنیا مومن کے لئے جیلخانہ ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ جیلخانہ میں اگرچہ کیسا ہی عیش ہو۔ اور سب سامان راحت موجود ہوں۔ مگر وہاں جی نہیں لگتا۔ تو مسلمان کی شان یہ ہے کہ دنیا میں اسکا جی نہ لگے۔ اگرچہ بظاہر اس میں کیسا ہی عیش و آرام ہو کیونکہ جی لگنے کی جگہ گھر ہے۔ اور وہ گھر نہیں ہے۔ پھر جب جی نہ لگنے لگا۔ تو کیوں سوچے گا کہ یوں ہوا اور یوں نہ ہو۔ یہ ہوا اور وہ نہ ہو۔ بلکہ اب سوچے گا۔ کہ دنیا تو پردیس ہے۔ یہاں جس طرح سے بھی دن گذر جائیں اور دنیا کی فکر کی بجائے اب یہ ہو گا۔ کہ انجام اچھا ہو اور آخرت بن جائے اور آخرت بننے کیلئے یہی نسخہ ہے کہ لَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ یعنی مرو تو مسلمان رہ کر مرو۔ میں یہی کہہ رہا تھا کہ مرنا تو سب ہی نے ہے۔ تو بھائیو۔ پھر کیوں نہ ہم ایسی موت مریں۔ جو خدا کے حکم کے مطابق ہو۔ یعنی مسلمانی کی موت۔ بھائیو! ہم میں جو جو غیر اسلامی حرکتیں ہیں۔ ان کو ترک کر دو۔ اور آج سے کامل مسلمان بن کر جینے اور مسلمان ہی رہ کر مرنے کا عہد کر لو۔ خوب یاد رکھو کہ مرنا ضرور ہے اور اگر غیر اسلامی موت واقع ہو گئی۔ تو عاقبت برباد ہو گئی۔ آج وقت ہے کہ ہم موت سے پہلے پہلے کامل مسلمان بن جائیں اور اسلام پر ہی مرنے کا عہد کریں۔ ورنہ پھر یہ وقت ہاتھ نہ آئے گا۔

لطیفہ کہتے ہیں ایک شخص سو رہا تھا۔ اور سوتے میں اس نے خواب دیکھا کہ اسے ایک بھینس

مل گئی ہے۔ وہ بھینس کو لے کر خوشی خوشی گھر آ رہا تھا۔ کہ راستے میں بھینس کا ایک خریدار بھی مل گیا خریدار نے پوچھا۔ کیوں بھئی اس بھینس کا کیا لوگے؟ وہ شخص بولا۔ پانچ سو روپیہ۔ خریدار نے کہا نہیں صاحب دو سو لے لو۔ اس نے کہا۔ نہیں صاحب۔ پانچسو سے ایک پیسہ بھی کم نہیں۔ خریدار نے پھر کہا۔ دو سو بہت ہیں۔ دو سو لے لو۔ اب اس شخص نے زور سے کہا۔ نہیں پانچ سو ہی لوں گا۔ زور سے جو نہیں کہا تو آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ نہ بھینس ہے نہ پانچسو اور نہ دو سو بڑا پچھتایا اور پھر آنکھیں بند کر کے بولا۔ اچھا دو سو ہی دے جا۔ مگر اب وہ بھی کہاں۔ اس وقت سودا کر لیتا تو تھوڑے وقت کے لئے کچھ تو مل جاتا۔ میرے بھائیو! مطلب میرا یہ ہے یہ وقت سب کچھ کر لو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔ اب مولانا رومی کی بیان کردہ ایک حکایت بھی سن لیجئے۔

مثنوی شریف کی ایک حکایت

وہ فرماتے ہیں ایک دریا کے قریب ہی تھوڑے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گڑھا تھا جس میں تین مچھلیاں رہتی تھیں۔ اتفاقاً وہاں ایک ماہی گیر آیا اور اس نے جب اس گڑھے میں تین مچھلیاں دیکھیں تو کہنے لگا۔ کل جال لاؤں گا۔ اور تینوں مچھلیوں کو پکڑ لوں گا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔ ان تینوں مچھلیوں میں ایک تو بڑی دانا تھی۔ اور دوسری نیم عاقل تھی۔ اور تیسری بڑی احمق تھی۔ مگر اپنے آپ کو دانا سمجھتی تھی مولانا رومی کے اشعار کا اردو منظوم ترجمہ سنئے۔ فرماتے ہیں ؎

مشورہ دونوں سے عاقل نے کیا — تم نے ماہی گیر کا کہنا سنا

ہے مری رائے کہ ہم سب رات بھر — کر کے محنت گر نہ پڑنے جلد تر

یاں سے دریا کی طرف جائیں نکل — ورنہ یہ جانو کہ بس آئی اجل

نیم عاقل نے کہا سب کچھ سنا — وہ جو ماہی گیر اور تو نے کہا!

پر مرے پیارے نبی کا ہے سخن — جزو ہے ایمان کا حب الوطن

میں نہ جاؤں گی وطن کو چھوڑ کر — جان کو بھی ہو اگرچہ خطر

یہ کہا عاقل نے اور سن کر ہنسی — مجھ کو بھی معلوم ہے قول نبی

ہے غلط فہمی یہ تیری اے بہن — عارضی پانی کو تو سمجھی وطن

مولانا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ احمق مچھلی بولی اور کہا ؎

یہ کہا احمق نے میں ایسی نہیں — لے پکڑ صیاد جو مجھ کو نہیں!

اتنے پانی میں نہ میں آؤں گی ہاتھ — جانتی ہوں خوب صیاد کی گھات

عاقل مچھلی نے جب ان دونوں مچھلیوں کا جواب سنا تو ؎

چل پڑی دریا کی جانب یہ کہا	لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
جو کوئی کرتا ہے خود اپنی مدد	اس کی کرتا ہے خدا خود بھی مدد

اس کے بعد دوسرے دن ماہی گیر آیا۔ تو ؎

نیم عاقل نے بھی یہ تدبیر کی	دم لیا گھونٹ اور مردہ بن گئی
جان کر صیاد نے اس کو مرا	پھینکا دریا کی طرف واں سے ذرا
اس جگہ سے جست کر کے ایک بار	پہنچی دریا میں ہنسی بے اختیار

اور جو احمق مچھلی تھی اس کا کیا حشر ہوا ؎

تیسری احمق پھنسی جب جال میں	خوب روئی یاد کر کے پھر ہنیں
اپنی خود رائی پہ پچھتائی بہت!!	اپنی نادانی سے شرمائی بہت!

نتیجہ مولانا رومی اس حکایت کو لکھکر نتیجہ یہ بیان فرماتے ہیں ؎

ہے مراد عاقل سے یاں وہ متقی	جو جیا بے عیب ساری زندگی
نیم عاقل سے غرض ہے وہ جواں	عمر اول جس نے کھوئی رائیگاں
ہوش میں وہ آگیا پر وقت پر!	عاقبت کو کچھ نہ پہنچا یا ضرر!

ہے مراد احمق سے یاں وہ بے حیا
غرق عصیاں جو بڑھاپے تک رہا!!

میرے دوستو! اس حکایت سے سبق حاصل کرو۔ اول تو اس دانا مچھلی کی طرح عاقبت کی فکر کرو۔ موت کا شکاری آنے والا ہے۔ اپنی زندگی اسلامی سانچے میں ڈھال لو اور اگر آج تک غفلت طاری رہی ہے تو دوسری مچھلی ہی کی طرح آخری حصہ عمر کا درست کر لو۔ تاکہ انجام بخیر ہو۔ ورنہ یاد رکھو۔ تیسری احمق مچھلی کا سا حشر ناگزیر ہے۔ اور عذاب کے فرشتے پکڑ کر لے جائیں گے۔ پھر اس احمق مچھلی کی طرح پچھتانا اور شرمانا پڑے گا۔ اب آخر میں یہ دعا ہے کہ ؎

یا خدا جسم میں جب تک مری جان رہے	تجھ پہ صدقے ترے محبوب کے قربان رہے
کچھ رہے یا نہ رہے پر یہ دعا ہے کہ امیر	نزع کے وقت سلامت مرا ایمان رہے

آمین یا رب العلمین
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

(اشرف پریس ۷ - ایبک روڈ لاہور میں باہتمام شیخ محمد اشرف پرنٹر چھپی)

سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب
کی زیر ادارت شائع ہونے والا

پاک و ہند میں

اہل سنت و جماعت کا واحد کثیر الاشاعت ماہنامہ

ماہ طیبہ

اس ماہنامہ میں ہر ماہ اہل سنت کی تائید میں بہترین علمی مضامین شائع ہوتے ہیں ۔ اور نظم و نثر میں اہل حق کی حمائت اور اہل باطل کی تردید ایک اچھوتے انداز میں کی جاتی ہے ۔ اسے جس نے بھی ایک بار دیکھا اور پڑھا اس کا گرویدہ ہوگیا ۔ آپ بھی اس کے خریدار بن جائیے ۵۲ صفحات ۔ اور دیدہ زیب نئے نئے ٹائیٹل ــ سالانہ قیمت چار روپیہ ــ فی کاپی ٦ آنے

ملنے کا پتہ

ماہنامہ "ماہِ طیبہ" کوٹلی لوہاراں
ضلع سیالکوٹ